دہلی میں دفن خزینے

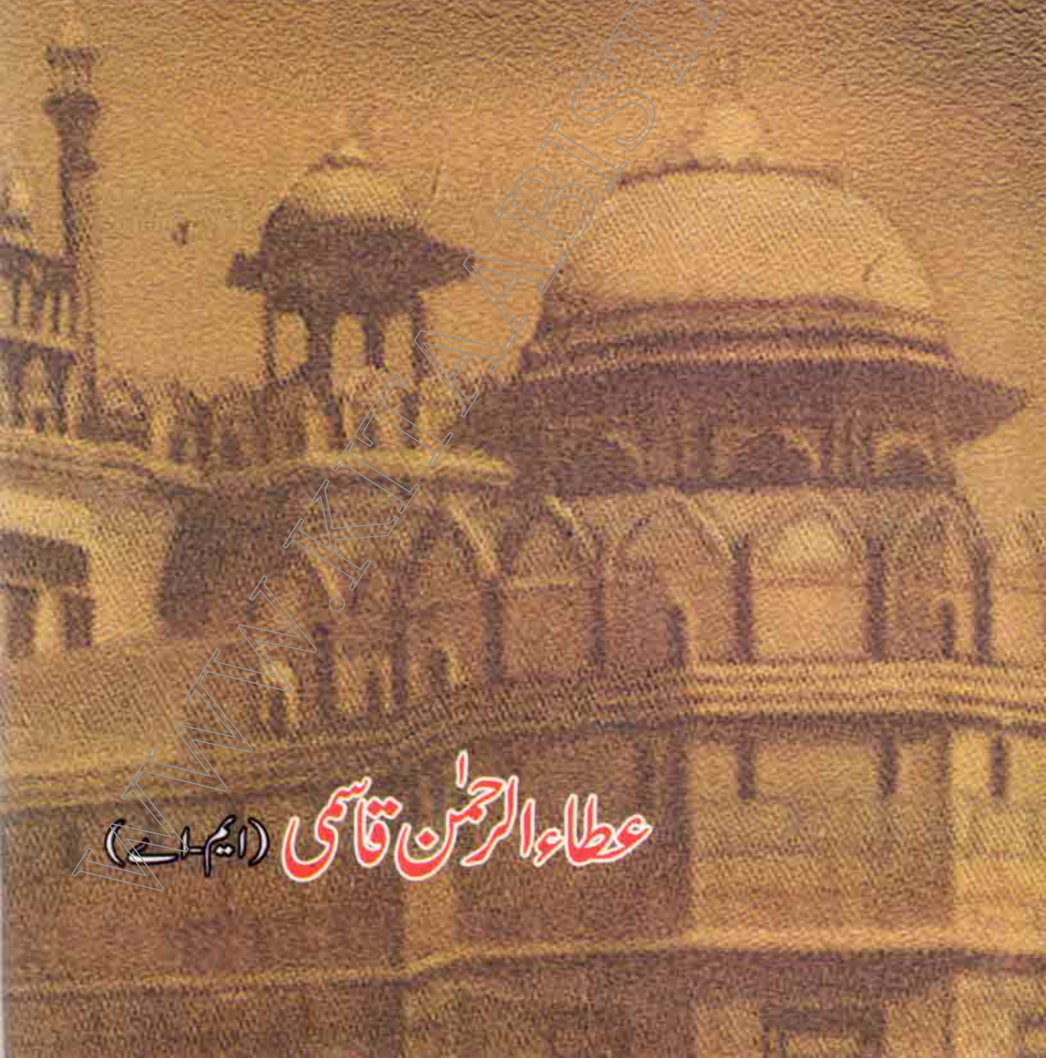

عطاء الرحمٰن قاسمی (ایم اے)

WWW.KITABISTAN.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

In the Name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

دہلی میں دفن خزینے

Scanning Project 2016

Book No.305

Donated By:
Rashid Ashraf

Special Courtesy :
Salman Siddqui
Amin Tirmizi

Managed By:
Rashid Ashraf
zest70pk@gmail.com
www.wadi-e-urdu.com

WWW.KITAABISTAN.COM

دھلی میں دفن خزینے

مصنف

عطاء الرحمن قاسمی

طیب پبلشرز

5۔ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔ 7241778

WWW.KITABISTAN.COM

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب ☆ دہلی میں دفن خزینے
مصنف ☆ عطاء الرحمن قاسمی
سن اشاعت ☆ فروری 2002ء
اہتمام ☆ محبوب الرحمن انور
ناشر ☆ طیب پبلشرز لاہور۔
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور
کمپوزنگ ☆ گل گرافکس (حافظ طاہر)
پرنٹرز ☆ حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور۔
قیمت ☆ -/180 روپے

عرض ناشر

دہلی کو دارالسلطنت ہونے کا شرف ہمیشہ حاصل رہا ہے اور اب بھی ہے اور اسی وجہ سے لوگ دہلی کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ سرزمین دہلی کو اگر ایک طرف اولیاء اللہ منور کرتے رہے ہیں تو دوسری طرف مشائخ و اولیاء نے بھی اپنے وجود سے اس کو ہمیشہ معمور رکھا۔

چنانچہ دہلی کے متعلق سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شخص دہلی کے حالات اور دیگر شہروں پر اس کی رفعت اور بزرگی کے متعلق دریافت کرے تو [illegible] کہ دہلی آقا اور سردار ہے اور تمام شہر اس کی باندیاں دہلی موتی ہے اور تمام شہر [illegible] اس لئے آپ کو لاکھوں کی تعداد میں ایسے اہل ہنر اور اولیاء اللہ صلحاء عظام ملوک و سلاطین ملیں گے جنہوں نے دہلی کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں کے ہو کر رہ گئے یہی وجہ ہے کہ دہلی کے چپے چپے پر ایسے ایسے صاحب علم و ہنر و علوم و فنون کے ماہر اولیاء کرام صلحاء عظام اور ملوک و سلاطین [illegible] ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے بقول مولانا حالی کے

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

آپ کے ہاتھوں میں کتاب دہلی میں دفن خزینے اس کا اصل نام الواح الصادید ہے لیکن یہ نام مشکل تھا قارئین کی سہولت کے لیے ہم نے اس کو آسان نام دیا ہے دہلی میں دفن خزینے اس کے دو حصے تھے اس کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

پہلے حصہ میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے جوار میں ممتاز و عظیم ہستیوں کی زندگی تاریخ ساز کارناموں کا تذکرہ ہے۔

دوسرے حصے میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ حضرت خواجہ باقی باللہؒ

WWW.KITABISTAN.COM

حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ اور نیا قبرستان دہلی گیٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں آرام فرما اولیاء اکرام مشائخ عظام کی تابناک زندگی اور تاریخی کارنامے اور ان کی قبروں، لوحوں اور تختیوں کا ذکر ہے۔

مصنف حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب نے بزرگان دین اور اسلام کی تاریخ ساز شخصیتوں کے کتبات کو کتاب کی شکل دے کر ایک عہد ساز قابل قدر اور مفید کام کیا ہے مستقبل میں یقیناوہ وقت بھی آئے گا جب اس کام کی قدر و اہمیت کو آج سے بہت زیادہ تسلیم کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیروں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

طیب پبلشرز کی سعادت ہے کہ اس عظیم علمی سرمایہ کو چھاپنے کا اعزاز حاصل کر رہا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ (آمین)

ناشر

انتباہ!

الیکٹرانک، مکینیکل، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کسی بھی اور ذریعہ سے اس کتاب یا اس کے کسی حصہ کو پبلشر کی پیشگی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ حوالہ یا تبصرہ جیسے مقاصد کے لئے کتاب، پبلشر، مصنف، صفحہ نمبر درج کرنا ضروری ہے۔

لیگل ایڈوائزر: عبدالحفیظ انصاری

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	
پیش لفظ	13	مولانا عبدالعلی قاسمیؒ	165
مقدمہ	16	عبدالرزاق انصاریؒ	168
تعارف	28	مولانا امین الدینؒ	172
دیباچہ	31	مولانا عبدالرحمٰن راسخؒ	175
شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ	52	مولانا مفتی محمد ابراہیم واعظؒ	180
شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ	58	ڈاکٹر سید محمودؒ	182
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	71	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	190
شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	108	مولانا اکبر خانؒ	197
شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ	123	مفتی عتیق الرحمٰنؒ	201
شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ	128	علامہ المامون الدمشقیؒ	205
شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ	135	چودھری مختار احمد خان	207
مومن خان مومنؒ	138	حکیم محمد الیاس خان	210
مولانا مملوک علی نانوتویؒ	145	مولوی محمد یوسف فقیرؒ	215
مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ	151	مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؒ	219
مولوی عبدالاحد	157	مولانا امداد صابریؒ	225
سمیع اللہ خانؒ	161	مولانا محمد مسلمؒ	230

محمد رشید خانؒ	233	محمد سعید دہلویؒ	269
ڈاکٹر عبدالجبارؒ	235	درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ	270
مولانا محمد زبیر قریشیؒ	238	حضرت امیر خسروؒ	272
حافظ محمد عرفانؒ	240	خواجہ ضیاء الدین برنیؒ	274
عزیز الرحمٰن جامعیؒ	242	خواجہ نور محمد بدایونیؒ	274
عتیق الرحمٰن قدوائی	244	نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ	276
حکیم محمد شریف خانؒ	247	مرزا اسد اللہ خاں غالب	278
رفیق احمد رحمانیؒ	248	سر شاہ محمد سلیمان	279
عبدالرحمٰن شاکرؒ	249	شمس العلماء خواجہ حسن نظامیؒ	280
مرزا شریف اللہ بیگ	251	بیرسٹر آصف علی	282
فرید احمد دہلویؒ	254	مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ	284
درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ	256	منشی سید ظہور احمد وحشی	285
سلطان شمس الدین التمشؒ	257	پروفیسر محمد اجمل خانؒ	286
قاضی حمید الدین ناگوریؒ	259	نواب الٰہی بخش خاں معروف	288
مولانا فخر الدین دہلویؒ	259	مرزا زین العابدین خاں عارف دہلوی	289
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	260	ساغر نظامی	289
نواب ضیاء الدین احمد خان نیر رخشاں	262	مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ	291
مرزا سعید الدین احمد خان طالبؒ	262	مولانا عبید اللہ بلیاویؒ	292
شجاع الدین احمد خان تاباں	263	مولانا عبدالسلام نیازیؒ	293
نواب سراج الدین احمد خان سائل دہلوی	264	ڈاکٹر اعجاز الدین خان	293
حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	265	مولانا عبدالوحید صدیقیؒ	295
مولانا احمد سعید دہلویؒ	267	درگاہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ	296

مفتی صدر الدین آزردہؒ	298	مولانا ضیاء الحق دیوبندیؒ	320
خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ	299	مولانا عبدالماجد دہلویؒ	320
[illegible]	300	حافظ عبدالعزیز انصاری	320
[illegible]	301	حافظ علی محمد انصاری	321
خواجہ حسام الدینؒ	301	شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی	321
[illegible]	303	بیرسٹر نور الدین احمد	322
مولانا عبدالحق حقانیؒ	304	شیخ رضی الدینؒ	324
مولوی عبدالرب واعظؒ	305	سید عزیز الشفیع	325
ڈپٹی نذیر احمدؒ	306	محمد نسیم صدیقی ایڈووکیٹ	325
مولوی بشیر الدین احمدؒ	308	درگاہ سرمد شہیدؒ	327
[illegible] دہلویؒ	308	مولانا سید احمد بخاریؒ	328
[illegible] دہلویؒ	310	مولانا سید حمید بخاریؒ	330
حاجی محمد اسماعیلؒ جاپان والے	311	مولانا ابوالکلام آزادؒ	331
[illegible]	313	مولانا شوکت علیؒ	332
[illegible]	314	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ	334
مولانا [illegible]	315	جنرل شاہنوازؒ	336
حکیم عبدالحمیدؒ	316	مولوی سمیع اللہ قاسمیؒ	337
خواجہ عبدالعدلؒ	318	خواجہ محمد ناصر عندلیب	338
شاہ عبدالرحیم ہادیؒ	318	خواجہ میر درد	339
[illegible] حافظ عبدالعزیز دہلویؒ	318	خواجہ میر اثر دہلوی	340
مولانا کرامت اللہ خانؒ	319	خواجہ میاں الم	341
مفتی محمد یعقوب دہلویؒ	319	خواجہ سید حسن رسول نما	342

WWW.KITABOSUNNAT.COM

حکیم عبدالمجید	342	سید انیس الرحمٰن	362
حکیم اجمل خان	343	مرزا محمود بیگ	365
حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ	344	مولانا عبدالباقیؒ	366
حضرت شاہ غلام علیؒ	346	کوثر چاند پوری	367
حضرت شاہ ابوسعیدؒ	347	قاری محب الدین احمدؒ	368
حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ	347	علامہ خضر برنی	369
محمد ابوالفضل فاروقی	348	نواب مولوی محمد مجید اللہ خان	370
ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ	349	مولانا محمد مظہر الدینؒ	371
ڈاکٹر ذاکر حسین خانؒ	350	واقف مرادآبادی	372
ڈاکٹر عابد حسین	351	حاجی سید عبداللطیف	372
مولانا اسلم جیراجپوری	352	میر علی ناصر ایڈیٹر صلائے عام	373
پروفیسر ہمایوں کبیرؒ	353	پروفیسر محمد شفیع دہلوی	373
خواجہ غلام السیدین	354	سید محمد جعفری	374
پروفیسر محمد مجیب	355	مولانا مفتی فضل الرحمٰن فاروقیؒ	375
شفیق الرحمٰن قدوائیؒ	356	غازی عبدالرشیدؒ	375
صالحہ عابد حسین	357	مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ	377
پروفیسر سجاد ظہیر	358	حافظ علی بہادر خان	378
رضیہ سجاد ظہیر	359	آغا محمد طاہر دہلویؒ	379
پروفیسر مشیر الحق	359	مولانا سید عبدالدائم جلالیؒ	380
ڈاکٹر یوسف خان	360	استاد رسا دہلوی	381
خان عبدالغفار خان انبالویؒ	360	مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ	382
ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ	362	مولانا سید سلیمان ندویؒ	384

مولانا دوست محمد	384	حافظ محمد عثمان	399
مولانا رشید احمد سیتاپوری	385	محمد عمر لیس والے	400
مولانا عبداللہ فاروقیؒ	387	حافظ محمد یوسف دہلویؒ	400
مشیر جھنجھانوی	389	رضیہ سلطانہ	401
سلام مچھلی شہری	390	مرزا عبدالقادر بیدل	402
ڈاکٹر سید محمود احمد قادری	391	شاہ ترکمان بیابانی	403
حافظ ظہور الدینؒ	392	مولانا عبدالغفار دہلویؒ	403
حاجی نظر الدین	393	شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلویؒ	404
عبدالغفار خان	393	مفتی محمد مظہر اللہ دہلویؒ	405
مولانا حافظ سید محمد فاروق	393	فخر الدین علی احمد	405
مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ	394	حافظ عبدالرشید قریشیؒ	407
صوفی عزیز الرحمٰن پانی پتیؒ	396	عاجزہ خاتون	409
حافظ محمد نسیم	397	قاضی سجاد حسین	410
حافظ رحمت الٰہی معتکف	397	اجمالی تذکرے	411
حاجی شفیع دہلویؒ	398	کتابیات	423

WWW.KITAABISTAN.COM

انتساب

دہلی

کی

عظمت

رفتہ

کے

نام

پیش لفظ

از

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

اٹھارہویں صدی کے وسط سے ہندوستان میں زبردست انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء کے بعد انگریز جن کے جلو میں انگلستان کا صنعتی انقلاب تھا۔ رفتہ رفتہ قدم مضبوطی کے ساتھ جما رہے تھے۔ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک کی فوجیں فاتحانہ پرچم کے ساتھ دہلی تک پہنچ گئیں اور شاہ عالم بالکل انگریزوں کے زیر اثر آ گیا اور اس کی حکومت از دہلی تا پالم رہ گئی پنجاب اور سرحد کے وہ علاقے جو ہندوستان کی جغرافیائی سیاست میں اور فوجی اعتبار سے سب سے زیادہ اہم تھے وہ رفتہ رفتہ مغلوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

اٹھارہویں صدی میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۰۲۔۱۷۶۰ء نے ایک بہتر معاشرہ تیار کرنے کے لیے اپنی مہتم بالشان تحریک شروع کی یہ تحریک مذہبی بھی تھی، سیاسی بھی، اقتصادی بھی اور ادبی بھی شاہ صاحبؒ نے قرآن شریف کا جواب تک صرف جزدانوں میں بند تھا، فارسی میں ترجمہ کیا۔ قرآن کی یہ دعوتِ عام ایسا انقلابی اقدام تھا کہ اس سے حکومت کے ایوان میں زلزلہ آ گیا اور اسی کے اکسانے پر جاہل عوام اور برخود غلط مولوی ننگی تلواریں لے کر شاہ صاحب پر ٹوٹ پڑے۔ ان کو اس سلسلہ میں وہی تکلیفیں اٹھانا پڑیں جو جان وکلف اور اس کے ساتھیوں کو انجیل کا ترجمہ کرنے پر اٹھانا پڑی تھیں۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ نجف خان نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروا دیئے تھے تاکہ وہ کوئی مضمون یا کتاب نہ لکھ سکیں۔ اسی نے ان سے دونوں بیٹوں شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو اپنی قلمرو سے نکلوا دیا تھا۔ لیکن ان سختیوں سے یہ تحریک دب نہ سکی بلکہ رفتہ رفتہ ہگلی سے پشاور تک اور پٹنہ سے کرنال تک پھیل گئی۔

WWW.KITAABISTAN.COM

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے انتقال کے بعد شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۶ـ۱۸۳۳) نے اس تحریک کو زبان و قلم کی مدد سے آگے بڑھایا لیکن ان کی روز افزوں مقبولیت اور اصلاحانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر دشمنوں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ اوارہ گرد لوگوں نے آوازے کسے مکان ضبط کر لیا گیا دہلی سے نکال دیا گیا دو دفعہ زہر دینے کی کوشش کی گئی یہ بھی روایت ہے کہ ان کے بدن پر چھپکلی کا اُبٹن مل دیا گیا تھا جس سے برص ہو گیا لیکن وہ آخر وقت تک اپنے انقلابی خیالات کی اشاعت سے باز نہیں آئے۔

۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے دہلی پر تسلط جما لیا تھا وہ دہلی جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز نے لکھا تھا کہ ’’دوسرے شہر اور بلاد کنیزیں اور لونڈیاں ہیں اور دہلی ملکہ اور رانی یہ موتی ہے اور باقی سب کے سب سیپیاں‘‘ دہلی مٹنے پر بھی ہندوستان کا قلب و جگر اور عظیم الشان تہذیب کی نشانی تھی اس کے علماء کی راست روی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ دہلی پر انگریزوں کا تسلط ہو۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں شاہ عبدالعزیز نے یہ فتویٰ دیا کہ پورا برطانوی ہند دارالحرب ہے اور انگریزوں سے لڑنا ہمارا فرض عین ہے۔ یہ فتویٰ جہاد انہوں نے نہ مرہٹوں کے خلاف دیا اور نہ سکھوں کے انگریزوں کے خلاف دیا اور انہوں نے ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۳ء تک بیس دفعہ ۶۰ ہزار لشکر کی مدد سے مجاہدین کا مقابلہ کیا لیکن یہ تحریک کچلی نہیں جا سکی بالکل آخر زمانے میں اس تحریک کی نمائندگی حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی جن کا انتقال ۱۹۵۸ء میں ہوا اور جن کے کمالات کا ابھی تک احاطہ نہیں ہو سکا ہے۔

جس روز مولانا آزاد کا انتقال ہوا ہے میں ان کے در دولت پر موجود تھا وزیر اعظم پنڈت نہرو بھی تشریف فرما تھے اور گفتگو یہ ہو رہی کہ مولانا آزاد کو کہاں دفن کیا جائے۔ میں نے عرض کیا مولانا جید عالم اور عظیم المرتبت مفسر قرآن تھے۔ ان کو حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدثین کے قبرستان مہندیان میں دفن کرنا چاہیے پنڈت جی نے کہا وہ ہندوستان کے بڑے ممتاز لیڈر تھے ان کو جامع مسجد شاہ جہانی کے قریب جو مرجع خلائق ہے دفن کرنا چاہیے بالآخر پنڈت جی ہی کی رائے پر عمل کیا گیا۔

مولانا عطاالرحمن صاحب میرے پاس آئے اور اس کتاب (دہلی میں دفن خزینے) پر پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی تو میں نے عذر کیا اور کہا کہ آپ میرے متعلق غلط فہمی میں گرفتار

ہیں۔ صرف نااہلی میں میرا پایہ بلند اور ارجمند ہے میں ان بزرگوں کی پاؤں کی دھول بھی نہیں وہ نہیں مانے پھر میں نے ان کے سامنے یہ شرط رکھی کہ مولانا آزاد کے معاملہ میں مجھے کامیابی نہیں ہوئی لیکن اپنے معاملہ کا مجھے اختیار ہے وعدہ کیجئے کہ اگر دہلی میں میرا وقت آ جائے تو آپ مجھے مہندیان میں دفن کریں گے اس رائے کو انہوں نے مان لیا اور یہ میرے لیے بڑا اعزاز و اکرام ہے۔

مہندیوں کا قبرستان ویرانہ نہیں ہے یہاں صدیوں کی دولت گڑی ہوئی ہے اور ایسے ایسے اہل کمال وہاں جمع ہیں کہ آسمان کو بھی اس زمین پر رشک آتا ہوگا۔ مولانا عطاء الرحمن قاسمی نے چیونٹی کے منہ سے دانے جمع کر کے خرمن تیار کیا ہے اور ان تمام بزرگوں پر سوانحی نوٹ لکھے ہیں جو اس قبرستان میں آسودہ ہیں۔ اس تصنیف کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان ہی سے واقفیت نہیں ہوتی بلکہ اس دور کی فکری تاریخ بھی ہمارے سامنے آ جاتی ہے جس میں سب سے اہم کردار حضرت شاہ ولی اللہؒ ان کے مریدین اور ان کے مدرسہ رحیمیہ کا ہے۔

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی استاد فقہ و حدیث جامع رحیمیہ دہلی سے ذرا دیر کو مولانا نیاز الدین کی دکان پر ملاقات ہوئی اور ایسا محسوس ہوا کہ میری روح ان کی قدیم شناسا ہے اور مجھے ان کی صحبت میں حق دیرینہ حاصل ہے۔ واقعی دل کا معاملہ کبھی کبھی ایک نیم نگاہِ محبت سے بھی ہو جاتا ہے۔ ان کی کتاب ’’دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں‘‘ پڑھی تو اور زیادہ قربت محسوس ہوئی اس لیے کہ حدیث دیگراں ہی سے سرِ دلبراں تک پہنچا جا سکتا ہے۔

خدا سے دعاء ہے کہ اس تصنیف کو مقبولیت حاصل ہو اور اس کے مصنف کو اجر عطا ہو۔

(خواجہ احمد فاروقی)

WWW.KITABISTAN.COM

مقدمہ

مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب استاد حدیث جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر شریف۔

محبت اور نفرت نے برابر خطرناک مسائل کھڑے کئے ہیں۔

محبت ہے، تو خرابیاں بھی اچھائیوں کے زمرہ میں سمیٹ لیجاتی ہیں اور خامیوں کی خوبصورت سی تاویل کرلی جاتی ہے...... اور اگر نفرت کا پردہ پڑ گیا تو خیر بھی باندازۂ شر سامنا کرتا نظر آتا ہے اور خوشگوار حقیقتیں بھی ناگوار لگنے لگتی ہیں......!

آج مجھے بھی محبت کے انہیں خطرناک اثرات کو بھگتنا پڑ رہا ہے...... یہ تحریر جسے آپ پڑھ رہے ہیں، بڑی مخلصانہ فرمائش کا نتیجہ ہے اور محبت آمیز مطالبوں کی رسید لکھانے والے نے یہ نہیں سوچا کہ میں نے کچھ لکھا تو میری کج مج بیانی کا ایک اور ثبوت فراہم ہوجائے گا۔ ان کی نظرِ محبت اور نگاہِ التفات نے میری ژولیدہ نثری کو اندازِ بیان کی ندرت کا درجہ دیدیا۔

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی نے فرمائش کردی کہ ان کی تازہ کتاب (دہلی میں دفن خزینے) کتابت کے مرحلے سے گزر رہی ہے، میں پڑھ لوں اور مقدمہ لکھ دوں مقدمہ بازی نہ میرا پیشہ ہے نہ میرا مزاج...... اس کتاب پر کسی اہم شخصیت سے کچھ لکھوانا چاہیے تھا یا اس پر کچھ لکھنے کے سب سے زیادہ حقدار جناب علی محمد شیر میوات ہو سکتے ہیں، جن کے دم سے صنادید اسلام (جو درگاہ ولی اللہ میں مدفون ہیں) کی تربت کے ساتھ لوحِ تربت بھی محفوظ ہے، جنہوں نے قبرستانِ مہندیان (درگاہ شاہ ولی اللہ) کی حفاظت کے لیے درخت کی چھالوں سے لے کر پولیس کی لاٹھیاں تک کھائیں اور اصلی جعلی ۴۳۶ مقدمات سے نبٹے!! حق تو یہ ہے کہ یہ مرد مجاہد اگر اس کتاب پر کچھ لکھتا تو اس کا آہنگ ہی کچھ اور ہوتا، ان کے سادہ جملوں میں جو تاثیر ہوتی، فطری حسن کا جو نکھار ہوتا، درد کی ٹھسک اور ٹیس کی لکیر ہوتی، اس کا جواب کہاں سے لایا جاسکتا ہے! جس شخص کے جذبہ کی حدت، اخلاص کی حرارت عمل کی تمازت اور بے چارگی کی تڑپ اور کرب کو مخالفت کی ہواؤں نے تیز کیا ہو جس نے امیدوں سے کٹ کٹا کر، آرزوؤں

سے منہ موڑ کر لمبی جنگ لڑی ہو، گھپ اندھیروں میں چراغ عقیدت لے کر قدم بڑھائے ہوں...... پھر رک رک کر، ٹھہر ٹھہر کر منزل نے جس کے قدم چومے ہوں۔ اس کی باتوں میں کتنا دم ہوگا؟

مگر مولانا عطاء الرحمٰن کی زبانِ محبت نے فرمائش کردی کہ مقدمہ لکھ دوں چند لمحے انکار اور اصرار میں گزرے، میں نے آمادگی ظاہر کردی۔ یقین تھا، مولانا کا یہ جذبہ جلد سرد پڑ جائے گا مگر میرا یہ اندازہ غلط نکلا مولانا کا اصرار بڑھا، تقاضہ میں سنجیدگی آتی گئی اور جب مجھے ناراضگی کے خطرات محسوس ہونے لگے تو میں نے عافیت اسی میں محسوس کی کہ مقدمہ لکھ ہی دوں۔

ہندوستان میں سلسلہ حدیث کا مرجع اور علماء اسلام کا جلی عنوان حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جہاں محوخواب ہیں وہ خطہ "قبرستان مہندیان" کہلاتا ہے مجھے یاد نہیں پہلے پہل کب اس شہر خموشاں سے میرا گزر ہوا تھا شاید ۱۹۵۹ء میں مگر اتنا نقش ضرور ہے کہ پہلی مرتبہ جب میں نے حضرت شاہ صاحب کے مزار پر حاضری دی تھی جھاڑ جھنکھاڑ بہت تھے، حضرت شاہ صاحب اور بہت سے دوسرے بزرگوں کی قبریں تو ویسی ہی تھیں جیسی آج ہیں۔ مگر اس وقت "بر مزار غریباں نہ چراغے نہ گلے" والا معاملہ تھا، گندگی، بے توجہی اور ویرانہ کا احساس ہوتا تھا۔ درگاہ ولی اللہ کو اب بھی چراغ اور گل سے واسطہ نہیں ہے نہ اس کی زیبائش کے لیے چادر کا اہتمام ہوتا ہے نہ قوال طبلہ کی تھاپ اور ہارمونیم کے ساز پر آواز لگاتا نظر آتا ہے، مگر یہ سب نہ ہوتے ہوئے بھی اب یہ خطہ خاموش وادی گل پوش محسوس ہوتا ہے جہاں صفائی ستھرائی ہے، پھول پھول کے پودے ہیں سلیقہ اور ترتیب ہے قرآن پاک کی تلاوت ہے حدیث کا درس ہے اور قبرستان میں بھی زندگی کا ماحول ہے!

آپ قبرستان مہندیان جائیے تو گیٹ میں داخل ہوتے ہی ملکی مسجد (جناتی مسجد) پر نظر پڑے گی جس کے سامنے دوسرے بہت سے اولیا کرامؒ اور علماء عصر کے علاوہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکرؒ بار کا مزار ہے ملکی مسجد سے آگے چلئے تو شاہ ولی اللہ ہال کی زیر تعمیر عمارت ملے گی اس کے بعد "جامع رحیمیہ" پر نظر پڑے گی ایسا لگے گا جیسے جامعہ رحیمیہ کی صاف ستھری عمارت مسکرا کے آپ کا استقبال کرنے کو تیار ہے ذرا اندر جائیے تو "باب الولی" ہے جس پر جلی حرفوں میں یہ شعر لکھا ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

ادب اے زائرِ حق آشیانہ　　ولی اللہ کا ہے آستانہ

جامعہ رحیمیہ کا دفتر اہتمام' اس کے پیچھے کتب خانہ' سامنے وضو خانہ بیچ میں ''باب الولی''...... اور اس کے بعد اس قبرستان کی زندہ اور جاندار شخصیت جناب علی محمد شیر میوات صاحب کا دفتر ہے۔ جسے لوگ ''متولی صاحب کا کمرہ'' کہتے ہیں' مقابل میں مہمان خانہ ہے' پھر مدرسین اور طلبہ کے کمرے آگے کچھ قبریں' اساتذہ کی آرام گاہیں...... ذرا آگے بڑھئے کچھ قبروں کو چھوڑ کر' درگاہ مسجد ہے' مسجد کے پہلو میں اور مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی کی درسگاہ اور فرودگاہ ہے اور مسجد کے بعد تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت اپنے بعض اعزہ اور نامور علماء کے ساتھ آسودۂ خواب ہے' جن کی وجہ سے اس خطہ زمین کو ہندوستان کا ''جنت البقیع'' کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو...... نہ جانے کیسے کیسے لوگ پچھلی صدیوں میں یہاں لٹائے گئے ہیں اور اس زمین نے علم وفکر' قلب ونظر کے کتنے آسمانوں کو اپنے اندر سمو رکھا ہے؟

کچھ پکی یا ادھ پکی قبروں کو چھوڑ کر یہاں برابر کچی قبریں ہی رہی ہیں' یہ جو اونچی نیچی زمین نظر آتی ہے' کل کی قبروں کے مٹے مٹے نقوش ہیں یہاں چلتے چلتے دامنِ دل کھنچتا ہے اور قدم ٹھہر ٹھہر سے جاتے ہیں دماغ میں یہ سوال گونجتا ہے' نہ جانے کون یہاں آرام کر رہا ہے؟...... بہت ساری قبریں مٹ گئیں' نامیوں کے مزار ہوں یا گمناموں کی آرام گاہ...... اب وہ سب صف گمنامی میں ہیں کوئی دل کی بستی بسا کر اس خاموش آبادی میں قدم رکھے تو خدا جانے اسے کیا کیا مشاہدہ ہو...... کچھ لوگ اتنے مطمئن ہوں گے جیسے پڑھ رہے ہوں۔

موت ایک زندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

اور کچھ لوگ اس درجہ بے نیاز کہ انہیں کسی طرف سے فاتحہ' کسی سے ایصال ثواب کی ضرورت نہیں ہو...... آواز آ رہی ہوگی۔

طمعِ فاتحہ از خلق نداریم نیاز　　عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست

عشق الٰہی اور حبِ نبویؐ ہی ان کا سرمایا ہے اور رحمت ومغفرت کا پُر اعتماد سہارا......

وہ قبریں بے نام سہی' قبر والے گمنام سہی دین کے لیے ان کی طلب اور تڑپ' عشق ومحبت کا سوز و گداز' شفاعت نبویؐ کا آسراء جنت کے شوق اور جہنم کے خوف سے بے نیاز دیدار الٰہی کی آرزو ہی ان کے لیے سرمایہ حیات اور توشۂ آخرت ہے اور لگتا ہے اسی دیدار کے لیے انہوں

نے جان دیدی۔

متاعِ وصل جاناں بس گراں است　　گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

جنہیں مٹی نے اپنے اندر ڈھانپ لیا' وہ تو علم الٰہی کی امانت ہیں...... پھر بھی یہ ایمان کا فیضان اور اسلام کا کرم ہے کہ قبلہ رو ہو کر اطاعت وعبودیت کا فرض ادا کرنے والی ملت ان صالحین کو برابر سلام [1] بھیجتی ہے اور زندہ ہوں یا مردہ [2] سبھوں کو اپنی دعاء میں یاد رکھتی ہے۔

یہ حلقہ جواب درگاہ ولی اللہ یا قبرستان مہندیان کہلاتا ہے کب سے قبرستان ہے؟ اس کی تاریخ سفینوں میں نہیں' سینوں میں رہی ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس آبادی میں پہلے پہل کس کی قبر بنی اور یہ خطہ کب قبرستان بن گیا۔ اب کوئی نہیں بتا سکتا کہ خاک میں کون کون سی نامی گرامی ہستیاں پنہاں ہو چکی ہیں۔ بزرگوں میں جو سب سے پُرانا نام آتا ہے وہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر [3] بار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ان کی قبر بکی مسجد کے سامنے ہے جو آزادی سے پہلے جتاتی مسجد کے نام سے جانی جاتی تھی۔ انہیں کے آس پاس کہیں حضرت شیخ عبدالغنی بیابانیؒ اور حضرت شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبریں بھی تھیں۔ اس مسجد سے تقریباً کوئی دوسو ۲۰۰ قدم آگے دکھن جانب درگاہ مسجد ہے جسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے تعمیر کرایا تھا اسے حضرت شاہ صاحب کی گھریلو مسجد کہنا چاہیے' یہ مسجد سہ دری مگر بہت چھوٹی سی تھی ایک صف میں دس گیارہ افراد نماز پڑھ سکتے تھے اور اندر صرف ایک صف ہوتی تھی سامنے صحن تھا...... متولی صاحب جناب علی محمد شیر میوات نے جہاں دوسری عمارتیں بنوائیں اس مسجد کو بھی بنوایا۔ درگاہ مسجد پہلے کے مقابلے کافی کشادہ ہوگئی ہے' اب جہاں مسجد کے ہال کی پوربی دیوار ہے وہاں پہلے مسجد کا صحن ختم ہوتا تھا...... مسجد پر یہ کتبہ' سفید پتھر پر سیاہ حرفوں سے مزین آویزاں ہے۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہے اے اکبر　　یہی وہ در ہے جہاں آبرو نہیں جاتی

(توسیع وتعمیر مسجد درگاہ حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی یکم رمضان

---

[1] ''السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین'' تحیات کا حصہ ہے جسے ہر نمازی قاعدہ میں پڑھتا ہے۔

[2] ''الاحیاء منہم والاموات'' کی طرف اشارہ ہے۔

[3] بعض حضرات کو اشتباہ ہو گیا کہ حضرت شکر بار کا مزار مہرولی میں ہے' یہ بات ذہنوں میں کہاں سے در آئی' نہیں کہا جا سکتا' تفصیل اسی کتاب میں پڑھ لیجئے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

المبارک ۱۳۹۹ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۷۹ء جمعرات علی محمد شیر میوات متولی درگاہ قبرستان)

یہ مسجد جامعہ رحیمیہ کے اساتذہ اور طلبہ سے آباد ہے اور ابھی درسگاہ کے مصرف میں بھی استعمال کی جاتی ہے اسی کے برابر حضرت امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے نامور فرزندوں کے مزارات ہیں یہ پورا حلقہ کئی ایکڑ زمین پر مشتمل ہے شیر میوات صاحب نے چار دیواری دیکر اس کی نئی حدوں کو متعین کر دیا ہے اور اب یہی حلقہ قبرستان مہندیان کہلاتا ہے یا درگاہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

کوئی نواب صاحب تھے انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام پر بھی ''مہندی'' بنوانے کی طرح ڈالی چاند کی گیارہ تاریخ کو ہر ماہ مہندی بنائی جاتی' اس کی زیارت کرائی جاتی' منتیں مانگی جاتیں' اس کے گرد چڑھاوے سجائے جاتے اور پھر اس ''مہندی'' (چھوٹے تعزیہ) کو دہلی گیٹ کے آس پاس محلّوں میں گھمایا جاتا' مہندی کے پیچھے نواب صاحب عقیدت کے چہرے اور ارادت کے قدموں ساتھ چلتے اور ''مسلم حکومت'' کی ''رعایا'' ان کے ساتھ ہوتی یہ بھی عبرت کی بات ہے کہ تاریخ ساز ملّت جب تاریخ کا صفحہ بننے لگتی ہے تو اس کی توانائی ایسی ہی ''حرکتوں'' میں صرف ہوتی ہے!

نواب صاحب نے جب اس خود ساختہ دینی کام کو مزید استحکام بخشنا چاہا تو جہاں مہندی بنائی جاتی تھی وہاں ایک عمارت بنا ڈالی' لق ودق' پانچ برجوں والی سامنے باغ تھا یہ عمارت ''مہندیان'' کہلائی آجکل پنت ہاسپٹل' جے۔ پی ہسپتال اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کا جہاں مردہ خانہ (Mortury) ہے۔ اس سے کچھ ہی پورب یہ عمارت تھی وقت گزرتا رہا نواب صاحب چل بسے عمارت کے جلال نے بوسیدگی کی شکل اپنالی اور دیکھتے دیکھتے ٹکڑوں ٹکڑوں میں بٹ گئی عام لوگ اس میں آباد ہو گئے وہ لوگ جن کے آباواجداد ''خواص'' میں شمار کئے جاتے تھے اس میں اقامت پذیر ہو گئے عمارت کا مصرف بدل گیا۔ مگر نام باقی رہ گیا محلّہ مہندیان اسی عمارت اور اردگرد کے مکانوں پر مشتمل تھا ''باغ مہندیان'' عمارت کا سامنے والا حصہ تھا اسی سرزمین پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد بنوائی مدرسہ آباد کیا اور اپنی خانقاہ قائم کر کے اصلاح باطن کا کارنامہ انجام دیا۔

اب نہ مہندیان کی پروقار عمارت ہے نہ پاس کے مکانات' نہ شیخ کی مسجد و خانقاہ ہے

نہ مدرسہ کا وجود...... عدم کا ہلکا سا پردہ وجود کی ٹھوس عمارتوں پر بھاری پڑ چکا ہے اور اب یہاں مولانا آزاد میڈیکل کالج کی عمارتیں کھڑی ہیں مگر مہندیان کا نام زندہ ہے! اور یہ نام درگاہ شاہ ولی اللہ کے ساتھ ایسا چپکا ہے کہ زندہ جاوید ہو گیا ورنہ جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کا مزار ہے وہ محلّہ کشک نرور (Narwar) یا شیخ نرور کا چھتہ کہلاتا تھا۔

صحیح ہے' اگر بے بنیاد چیز بھی بزرگوں سے جُڑ جاتی ہے تو اس میں توانائی اور زندگی آجاتی ہے مہندی کی رسم حضرت شیخ جیلانیؒ سے وابستہ کی گئی تو چل پڑی اور آکاس بیلی رسم کو بھی جڑ مل گئی اور یہ نام جب حضرت شاہ صاحب سے جُڑ گیا تو اس کی زندگی بہت لمبی ہو گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم (رحمہا اللہ تعالیٰ) کی اصل جگہ یہی چھتہ شیخ نرور ہے اسی محلّہ میں وہ آباد تھے زمانہ کے رواج کے مطابق مکان کے قریب ہی ان بزرگوں کی آرام گاہ بنی...... چھتہ شیخ نرور یا محلّہ کشک نرو اصل میں چھتہ شیخ انور کا بگاڑ ہے۔ بڑے مکان والوں کے نام پر محلّہ کا نام کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ چھتہ (یا چھت) اور کڑہ کے ساتھ محلوں کے نام دہلی اور بہت سے شہروں میں موجود ہیں' جامع شاہجہانی کے دکھن سمت میں چھتہ شیخ منگلواب بھی موجود ہے کڑہ شیخ چاند' کڑہ شیخ بڈو' چھتہ ابوتراب جیسے نام ابھی زندہ ہیں...... جب باغیچہ بول چال کی زبان میں ''بگیا'' بن سکتا ہے میر غیاث چک کی جگہ مرغیا چک زبان زد ہو سکتا ہے' امیر البحر کی جگہ ''ایڈمیرل'' لے سکتا ہے تو چھتہ شیخ انور کو چھتہ شیخ نرور بنتے کتنی دیر لگے گی۔

دہلی کچھ اس طرح بار بار مٹی اور بنی ہے کہ محلوں کے نام تو بدلے ہی' محلوں کا جائے وقوع بھی ادل بدل سا گیا ہے محلّہ مہندیان کا جائے وقوع بھی اسی طرح بدلا اور جب وقت بہت آگے بڑھ گیا تو ذہنوں میں یہ بات آئی کہ چھتہ شیخ نرور اور محلّہ مہندیان ایک ہی جگہ کے دو نام ہیں یا محلّہ مہندیان کا ایک حصہ' چھتہ شیخ نرور بھی ہے مگر مٹے مٹے نقوش کی ادھوری کہانیاں بتاتی ہیں کہ پہلے دونوں الگ محلّے تھے۔

آج بھی ٹہل گھوم کر جائزہ لیجئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح دہلی گیٹ کے آگے خونی دروازہ (لال دروازہ) ہوتے ہوئے اتر دکھن شاہراہ گئی ہے۔ یہ بہت پُرانی سڑک ہے جسے اب ''بہادر شاہ ظفر مارگ'' کہتے ہیں۔ اسی طرح چھتہ شیخ نرور آنے کے لیے اتر دکھن

WWW.KITABISTAN.COM

شاہراہ نہ سہی' کشادہ گلی ضرور رہی ہوگی جو ترکمان گیٹ کے سامنے والی شاہراہ (موجودہ آصف علی روڈ) سے مل جاتی ہوگی گلی مسجد سے کچھ اتر کھڑے ہو جایئے اور وہیں سے مزار حضرت شاہ ولی اللہؒ کو دیکھئے تو داہنی جانب گلی مسجد ہے اور اسی خطہ مستقیم پر مسجد شاہ عبدالعزیز (درگاہ مسجد) ہے' جسے اب شیر میواتی نے پورب جانب بڑھا کر صحن مسجد بنا دیا ہے۔ یہ دونوں مسجدیں کسی زمانہ میں درگاہ شاہ ولی اللہ تک جانیوالی گلی کی دائیں جانب رہی ہوں گی' جو چھتہ شیخ نزور کا راستہ رہا ہوگا اور راستہ کے دونوں طرف مکانات رہے ہوں گے۔ رفتہ رفتہ مکانات گرتے گئے' مکان کے مکینوں نے زمین کے نیچے جگہ بنالی' محلّہ ویران ہوگیا اور قبرستان آباد ہوگیا...... یہ جگہ چھتہ شیخ نزور ہے۔ اس محلّہ کے پورب اور شاہراہ لاہور (موجودہ بہادر شاہ ظفر مارگ) کے پچھم کا درمیانی حصہ محلّہ مہندیان اور باغ مہندیان کا ہے۔ یہ بات یوں سمجھ میں آتی ہے کہ نواب صاحب کی ڈیوڑھی' مہندیان کی لق ودق عمارت اور ان کے باغات شاہراہ کے قریب تر ہوں اور عام لوگوں کی رہائش شاہراہ سے دور گلیوں میں ہو مہندیان نواب صاحب کی یادگار تھی اور چھتہ شیخ نزور کے مکین ''عام لوگ'' تھے!

زمانہ نے کروٹ بدلی' محلات زمین بوس ہوگئے چھتہ شیخ نزور کا نام بھی تاریخ کے صفحات میں گم ہوگیا اور مہندیان نے پورے محلّہ کو اپنے دائرہ میں لے لیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مہندیان کے مکینوں کی قبریں گلی مسجد سے لے کر درگاہ ولی اللہ کے آس پاس بنی ہوں اور اسی مناسبت سے مہندیان کا دائرہ پھیل کر درگاہ شاہ ولی اللہ یا چھتہ شیخ نزور تک پہنچ گیا...... آج کا مہندیان بہرحال اس جگہ نہیں ہے جہاں کبھی عمارت مہندیان تھی۔ اور جہاں اس نام پر محلّہ آباد تھا محلّہ مہندیان کی حد آج کا مردہ خانہ ہے' اس کے بعد چھتہ شیخ نزور...... اس چھتہ شیخ نزور کا دکھنی حصہ بھی کٹ کر اب دوسرے مصرف میں ہے اور بقیہ ''چھتہ'' اب درگاہ شاہ ولی اللہ یا ''مہندیان'' کے نام سے جانا جاتا ہے چار دیواری کے ذریعہ جس کی حد بندی کر دی گئی ہے!

آزادی وطن کے بعد جب دہلی ایک بار پھر بسنے لگی تو اس کا جغرافیہ بھی بدلنے لگا نئی نئی سڑکیں نکالی گئیں۔ تعمیر کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تعمیر اور ترقی کے دور میں وسعتیں سمٹ سی جاتی ہیں اور حوصلے حدود کو توڑتے نظر آتے ہیں دہلی بھی بڑھتی چلی گئی اس پھیلاؤ کے بہت سے پہلو بڑے خوشگوار ہیں لیکن ایک ناگوار حقیقت یہ ہے کہ اوقاف کی زمینوں پر بھی یہاں وہاں قبضہ ہوتا

گیا اور اب ان پر فلک بوس عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں۔

شاید قبرستان مہندیان کی جگہ بھی کوئی عمارت نظر آتی اور جو حشر مسجد وخانقاہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا ہوا وہی معاملہ اس درگاہ کے ساتھ بھی ہوتا...... مگر قضا نے قدر کی روشنائی سے کیا لکھا لکھایا ہے کوئی نہیں جانتا' قضا وقدر کے فیصلے خاموشی کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں جب کوئی نئی بات پیش آتی ہے' ہم واقعات کے عقلی تسلسل تلاش کرتے ہیں' لوگ کہتے ہیں' اتفاقات کی کڑیاں مل گئیں وہ نہیں جانتے' تکوینیات کی لڑیاں اسی طرح تھیں' وہ کوئی اتفاق نہیں قدرت کے فیصلہ کا اظہار ہوتا ہے قدرت کے فیصلے واقعاتی ترتیب اور عقلی تسلسل کے پابند نہیں ہوتے وہ تو بس سامنے آجاتے ہیں!

حضرت شاہ ولی اللہ کا کام اور نام تو زندہ رہے گا' ان کے گرامی مرتبت فرزندوں اور اولاد کی خدمات فراموش نہیں کیجا سکتیں' مگر ان کے مزارات بھی بچ جائیں گے۔ ایک وقت تھا جب اس کا تصور بھی مشکل تھا' مگر جو صورت حال سامنے آئی کہنا پڑتا ہے: ''اجل کی زندگی پر دسترس کیا؟...... قبرستان مہندیان کو باقی رہنا تھا' یہی مشیت ایزدی تھی...... وہ موجود ہے...... اللہ تعالیٰ نے جناب علی محمد شیر میواتی سے یہ کام لے لیا' کبھی ان سے خالی وقتوں میں ان تفصیلات کو سنیئے تو اندازہ ہوگا کہ اس جی دار شخص نے کتنے تلخ وترش حالات سے گذر کر اس یادگار کو باقی رکھا ہے۔ نہ جانے کتنی قسطوں میں انہوں نے وہ چھوٹے بڑے واقعات مجھے سُنائے ہوں گے جن سے گذر کر آج یہ یادگار' نہ صرف یادگار کی شکل میں محفوظ ہے بلکہ پُرانی یادوں کو نئی زندگی مل رہی ہے۔

شیر میواتی ۱۹۳۹ء میں پہلی مرتبہ یہاں آئے تھے پھر ان کے قدموں نے اس راہ کو پہچان لیا اور اب اس تاریخی جگہ کی ہمہ جہت ترقی ہی ان کی زندگی کا مشن ہے۔ ۱۹۴۷ء میں انہیں حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ نے درگاہ کا متولی بنایا' قانونی کاروائی کی تکمیل ہوئی...... اس کے بعد ان کے ساتھ غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکتوں کی ابتداء ہوگئی۔ لوگوں نے قدم اکھاڑنا چاہا' وہ جمے رہے بھگانا چاہا' وہ ڈٹ گئے۔ اذیتیں پہنچائی گئیں' صبر وشکر کے ساتھ جھیلتے رہے' واقعات کے تند تھپیڑوں نے کبھی ان میں نہ لرزش پیدا کی اور نہ لغزش! انہوں نے بتایا کہ ایک وقت آیا جب پولیس نے انہیں بہت زیادہ پریشان کیا' ان پر سچے جھوٹے مقدمات چلائے گئے'

WWW.KITABISTAN.COM

وہ سب کچھ جھیلتے رہے تنگدستی کا یہ حال ہوگیا کہ بھوک مٹانے کے لیے درخت کی چھالیں کھانا پڑیں وہ کہتے ہیں نہ جانے پولیس کے کتنے ڈنڈے میری پیٹھ پر پڑے...... اور جب وہ واقعات بیان کرتے کرتے کہتے ہیں: "مولوی صاحب ۴۳۶ چھوٹے موٹے مقدمات سے نبٹا ہوں" تو ان کے لہجہ کی سختی بتاتی ہے کہ دو چار درجن مقدمات لڑنے کے لے اب بھی تیار ہیں...........
اگر شیر میوات کا یہ دم خم نہ ہوتا تو آج قبرستان مہندیان کا وجود صرف تاریخ کے صفحات میں ہوتا زمین پر کوئی دوسری عمارت ہوتی!

کبھی کبھی کہنے والا خود نہیں جانتا کہ اس کی باتوں کے اثرات کتنے گہرے پڑ رہے ہیں' اور وہ الفاظ سننے والوں کے دلوں پر کیسی تخم ریزی کر رہے ہیں قبرستان مہندیان میں جامعہ رحیمیہ کی نشاۃ ثانیہ دراصل ایک گفتگو کا اثر ہے........... ۱۹۵۵ء کی بات ہے' مفسر قرآن حضرت مولانا محمد یوسف حوض والی مسجد (چوڑی والان) میں درس قرآن دے رہے تھے انہوں نے کسی مناسبت سے قبرستان مہندیان کا ذکر کیا مدرسہ رحیمیہ کی یاد دلائی اور تحریک کی کہ مدرسہ کو زندہ کرنا چاہیے یہ مختصر سی گفتگو شیر میوات صاحب کے دل میں گھپ گئی' انہوں نے کئی حضرات کو مدرسہ کے قیام پر آمادہ کیا مگر بات بنی نہیں........... اس گفتگو کے چھبیس ۲۶ برسوں کے بعد مولانا محمد یوسف صاحب کی آرزو پوری ہوئی اور جناب علی محمد شیر میوات جامعہ رحیمیہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

۱۱ مئی ۱۹۸۱ء کو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے پہلا سبق پڑھا کر اس تاریخی اور تاریخ ساز ادارہ میں پھر سے بسم اللہ کرائی۔ تدریسی کام شروع ہوگیا' مدرسین اور طلبہ مل گئے اور نئے دور میں پہلے مہتمم مفتی محمد ضیاء الحق صاحب دہلوی بنائے گئے۔ [1] جولائی ۱۹۸۲ء میں وہ پاکستان منتقل ہوگئے اہتمام کی

---

[1] مفتی صاحب بڑی جاندار شخصیت کے مالک رہے ہیں۔ اچھے عالم اور بہت اچھے خطب اپنے مخصوص لہجہ میں دہلی کے محاوروں کو لپیٹ کر اس طرح بولتے کہ سبحان اللہ...... کسی زمانے میں ان کے ہفت روزہ "جمیعۃ ٹائمز" کے ذریعہ دہلوی اردو پڑھنے کو ملتی تھی تقریباً پورا ہفت روزہ انہیں کے قلم سے ہوتا' شان خط بھی خوبصورت تھا۔ کبھی کبھی بعض حصہ کی کتابت بھی فرما دیتے تھے۔ شان خط ایسا' جیسے خط لکھ رہے ہوں تحریر ایسی جیسے تقریر کا کوئی حصہ رواں دواں جملے چبھتے ہوئے' طنز بھی پھبتیاں بھی آمد ہی آمد...... مفتی صاحب کے دم سے کسی زمانہ میں دہلی میں ایک ہلچل رہتی تھی۔ اب پاکستان میں ہیں خدا سلامت باکرامت رکھے۔

ذمہ داری کچھ عرصہ تک شیر میوات صاحب انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۳ء میں مشہور عالم اور خطیب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی منصب اہتمام پر فائز ہوئے۔ [1] اور اب ۱۹۸۸ سے محترم مولانا فقیہ الدین صاحب جامعہ رحیمیہ کے مہتمم [2] ہیں۔

جامعہ رحیمیہ ان دنوں تکی مسجد سے لے کر مسجد شاہ عبدالعزیز (یہ سب اب درگاہ شاہ ولی اللہ یا قبرستان مہندیان کے احاطہ میں ہے) تک پھیلا ہوا ہے تکی مسجد میں درجہ حفظ و تجوید ہے اور مسجد شاہ عبدالعزیز اور اس کے اردگرد درجات عربی کی تعلیم ہوتی ہے' دینیات عربی کی ابتدائی تعلیم سے لے کر دورہ حدیث تک کی تعلیم کئی برسوں سے ہورہی ہے........... بحمد اللہ ادارہ گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے........... جامع رحیمیہ کی نئی زندگی اور تیز رفتار ترقی شیر میوات جناب علی محمد صاحب کے اخلاص اور عمل پیہم کا نتیجہ ہے خدا کرے جامعہ رحیمیہ مدرسہ رحیمیہ کی طرح شجرِ سایہ دار بن جائے اور علم و عمل کا گہوارہ اور صدق وصفا کی بستی ثابت ہو۔

شیر میوات صاحب کے زرخیز ذہن اور بلند سے بلند تر کی جستجو نے اس وادی علم و آگہی میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا خاکہ بنالیا ہے اور یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس اکیڈمی کی پیش کش ہے........... یہ ادارہ جس سرزمین سے وابستہ ہے اس کا حق تھا کہ ایسی کتاب

---

[1] مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی مخصوص وضع کے بزرگ ہیں قرآن مجید سے گہرا شغف' تفسیر والی پر مضبوط گرفت احادیث اور علم اسلامیہ پر اچھی نظر' زبان اور محاوروں کی باریکیوں سے خوب واقف کئی کتابوں کے مصنف اور موثر خطیب۔ علماء سے خالی ہوتی ہوئی دہلی میں مولانا کی ذات بہت غنیمت ہے کسی بھی عالم کے لیے دو مرحلے سخت ہوتے ہیں۔ ایک مقدمہ بازی دوسرے مدرسہ کا اہتمام مولانا اس دوسرے مرحلہ میں مبتلا ہوگئے تھے۔ مگر جلد ہی اس سے چھٹکارا مل گیا دہلی میٹروپولیٹن کے ممبر اور پردیس جنتا پارٹی کے نائب صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اب خطابت اور تصنیف و تالیف میں منہمک ہیں اطال اللہ عمرہ

[2] مولانا فقیہ الدین صاحب بڑی باوضع شخصیت کے بزرگ ہیں' سادگی بے نفسی ایمانداری اور کئی مخلصوں کا خلوص اکیلے ان میں جمع ہے' جس کام سے لگے' لگ گئے نہ فکر فردا غم امروز...... ہر حال میں راضی برضا۔ "بہار ہو کہ خزاں "لا الہ الا اللہ"" کی چلتی پھرتی تصویر' تلخ و ترش سن کر بھی زیر لب مسکراتے رہتے ہیں۔ مولانا ایم اے اور لیڈر دونوں رہ چکے ہیں اور اب بھی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت دونوں کو زندہ کر لیتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بہت سے صفحات میرے سامنے کھلے پڑے ہیں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسے لوگ اب خال خال رہ گئے ہیں۔

WWW.KITABISTAN.COM

لکھی جائے جس میں اس قبرستان میں مدفون اہم ہستیوں اور مدرسہ رحیمیہ کا تذکرہ ہو۔ ''دہلی میں دفن خزینے'' انہیں بزرگوں کا ذکر خیر اور مدرسہ رحیمیہ کا تعارف ہے۔ اسے صرف خراج عقیدت نہیں سمجھنا چاہیے' یہ کتاب تاریخ کے منتشر اوراق کو اکٹھا کرنے اور مدفون صفحات کو سامنے لانے کی کامیاب کوشش ہے' جس کا سہرا عطاء الرحمٰن قاسمی کے سر بندھا ہے۔

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی پڑھے لکھے عالم دین ہیں جامعہ رحیمیہ میں اونچے درجات کو پڑھاتے ہیں۔ ان کی مدت تدریس ابھی صرف سات سال ہے مگر اس عرصہ میں انہوں نے قابلِ لحاظ ترقی کی ہے۔ پڑھنے پڑھانے کیساتھ انہوں نے لکھنے لکھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہے۔ پہلی مرتبہ میں نے ان کی کتاب'' دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں'' پڑھی تو چونک پڑا۔ کتاب کے بین السطور میں اس شخص سے میری ملاقات نہیں ہوئی' جو مولانا عطاء الرحمٰن کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے سراپا میں یک گونہ بے خودی کی سی کیفیت' کچھ کھوئے کھوئے بھولے بھولے جیسے' اپنے آپ سے بے نیاز رہنے والا انداز میں نے پایا ہے۔ مگر اپنی پہلی کتاب میں وہ چاق وچوبند نظر آئے' ان کا تحریری آہنگ پسند آیا' اور اسلوب نگارش نے بتایا کہ خدا نے لکھنے کا جوہر دیا ہے۔ جسے وہ سلیقہ سے استعمال کر سکتے ہیں اس کتاب میں نئے قلم کا کھدرا پن بھی بہت کم نظر آیا' جو خاکے انہوں نے کھینچے ہیں' مناسب ہیں مکمل اس لیے نہیں کہتا کہ محبت یا عقیدت میں انہوں نے کچھ گفتنی کو بھی ناگفتنی بنا دیا ہے...... ان کی یہ پہلی کاوش' پہلی کوشش کی وجہ سے نہیں' بجائے خود لائق تحسین ہے انہوں نے مجھ سے دریافت کیا تھا'' کتاب پر آپ کا کیا تبصرہ ہے'' میں نے جواب دیا'' اس کا نام صحیح نہیں ہے ورنہ کتاب مجھے پسند ہے'' انہوں نے پوچھا'' کیوں؟ نام میں کیا غلطی ہے؟'' میں نے کہا:'' کسی پڑھنے والے سے پوچھ لیجئے''...... کئی سال گزر گئے' جب یہ ذکر چھڑا تھا' اب شاید انہوں نے میری رائے سے اتفاق کر لیا ہوگا۔

مولانا عطاء الرحمٰن نے جب اپنی دوسری کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی' میں نے عرض کیا کسی مشہور شخصیت' کسی اہل قلم سے لکھوایئے کہنے لگے'' میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مقدمہ آپ ہی سے لکھوانا ہے۔ میں نے کتاب کا نام پوچھا جواب ملا (الواح الصادید)...... میں نے کہا'' مولانا! پھر تو ہر کتاب کے ساتھ لغت بھی فراہم کرنا ہوگی'' آپ نے پہلی کتاب کا نام غلط رکھا اور دوسرے کا بہت گاڑھا جہاں زبان کا یہ حشر ہو کہ'' وزیر داخلہ'' کی جگہ گھریلو معاملوں کے

وزیر'' اردو خبروں میں سننے کو ملے وہاں'' الواح الصادید'' (دہلی میں دفن خزینے) کون سمجھے گا مگر مولانا عطاء الرحمٰن نام بدلنے پر تیار نہیں ہوئے!

'' الواح الصادید'' (دہلی میں دفن خزینے) نام کی حد تک بوجھل ضرور ہے۔ مگر یہ کتاب آسان' شگفتہ اور سلجھی ہوئی زبان میں لکھی گئی ہے' جس میں'' لوح تربت' کے سہارے بہت ساری شخصیتوں کا تذکرہ محفوظ ہو گیا ہے۔ جس میں دانش گاہِ علم ویقین مدرسہ رحیمیہ کی تاریخ بھی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ اور قبرستان مہندیان میں آسودہ خواب شخصیتوں کا تذکرہ بھی! جس میں انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور اسلامی مراکز کی گورکنی کی تصویر بھی ہے اور اسلامی تاریخ کے کئی مدفون حصوں اور گم شدہ کڑیوں کی تلاش اور تحقیق بھی......... مولانا عطاء الرحمٰن نے دفینہ کو سفینہ میں سجا دیا ہے اگر ان کی کوشش کو سراہا نہ جائے تو زیادتی ہوگی۔

خدا انہیں علم وتحقیق' تصنیف وتالیف کے میدان میں برابر تازہ دم باحوصلہ اور کارگزار رکھے اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازتا رہے (آمین)

محمد ولی رحمانی
مونگیر شریف

WWW.KITAABISTAN.COM

تعارف

از

مولانا فقیہہ الدین صاحب، مہتمم جامعہ رحیمیہ نئی دہلی

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی استاد جامعہ رحیمیہ نے (دہلی میں دفن خزینے) مرتب کر کے ہندوستان کے ان مرحوم اکابر علماء مشائخ، اولیاء اور اصفیاء کو زندہ جاوید بنانے کی کوشش کی ہے جو قبرستان مہندیان میں مدفون راحت ہیں اگرچہ اس عنوان پر پروفیسر اسلم، پنجاب یونیورسٹی نے بھی اس سے قبل قلم اٹھایا ہے اور انہوں نے نہایت مختصر طور پر پاکستان کے قبرستان میں مدفون اکابر کے قبروں کی الواح پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر اسلم ہندو پاک کے مشہور اہل قلم ہیں ان کا ہندوستان سے بھی قدیمی تعلق ہے۔ خاص طور پر ان کی نسبت ہندوستان کے مشہور عالم اور اسلامی مورخ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی صاحبزادی کے شوہر ہونے کی وجہ سے مضبوط تر ہے اور ہندوستان کے مورخ اور اہل قلم پروفیسر صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کے مضامین اکثر رسالہ "برہان" دہلی میں شائع ہوتے رہتے ہیں پروفیسر اسلم نے اس عنوان پر بہت مختصر لکھا ہے۔ لیکن مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی نے (دہلی میں دفن خزینے) میں عام مقابر اور مزارات کے ساتھ ساتھ اور خانوادۂ علم وعلماء کے سرگردہ حجۃ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے سلسلوں کے مشائخ کبار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس خطہ قدس میں کیسے کیسے مشائخ دین وصلحاء امت آسودہ راحت ہیں۔

اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اس خطہ مبارک میں سلسلۂ چشتیہ کے عظیم ترین بزرگ شخصیت حضرت شاہ عبدالعزیز شکر بار رحمۃ اللہ علیہ بھی آسودۂ راحت ہیں۔ ان کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ آپ کو اس سے لگ سکتا ہے کہ ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ

کے نقیب اول امام المجد دین حضرت خواجہ باقی اللہ قدس سرہ اپنی قیام گاہ کوٹلہ فیروز شاہ سے آ کر ان کے مزار اقدس پر حاضری دیتے تھے اور کچھ مورخ تو لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب ان کے مزار کی جاروب کشی بھی کرتے تھے۔

اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سید الطائفہ حضرت شاہ عبدالرحیم والد ماجد حضرت امام شاہ ولی اللہ نے یہاں پر مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا یہ مدرسہ کیا تھا علوم حدیث وقرآن، فلسفہ اسلامی اور فقہ کی اپنے وقت میں ایک یونیورسٹی تھی اس مدرسہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب درس تفسیر وحدیث وتصوف اور تبلیغ اسلام کے عظیم مشن کو چلاتے رہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب نہ صرف علوم قرآن وحدیث کے ماہر تھے بلکہ علم تصوف میں بھی اپنے وقت کے شیخ اکبر تھے شاہ عبدالرحیم صاحب کو نسبت نقشبندیہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ خورد سے حاصل تھی اور یہ حضرت خواجہ خورد کے شاگرد بھی تھے۔

اس کتاب سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد اسی مدرسہ رحیمیہ میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ نے پوری زندگی درس وتدریس میں گزاری۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان والا شان حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی نے یہیں اپنی تعلیم مکمل کر کے درس وتدریس میں مشغول رہے۔

اب تو مختصر طور پر میں عرض کرتا ہوں کہ مخدوم العلماء استاد الاساتذہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہیں مدفون رحمت ہیں آپ کی شخصیت ہندوستان کے لے باعث عزت وعظمت ہے کہ آپ کے تلامذہ ارشد میں حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے دار العلوم دیوبند قائم کیا اور سر سید احمد خان جنہوں نے مسلم یونیورسٹی قائم کر کے ہندوستانی مسلمانوں کی عظیم خدمت انجام دی شامل ہیں۔

مجھے اپنے اس خواب کے ذکر سے بڑی روحانی مسرت ہو رہی ہے کہ میں کل رات استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی قدس سرہ کے مزار اقدس کے قریب کھڑا ہوا ہوں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کی قبر سے مسلسل پانی کے پھوارے پھوٹ رہے ہیں۔

معاً میرے ذہن میں اس کی تعبیر آئی کہ اس "ماء جاری" سے مراد حضرت مولانا

WWW.KITABISTAN.COM

مملوک علی نانوتوی کا علمی وروحانی فیض ہے جو بلاانقطاع آج تک جاری وساری ہے۔

آخر میں کہنا چاہوں گا کہ یہ چشمہ فیض آج بھی جاری ہے اور جامعہ رحیمیہ کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم ہے اور اپنے اسلاف کرام کے نقوش کو زندہ وپائندہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس جامعہ کی نشاۃ ثانیہ کے بانی جناب علی محمد شیر میوات دن رات اس کی ترقی اور کامیابی کے لیے اپنے کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ (میں مولانا عطاء الرحمان صاحب کو اس ضخیم ترتیب پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ (العبد العاجز فقیہہ الدین استاذ مہتمم جامعہ رحیمیہ حضرت امام شاہ والی اللہ قدس سرہ)

دیباچہ

۱۱۱۲ھ میں بعہد عالمگیری شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب محدث متوفی ۱۱۳۱ھ نے چھتہ شیخ زور مہندیان میں جہاں آپ کا خاندان آباد تھا۔ ایک اسلامی مرکز مدرسہ رحیمیہ کے نام سے قائم کیا۔ اس زمانہ میں مدرسہ رحیمیہ علوم وفنون کا منبع اور رشد وہدات کا عظیم مرکز شمار ہوتا تھا۔ مرکز رحیمی میں نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان، ایران، حجاز اور سمرقند وبخارا تک کے ہزارہا طالبانِ علم نبوت جوق در جوق آتے اور جوہرِ علم سے آراستہ وپیراستہ ہوکر نکلتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ظاہری وباطنی علوم کے جامع اور سلسلہ چشتیہ وسلسلہ نقشبندیہ کے امام تسلیم کئے جاتے تھے۔ کیونکہ مدرسہ رحیمیہ میں علومِ ظاہری کی تکمیل کے ساتھ ساتھ باطنی علوم ومعارف سے بھی دلوں کو معمور ومنور کیا جاتا تھا۔ اور مدرسہ رحیمیہ کا فاضل اگر ایک جانب یگانہ روزگار عالم ہوتا تو دوسری جانب کامل درجہ کا شیخ ہوتا تھا جیسا کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب دہلوی ''واقعات دارالحکومت'' میں لکھتے ہیں۔

''شیخ وجیہہ الدین کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے شاہ عبدالرحیم صاحب نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور مدرسہ رحیمیہ قائم کیا تمام دن قرآن مجید اور حدیث پاک کا درس دیتے تھے اور رات کو طالبان خدا کی توجہ دہی اور مراتب سلوک طے کرانے میں مشغول رہتے اور ظاہری اور باطنی دونوں علموں کی تعلیم دیتے'' (واقعات دارالحکومت ص ۵۸۵)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب محدث دہلویؒ کے وصال کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو سب نے متفقہ طور پر آپ کے والد مرحوم کی مسند درس سپرد فرمائی جس کو آپ نے بڑی خوش اسلوبی اور اولوالعزمی کے ساتھ بارہ سال تک نہ صرف نبھایا بلکہ اس کو شاہراہ ترقی پر گامزن بھی کیا پھر آپ کو ازدیادِ علم کا جذبہ حرمین شریفین لے گیا جہاں آپ نے مشائخ حرمین شریفین سے خوب خوب استفادہ کیا اور دو سال بعد پھر ہندوستان واپس

WWW.KITABISTAN.COM

آ کر اپنے والد ماجد کی یادگار مدرسہ رحیمیہ میں قرآن وحدیث کا درس دینا شروع فرمایا آپ کی تبحر علمی اور جامعیت کی شہرت کی بنا پر چند ہی دنوں میں پھر ملک وبیرون ملک سے تشنگان علوم قرآن وحدیث گروہ در گروہ مدرسہ رحیمیہ آ کر جمع ہونے لگے اور یہاں پھر قال اللہ قال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔

نصاب تعلیم:

بارہویں صدی ہجری کے جلیل قدر عالم دین اور فلسفی استاد العلماء ملا نظام الدین فرنگی محلی نے جو شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور ہم مشرب تھے۔اپنے عہد کے دینی مدارس کے لیے ایک دینی نصاب مرتب فرمایا تھا' جو درس نظامی کے نام نامی سے جانا پہچانا جاتا ہے جو ہندوستان پاکستان' بنگلہ دیش' افغانستان اور نیپال وغیرہ کے قدیم دینی مدارس میں آج بھی رائج ہے۔انقلابات زمانہ اور حوادث روزگار کے باوجود کوئی ماہر تعلیم آج تک اس نصاب میں کوئی خاص اور مفید ترمیم نہ کر سکا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ بھی معاصرت کے باوجود اس نصاب سے متاثر تھے لہٰذا اس نصاب کی اکثر کتابیں حضرت شاہ صاحب اپنے مدرسہ رحیمیہ میں پڑھتے تھے اور اسی نصاب کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث اور دوسرے فضلائے رحیمیہ نے پڑھا اور شاہ عبدالرحیمؒ صاحب نے پڑھایا۔

مدرسہ کی نصابی کتابیں حسب ذیل ہیں' جو فی الحقیقت درس نظامی میں کا نچوڑ ہے۔

کافیہ' شرح جامی' شرح وقایہ' ہدایہ' حسامی' توضیح وتلویح' شرح شمسیہ' شرح مطالع شرح عقائد نسفی' مختصر المعانی' مطول' قاضی بیضاوی' تفسیر مدارک' عوارف المعارف رسائل نقشبندیہ' شرح رباعیات ملا جامی' لوائح' مقدمہ لمعات' مقدمہ نقد النصوص موجز القانون' شرح ہدایۃ الحکمت' مشکوۃ شریف' صحیح البخاری' شمائل ترمذی۔

درس حدیث:

ہندوستان میں درس حدیث کے مبلغ اور علمبردار حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ تھے۔ان کے بعد شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادے نے علوم

قرآن وحدیث کی طرف معاصر علماء اور مشائخ کو متوجہ کیا اور اپنے مدرسہ رحیمیہ کے نصاب میں حدیث کی کتابوں کا اضافہ فرمایا ورنہ اس عہد کے علماء وفضلاء نحو صرف' منطق' فلسفہ اور فقہ کی بحثوں وموشگافیوں میں الجھے ہوئے تھے اور قرآن وحدیث کو طاق نسیاں میں رکھے ہوئے تھے۔

ولی اللٰہی نصاب:

حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے اگرچہ اس قدیم نصاب کو مدرسہ رحیمیہ میں پڑھا تھا لیکن آپ نے حرمین شریفین سے واپسی کے بعد اس قدیم نصاب میں بعض احادیث کی اہم کتابوں کا اضافہ فرمایا اور اس جدید نصاب کو مدرسہ رحیمیہ میں جاری کیا شاہ صاحب کی اضافہ کردہ کتابیں حسب ذیل ہیں۔

المسوٰ طا مع المسویٰ' حصن حصین' شمائل الترمذی' صحیح الامام البخاری' جامع الترمذی سنن ابوداؤد' مقدمہ صحیح مسلم' سنن ابن ماجہ' سنن النسائی۔

یہ حقیقت ہے کہ رحیمی اور ولی اللٰہی نصاب ملانے کے بعد ہی ہندوستان پاکستان' بنگلہ دیش' افغانستان اور ایران وعراق کے قدیم دینی مدارس کا نصاب مکمل ہوتا ہے۔آج قدیم دینی مدارس میں جو نصاب رائج ہے وہ دراصل رحیمی اور ولی اللٰہی نصاب کا مجموعہ ہے اگرچہ اس مشترکہ نصاب میں سے بعض کتابیں حذف کر دی گئی ہیں اور کچھ کا اضافہ ہوا ہے مگر بنیادی کتابیں باقی ہیں۔

مولانا امداد صابری صاحب لکھتے ہیں کہ۔

”ہندوستان میں صحاح ستہ کے درس وتدریس کا رواج اس وقت سے ہوا ہے جبکہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو اپنی محنتوں سے رواج دیا اور اپنی عمر کا بیشتر حصہ اس کی اشاعت پر صرف کر دیا“ (دہلی کے قدیم مدارس ومدرس ص ۱۱۹)

فضلائے مدرسہ رحیمیہ:

مدرسہ رحیمیہ میں ہندوستان کے جن مشاہیر علماء اور کبار مشائخ نے تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے چند اہم ہستیاں یہ ہیں۔حضرت شاہ ولی اللہؒ متوفی ۱۱۷۶ھ قاضی ثناء اللہ

WWW.KITAABISTAN.COM

صاحب پانی پتیؒ متوفی ۱۲۲۵ھ شاہ عبدالعزیزؒ متوفی ۱۲۳۹ھ' شاہ عبدالقادرؒ متوفی ۱۲۳۰ھ' شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۳ھ' شاہ عبدالغنی شاہ محمد عاشق پھلتی متوفی ۱۱۸۷ھ' شاہ نور اللہ صاحب بڈھانوی شاہ اہل اللہ ۱۱۸۷ھ۔

خواجہ محمد امین کشمیری متوفی ۱۱۸۷ھ' شیخ ابوسعید بریلوی متوفی ۱۱۹۳ھ شاہ جمال الدین متوفی ۱۲۲۱ھ' شاہ محمد نعمان بن سید محمد سعید نصیر آبادی متوفی ۱۱۹۳ھ اخون محمد سعید افغانی متوفی ۱۱۸۸ھ علامہ محمد معین سندھی متوفی ۱۲۲۳ھ اور میر قمر الدین منت دہلوی متوفی ۱۲۰۸ھ جیسی عالمی شخصیتیں قابل ذکر ہیں۔

شاہ صاحب کی انقلابی تحریک:

مدرسہ رحیمیہ ابتداء ہی سے انقلابی تحریک کا مرکز رہا ہے یہاں کے فضلاء اور علماء نے سامراجی قوتوں کا جم کر مقابلہ کیا اور انگریزوں کے لیے سم قاتل ثابت ہوئے شاہ عبدالرحیم صاحب کے بعد شاہ ولی اللہ نے رجوع الی القرآن کی دعوت دی اور انقلابی رجحان رکھنے والے فضلائے مدرسہ رحیمیہ کی ذہنی فکری رہنمائی کی اور ان کے اندر صالح انقلاب برپا کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

''یہ مدرسہ صرف درسگاہ نہیں تھا بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا۔ جس نے پورے ہندوستان میں انگریزی سامراجیت کی جڑیں کمزور کرنے اور ان کا خاتمہ کرنے کے لیے عملی اقدامات کئے تھے۔ اور ایک جال پھیلایا تھا' اسے ایک خانقاہ کی بھی حیثیت حاصل تھی' جہاں لوگوں کے کردار و کیریکٹر بنائے جاتے تھے وہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی اس کو ایک اکاومی بھی کہنا بیجانہ ہوگا کیونکہ اس کے سربراہوں اور سلاطین کے قلم اور ذہن تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ (دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۱۴)

مدرسہ رحیمیہ کی امتیازی خصوصیت:

مدرسہ رحیمیہ کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ کوئی بھی فنی کتاب اسی استاد کے سپرد

کی جاتی تھی جو استاد اس فن میں خصوصی مہارت اور حذاقت رکھتا ہو اور اس خصوصیت کو شاہ صاحب نے بڑے اہتمام اور شدت کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا اور درحقیقت یہی طریقہ مفید بھی ہے کیونکہ اگر ایک استاد مختلف فنون کی کتابیں پڑھاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس استاد کو کسی بھی فن میں عبور و کمال حاصل نہیں ہو پاتا ہے' جس کا اثر طلباء پر پڑنا لازمی امر ہے اور موجودہ دور کے تعلیمی انحطاط و زوال کے اسباب میں سب سے اہم سبب یہ بھی ہے' جس کو کسی بھی حال میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے ان کو قلم بند فرماتے تھے۔

مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ:

مدرسہ رحیمیہ مہندیان کی اسی تعلیمی شہرت کو سنکر ہندو بیرون ہند کے شائقین حدیث و قرآن کثیر تعداد میں بے تابانہ آنے لگے یہاں تک کہ مدرسہ رحیمیہ اپنے عہد میں ہندوستان کا جامع ازہر بن گیا اور طلبہ کی کثرت اور ہجوم کی بنا پر مدرسہ رحیمیہ میں گنجائش نہیں رہی تو محمد شاہ بادشاہ رنگیلے مرحوم نے ۱۱۴۱ھ میں ایک عالی شان حویلی کلاں محل دریا گنج میں دی۔ مدرسہ رحیمیہ کے ارباب حل و عقد نے محمد شاہ بادشاہ کی مخلصانہ پیش کش کو منظور فرمالیا البتہ بعض مصالح کی بناء پر فوری طور پر مدرسہ منتقل نہ ہوسکا اور کچھ دنوں کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث صاحب نے مدرسہ رحیمیہ ''مہندیان'' سے کلاں محل میں منتقل کردیا اور وہاں یہ اسلامی مرکز مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے نام سے مشہور ہوگیا محمد شاہ بادشاہ رنگیلا کی عطا کردہ حویلی بہت ہی بڑی تھی حویلی کے ایک حصہ میں مدرسہ شاہ عبدالعزیز تھا دوسرے حصہ میں خاندان ولی اللّٰہی کی رہائش تھی مدرسہ عبدالعزیز میں اساتذہ و طلبہ کے لیے علیحدہ علیحدہ اقامت گاہیں اور درسگاہیں تھیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث' حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کے بعد مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب مدرسہ عبدالعزیز کے مہتمم اول اور اس کے روح رواں تھے۔ انہوں نے مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں چونسٹھ سال تک نہایت ہی کامیابی اور

WWW.KITABISTAN.COM

علمی دیانتداری کے ساتھ قرآن وحدیث کا عالمانہ وعارفانہ درس دیا اور خاندان ولی الٰہی کا نام روشن کیا اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک رجوع الی القرآن والحدیث کی تکمیل فرمائی۔ اس وقت آپ کے تدریسی عملہ میں شاہ محمد عاشق پھلتیؒ شاہ نور اللہ بڈھانویؒ ' خواجہ محمد امین کشمیریؒ اور بابا فضل اللہؒ جیسے ولی الٰہی فکر کے علماء ومشائخ شامل تھے۔ یہ تمام اکابر ملت تحریک ولی الٰہی کے مخلص مددگاروں اور معاونوں میں سے تھے انہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں مشن ولی الٰہی کو عام کرنے کی سعی فرمائی اور مہم میں کامیاب وکامران بھی ہوئے آج ہندوپاک میں صحیح اسلامی عقائد اور دینی رجحانات جہاں بھی پائے جاتے ہیں وہ ان ہی مخلص و بے لوث بزرگوں کی مساعی جمیلہ کے ثمرات ہیں۔

فارغین مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ:

شاہ عبدالعزیزؒ کے عہد میں مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں بڑے بڑے علماء دین اور مشائخ حدیث پیدا ہوئے اور نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں علوم اسلامیہ کی اشاعت وترویج میں سرگرم عمل رہے۔ درس وافتاء اور اصلاح وارشاد کی مسندوں پر متمکن ہوئے قرآن وحدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے، جس میں سے چند اہم شخصیات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ ' شاہ مخصوص اللہؒ شاہ محمد موسیٰؒ ' شاہ محمد اسحاق دہلویؒ مولانا شاہ محمد یعقوب دہلویؒ ' مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مولانا سید اولاد حسن قنوجی ' مرزا حسن علی شافعی لکھنویؒ مولانا حسین احمد محدث ملیح آبادیؒ ' مولانا حیدر علی ٹونکی ' مولانا خرم علی بلہوری ' مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ' مولانا مفتی علی کبیر مچھلی شہری ' مولانا رشید الدین دہلوی ' مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی رائے بریلوی اور مولانا سید احمد بریلویؒ یہ سب ہی حضرات اپنے وقت کے اساتذہ اور محدثین کاملین میں شمار کئے جاتے تھے جن کے بڑے بڑے حلقہائے درس تھے۔

شاہ رفیع الدین کا دور اہتمام:

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جب موذی امراض کے شکار ہو گئے اور ضعف بصارت کی وجہ سے مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی انتظامی ذمہ داریوں کی انجام دہی سے بڑی حد تک معذور ہو گئے تو آپکے برادر نسبی امام المفسرین شاہ رفیع الدین صاحب نے نئے عزم وحوصلہ کے

ساتھ اس مدرسہ کی آبیاری کی اور مدرسہ کو مزید ترقی کی راہ پر گامزن کیا لہٰذا' شاہ رفیع الدین صاحب کا دور اہتمام بھی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا جلی اور روشن باب شمار کیا جانے لگا۔ مدرسہ عبدالعزیز سے بڑے بڑے قوی الاستعداد اور ذی علم فضلاء ومشائخ نکلے اور ان سب نے بھی اعلاء کلمۃ اللہ ہی کو اپنا مشن بنا کر اس راہ پر گامزن ہو گئے شاہ رفیع الدین صاحب کے دور اہتمام میں حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے بھی مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں درس دینا شروع فرمایا اگرچہ آپ نے اپنی پوری زندگی اکبرآبادی مسجد میں گزار دی جیسا کہ عنقریب اس کا تفصیلی ذکر آئے گا مولانا امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

''شاہ رفیع الدین کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی مدرسہ کے مدرسین کی فہرست میں نظر آتا ہے یوں تو آپ تمام عمر مسجد اکبرآبادی میں درس وتدریس میں گزاری لیکن آپ نے مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں بھی درس دیا۔ (دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۴۰)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ میدان تدریس کے بھی شہسوار تھے موصوف مسجد اکبرآبادی میں معتکف ہونے سے قبل مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں درس دیا کرتے تھے اور طلبہ کو مستفیض فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے درس حدیث کے ساتھ ترجمہ قرآن مجید کا بھی سلسلہ شروع فرمایا آج ملک میں جو قرآنی ذوق نظر آتا ہے وہ دراصل شاہ صاحب کا کارنامہ ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں خاندان ولی الٰہی کی یہ صرف خصوصیت اور امتیازی شان رہی ہے جب تک اللہ کو اس خاندان میں علمی سلسلہ باقی رکھنا تھا اس خاندان میں بڑے بڑے صاحب فضل وکمال افراد پیدا فرماتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس خاندان سے علم و فضل کو ختم کرنا چاہا تو نرینہ اولاد کا سلسلہ ہی منقطع فرمایا تا کہ نالائق اخلاف لائق وفائق اسلاف کی بدنامی اور رسوائی کا سبب نہ بن جائیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح بھی ولی الٰہی خاندان کو داغدار ہونے سے بچایا۔

مولوی بشیر الدین احمد'' واقعات دار الحکومت'' میں لکھتے ہیں'

''شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے دینی مشغلہ (درس وتدریس کا) جاری رکھا اور اس مدرسہ نے تعلیم دینیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا جب

WWW.KITAABISTAN.COM

شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحاق مہاجر مکیؒ نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی۔

شاہ محمد اسحاق کا دورِ اہتمام:

حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور تلمیذ عزیز تھے۔ جب شاہ ولی اللہ صاحب کے تمام عالی مقام صاحبزادگان واصل الی اللہ ہوگئے اور اس میں کوئی نہیں رہا جو میراث ولی اللہی کی حفاظت کرتا تو آپ نے مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی ذمہ داری قبول فرمائی اور آپ مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے باقاعدہ منتظم اور مہتمم ہوگئے جس پر آپ بیس سال تک فائز رہے طلبہ کو حدیث وقرآن کے علوم ومعارف سے مستفیض فرما کر علم حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے علمی فیوض وبرکات سے تقریباً تمام عالم اسلام مستفیض ہوا آپ کے عہد زریں میں عباقر علماء اور کبار محدثین پیدا ہوئے۔ خود شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ اور ان کے تلامذہ اور تربیت یافتہ حضرات علمی وتدریسی خدمات کے ساتھ تحریک آزادی وطن کے میدان میں بھی نمایاں وممتاز نظر آتے ہیں ان ولی اللہی مجاہدین نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کی جو انقلابی تحریک چلائی تھی۔ اسی تحریک کو بدنام کرنے کے لیے بعد میں غدر کے نام سے مشہور کردیا گیا حالانکہ وہ تحریک جہاد آزادی تھی جیسا کہ "تذکرہ علماء ہند" مطبوعہ کراچی میں تحریر ہے کہ۔

"یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ کے اکثر شاگردوں نے بحیثیت علماء کے اس تحریک میں حصہ لیا جن میں مفتی عنایت احمد کاکورویؒ صدر امین بریلی مولانا عبدالجلیل کوئلی (علی گڑھ) مفتی صدر الدین آزردہ، شاہ ابوسعید مجددیؒ (والد ماجد شاہ عبدالغنی مجددیؒ) اور ان کے شاگردوں کے شاگرد یعنی علماء دیوبند مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ مولانا محمد منیر نانوتوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی ص ۴۰۹ بحوالہ تاریخ دارالعلوم دیوبند)

۱۲۵۶ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی میدان جہاد سے واپسی اور ملکی حالات کے خراب ہوجانے کی وجہ سے ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے اور وہیں چند ماہ بعد انتقال فرمایا اور مکہ مکرمہ ہی میں دفن ہوئے۔

شاہ مخصوص اللہ کا دورِ اہتمام:

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عالی مقام صاحبزادوں میں سے شاہ مخصوص اللہ اور شاہ محمد موسیٰ نے بھی کچھ دنوں کے لیے مدرسہ شاہ عبدالعزیزؒ کا انتظام وانصرام قبول فرمایا اور جب ان حضرات نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا تو مولوی شاہ محمد موسیٰ کے صرف ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام باقی رہ گئے جو اس وقت بہت ہی صغرسن تھے اور ایک صاحبزادی رہ گئیں تھیں اور خاندان میں کوئی ایسا فرد نہ رہا جو میاں عبدالسلام کو پڑھاتا لکھاتا اور ان کی تربیت کرتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ علم دینیہ سے بے بہرہ ہوگئے اس طرح ولی اللہی خاندان سے علم کا چراغ ہمیشہ ہمیش کے لیے بجھ گیا البتہ شاہ ولی اللہ کے فکری وروحانی فرزندوں نے ولی اللہی علم وفکر کا چراغ روشن رکھا اور یہ علم وفن شاہ صاحب کے نسبی خاندان کے بجائے روحانی خاندان میں جاری وساری رہا اور ان کے اخلاف رشید پورے اکنافِ عالم میں ضوفشاں رہے اور انشاءاللہ رہتی دنیا تک ضوفشانی کرتے رہیں گے۔

مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی تباہی:

مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے گرامی قدر فضلاء اور ممتاز مشائخ نے ۱۸۵۷ء کی تحریک میں نہ صرف یہ کہ زبردست حصہ لیا بلکہ درحقیقت یہ مدرسہ جہاد آزادی کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی بناپر انگریزوں نے سب سے پہلے تحریک آزادی کے اسی مرکز مدرسہ شاہ عبدالعزیز کو اپنے ظالمانہ حملہ کا نشانہ بنایا اور اس مدرسہ شاہ عبدالعزیز کو تاخت وتاراج کردیا اور اس طرح شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی یادگار یہ مدرسہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی نذر ہوگیا مولوی بشیر الدین احمد لکھتے ہیں:

"یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالیشان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہا غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے کڑی تختے تک لوگ اٹھالے گئے"

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر یہ محلہ شاہ عبدالعزیز

صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے"

علاقہ دریا گنج کے محلہ کلاں محل میں مسلم مجلس مشاورت کے دفتر سے تقریباً دوسو قدم اتر جانب آج بھی ایک گلی پر گلی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا بورڈ لگا ہوا ہے مگر اس گلی میں اب کوئی مدرسہ نہیں ہے بلکہ مختلف لوگوں کے مکانات ہیں کاش! کوئی اللہ کا بندہ اس مدرسہ شاہ عبدالعزیز کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کمر ہمت باندھ کر اس گلی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے کسی ایک حصہ میں شاہ عبدالعزیز کے نام پر کوئی دینی ادارہ قائم کردیتا تاکہ صدیوں کی پیاسی زمین ولی اللہی علوم و معارف سے سیراب ہوجاتی حکیم سید عبدالحئی والد ماجد مولانا علی میاں صاحب ۱۳۱۳ھ کو دہلی آئے تھے۔ اس وقت دہلی کے مشاہیر علماء سے آپ نے ملاقات کی اور دہلی کے قدیم دینی مدارس خاص طور پر مدرسہ شاہ عبدالعزیز دیکھنے گئے حکیم صاحب اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں۔

"میاں سید نذیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا و مولی الکل مقتدائے ارباب تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب روح اللہ روحہ کے مدرسہ کی زیارت کروں جس میں ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے اور جس کی خاکروبی کو فخر وسعادت سمجھا ہے۔

"حضرت شاہ محمد واضح قدس سرہ حضرت شاہ ولی اللہ کے وقت میں تشریف لائے ان کے بعد شاہ ابوسعید صاحب مولوی محمد نعمان صاحب حضرت سید محمد معین صاحب یکے بعد دیگرے آئے۔ اس کے بعد شاہ عبد العزیز صاحب کے وقت میں مولانا شاہ سید قطب الہدیٰ تشریف لائے ان کے بعد مولانا سید محمد اسحاق صاحب ان کے بعد مولانا سید احمد قدس اللہ اسرار ہم آئے اور فائدہ حاصل کیا جس کو تمام عالم جانتا ہے" (دہلی اور اس کے اطراف ص ۵۹)

مدرسہ شاہ عبدالعزیز کا فیض:

دارالعلوم دیوبند ہو یا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ دارالعلوم ندوۃ العلماء ہو یا جامعہ ملیہ اسلامیہ ان سب اداروں کے موسسین وبانیین درحقیقت فیض ولی اللہی کے جرعہ نوش اور ان کے روحانی وعلمی اولاد تھے اور ان کا مقصد حیات ہی فیوض ولی اللہی کو عام کرنا اور اس کی روشنی میں اصلاح ظاہر و باطن کرنا تھا اور الحمد اللہ کے بعض اداروں میں آج بھی اسی نہج پر اور اسی نصاب کے مطابق تعلیم دی جارہی ہے اور اگرچہ اس دور انحطاط میں وہ کمال تو تبحر علمی تو باقی نہیں

ہے اور نہ رہ سکتا ہے مگر پھر بھی اس دور قحط الرجال میں یہی خاندان ولی اللہی کے روحانی وفکری وارث علماء ومشائخ ان ملی، اداروں میں مصروف درس وتدریس ہیں اور ان ہی کے دم سے یہ دینی مراکز آباد ہیں۔

دیوبند اسکول اور علی گڑھ اسکول:

دیوبند اسکول کے بانی حجۃ اللہ فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور علی گڑھ اسکول کے موسس سرسید احمد خان تھے یہ دونوں فکر ولی اللہی اور تحریک ولی اللہی کے علمبردار اور مبلغ تھے۔

دیوبند اور علی گڑھ اب یہ دونوں قصبہ یا شہر نہیں رہے بلکہ ایک ہی گھر سے نکلی ہوئی دو مختلف تحریکوں کا مرکز بننے کا ان کو شرف حاصل ہے دنیائے اسلام کے عظیم مفکر مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"مدرسہ دیوبند کے بانی محمد قاسم صاحب اور علی گڑھ کالج کے موسس سرسید احمد خان دونوں فکر ولی اللہی سے متاثر اور منتسب تھے دونوں کا سلسلۂ تلمذ مولانا مملوک علی نانوتوی صاحبؒ سے تھا جو ایک واسطہ سے شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔"

مولانا سندھی مزید فرماتے ہیں:

"فکر ولی اللہی مشتمل تھا دو اجزاء پر ایک جزء تھا عقلیت اور دوسرا جزء سلف صالح کا تتبع ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے خاتمے پر جب مسلمانوں میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہوئے اور انہیں عملی شکل دینے کی کوششیں ہوئیں تو سرسید فکر ولی اللہی کے اس جزء کو جس میں عقلیت مرجح اور مقدم تھی علی گڑھ لے گئے اور وہ جزء جس میں سلف صالحہ کے تتبع پر زور تھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے مدرسہ دیوبند کو اس کا محافظ بنایا" (مدرسہ دیوبند اور مطالبہ پاکستان)

اکبرآبادی مسجد:

ہندوستان کی سرزمین پر مسجد اکبرآبادی کو وہی حیثیت حاصل تھی جو آج اندلس کی سر زمین پر مسجد قرطبہ کو حاصل ہے یہ اکبرآبادی مسجد کبھی خوبصورتی، دلکشی دلآویزی اور دلربائی میں اپنی مثال آپ تھی۔ آج وہی پُرشکوہ پُرجلال مسجد پیوندزمین ہوکر رہ گئی ہے اللہ کی پناہ! اس تاریخی

WWW.KITABOSUNNAT.COM

مسجد کو شاہجہاں کی رفیقۂ حیات اعزاز النساء بیگم' عرف اکبر آبادی بیگم نے ۱۰۶۰ھ میں بمطابق ۱۶۵۰ء میں تعمیر کرائی تھی جس کے متعلق سر سید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں:

''یہ مسجد دلکش' دلربا' فرحت بخش اور روح افزاء سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی تھی اور اس کے گرد مکانات اور طالب علموں کے رہنے کے لیے حجرے بنے ہوئے تھے۔ ضلع غربی سے ملحق کرسی دے کر مسجد بنائی ہے اس مسجد کے تین برج اور سات در ہیں مسجد کی عمارت ۶۳ گز لمبی اور سترہ گز چوڑی ہے نری سنگ سرخ کی ہے پیش طاق نرا سنگ مرمر کا نہایت پر چین کار ہے' اس کے آگے آگے چبوترہ سنگ سرخ کا ہے کٹہرے دار ۶۳ گز لمبا اور ۵۷ گز چوڑا اور ساڑھے تین گز اونچا اس کے آگے سنگ سرخ کا ایک حوض ہے مسجد کا صحن ایک سو چون گز لمبا اور ایک سو چار گز چوڑا ہے اور اس کے گرد طالبعلموں کے رہنے کے لیے حجرے بنے ہیں مسجد کے دروازہ کتبہ سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے کھدا ہوا ہے۔ (''آثار الصنادید'' مطبوعہ ۱۹۶۵ء دہلی)

موضح قرآن:

مسجد اکبر آبادی وہی تاریخی مسجد ہے جس میں شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ سالہا سال مقیم رہے اور اسی دوران آپ نے موضح قرآن جیسی شہرہ آفاق تفسیر تحریر فرمائی اور قرآن کریم کے علمی نکات ولطائف کا دریا بہایا حضرت شاہ عبد القادر کی درسگاہ اور فرودگاہ کی وجہ سے اس مسجد کی عظمت وحرمت مزید بڑھ گئی ہے اور علمائے ہند کی عقیدت گاہ بن گئی ہے۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے اکبر آبادی مسجد میں نہ صرف تصنیف وتالف کا سلسلہ قائم رکھا بلکہ درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری رکھا آپ اکثر اوقات تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے۔ اور اس سے فراغت کے موقع پر تشنگان علوم نبوت کو علوم قرآن وحدیث سے سیراب فرماتے طلبہ کا قیام بھی اکبر آبادی مسجد کے رہائشی حجروں میں (جو مسجد کے کنارے کنارے) بنے ہوئے تھے رہتا تھا اور شاہ عبد القادر صاحب جیسے بحر علم وعرفان سے مستفیض ہوتے رہتے تھے۔

مولانا امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

''اس مسجد میں جہاں عبادت الٰہی ہوتی تھی وہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا چنانچہ اس مسجد پر کتبہ لگا ہوا تھا۔ اس میں ''طلبہ علم رسانند'' بھی تحریر تھا اس کے ایک کمرہ میں شاہ

عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی شاہ عبد القادر نے پوری زندگی گزار دی اس میں وہ درس بھی دیتے تھے۔ (دہلی کے قدیم مدارس اور مدرس ص ۱۳۶)

مجاہدین کا مرکز:

''مسجد اکبر آبادی مجاہدین آزادی کا مرکز بھی رہی ہے مولانا سید احمد بریلویؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کی تحریک کا آغاز اسی اکبر آبادی مسجد سے ہوا تھا۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی جب دہلی آئے تو اسی تاریخی مسجد میں مقیم ہوئے اور شاہ عبد القادر محدث دہلوی سے علمی وروحانی استفادہ کرتے رہے۔ اسی مسجد میں مولانا شاہ محمد اسماعیلؒ جیسے مجاہد جلیل نے علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں اور جہاد فی سبیل اللہ کا سبق لیا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنا آخری قطرہ خون بہا دینے کا فیصلہ کیا بالآخر مولانا سید احمد شہیدؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ صوبہ سرحد کی پہاڑیوں میں اپنوں اور دشمنوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اکبر آبادی مسجد کا محل وقوع:

مسجد اکبر آبادی کے جائے وقوع کے متعلق مولوی بشیر الدین احمد دہلوی کا تحقیقی فیصلہ آخری فیصلہ ہے کہ یہ مسجد ایڈورڈ پارک موجودہ نیتا جی سبھاش چندر بوس پارک میں واقع تھی' جہاں ابھی تک زیر زمین مسجد کے آثار موجود ہیں' چند گز زمین کھودنے کے بعد آثار نظر آنے لگتے ہیں۔

مولوی بشیر الدین احمد دہلوی صاحب لکھتے ہیں۔

''محل وقوع اس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے جس وقت اس کے لیے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھی ویسے ہی ڈھک دی گئی۔ اور ہمیشہ ہمیش کے لیے خانۂ خدا اور بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی''

دہلی کے مشہور بزرگ مفتی حفیظ الرحمان واصف صاحب کی تحقیق نقل کی جاتی ہے انہوں نے بڑی تحقیق وتفتیش کے بعد یہ بات واضح کی ہے کہ مسجد اکبر آبادی ایڈورڈ پارک موجودہ سبھاش چندر بوس پارک ہی میں تھی۔

مفتی صاحب واصف مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

''ایام طفولیت میں راقم الحروف نے سنا تھا کہ ٹھنڈی سڑک کے کنارے پر ایڈورڈ پارک میں وہ مسجد تھی جس میں حضرت شاہ عبدالقادر نے علوم اسلامیہ کا درس دیا تھا۔ سقوط دہلی کے بعد انگریزوں نے اس شہر یعنی شاہ جہاں آباد پر ایسا غصہ اتارا کہ قلعہ کے اطراف کی آبادی اور محلات دور دور تک ملیا میٹ کر دیئے گئے یہ مسجد بھی ڈھادی گئی۔ امام جامع مسجد شمس العلماء مولانا سید احمدؒ نے چیف کمشنر سے درخواست کی کہ کم از کم اس جگہ کا احاطہ کردیا جائے تا کہ جانوروں کی آمد ورفت سے بے حرمتی نہ ہو چنانچہ احاطہ کر دیا گیا۔ (اردو مصدر نامہ ص ۱۵)

اکبرآبادی مسجد کی بربادی:

۱۸۵۷ء میں لال قلعہ کے اطراف واکناف کے رہنے والوں نے جنگ آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا اکبرآبادی مسجد مجاہدین کا مرکز تھی ہی چنانچہ جب دہلی کی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ناکام ہوگئی اور انگریزوں نے دارالسلطنت پر قبضہ کرلیا تو انہوں نے ان مقامات کو جو بغاوت کے مراکز تھے تباہ و برباد کردیا جس میں اکبرآبادی مسجد بھی شامل ہے۔ اکبرآبادی مسجد کے نزدیک کشمیری کڑہ تھا جس میں زیادہ تر کشمیری لوگ مقیم تھے گویا اکبرآبادی مسجد کا عرفی نام مسجد کشمیری کڑہ ہوگیا تھا۔ مرزا غالبؔ بھی مسجد کشمیری کڑہ (اکبرآبادی مسجد) کی تباہی پر آہ و فغاں کرتے نظر آتے ہیں۔

خط میں لکھتے ہیں:

''مسجد کشمیری کڑہ (مسجد اکبرآبادی) زمین کا پیوند ہوگئی' سڑک کی وسعت دوچند ہوگئی اللہ اللہ گنبد مسجدوں کے ڈھائے جاتے ہیں۔ (مکاتیب غالبؔ)

جوشؔ کی پیشن گوئی:

مشہور شاعر جوشؔ ملیح آبادی آزادی وطن سے قبل لال قلعہ سے رکشا میں گزر رہے تھے۔ ایڈورڈ کا مجسمہ دیکھ کر کہا تھا کہ ہمیں آزادی ملتے ہی تم کو اس طرح مسمار کردیں گے اور ڈھادیں گے جیسا کہ تم لوگوں نے اکبرآبادی مسجد کو زمین بوس کردیا ہے۔ جوشؔ ملیح آبادی

صاحب کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔ آزادی ملتے ہی ایڈورڈ کا مجسمہ نکال پھینکا گیا اور اس جگہ مشہور قومی رہنما نیتاجی سبھاش چندر بوس کا مجسمہ نصب کردیا گیا اسی مجسمہ سے کچھ ہی دور دکھنی پورب جانب میں مسجد اکبرآبادی واقع تھی۔

اکبرآبادی مسجد کے آثار:

مولانا محمد علی جوہر جب خلافت ہاؤس کوچہ چیلان میں مقیم تھے اور روزنامہ ''ہمدرد'' نکالتے تھے تو بلاناغہ صبح کی نماز نیتاجی سبھاش چندر بوس پارک میں مسجد اکبرآبادی کے آثار پر پڑھتے تھے اور اس تاریخی مسجد کی تباہی و بربادی پر آہ و فغان کرتے تھے اور مسجد کے آثار کی نشاندہی فرماتے تھے۔

تاریخ مہندیان:

قبرستان مہندیان جہاں شیخ الاسلام حضرت امام شاہ ولی اللہ اور ان کے علمی خانوادے کے علاوہ علماء فضلاء اولیاء صلحاء محدثین ومفسرین اور سیاسی زعماء آرام فرما ہیں یہ بقعہ نور دلی کا دل نہیں بلکہ ہندوستان کا جنت البقیع کہلاتا ہے بقول خواجہ حالیؔ مرحوم

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ ۱۸۵۷ء میں مکتب ولی اللّٰہی کے جن علماء ومشائخ نے تحریک آزادی میں سرفروشانہ حصہ لیا اور تحریک استخلاص وطن کی قیادت کی تھی انگریزوں نے ان علماء مشائخ کے مراکز (جس میں مدرسہ رحیمیہ مدرسہ شاہ عبدالعزیز مدرسہ شاہ عبدالقادر مسجد اکبرآبادی شامل ہیں) کو نشانہ ظلم وستم بنا کر تباہ و برباد کردیا تھا اسی طرح ۱۹۴۷ء میں بھی جب ہندوستان آزاد ہوگیا تو ان مدفون مجاہدین آزادی پر نت نئے مظالم ڈھائے گئے کہ الامان والحفیظ!

یہ واقعہ یہاں لائق ذکر ہے کہ گذشتہ سال ہندوستان کے مشہور ادیب اور ماہر غالبیات مالک رام صاحب مہندیاں تشریف لائے' موصوف کو مرزا مغل بیگ کی قبر کی تلاش تھی مرزا مغل بیگ غالبؔ کی بہن کے دیور تھے۔

مالک رام صاحب نے راقم الحروف سے فرمایا چلئے' ذرا مرزا مغل بیگ کی قبر کو تلاش

WWW.KITABOSUNNAT.COM

کریں' مجھے ان کی قبر پر لگے ہوئے کتبہ سے کچھ نقل کرنا ہے مالک رام صاحب نے راقم الحروف سے یہ بھی فرمایا کہ ان کی قبر حکیم مومن خان مومن کی قبر کے قریب ہی پس دیوار واقع ہے۔ راقم الحروف اور مالک رام صاحب مرزا کی قبر کی تلاش و جستجو میں تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد ہی ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن مرزا مغل بیگ کی قبر نہ مل سکی۔

مالک رام صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے مرزا مغل بیگ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا تھا۔ میں نے ۱۹۴۷ء سے پہلے دیکھا تھا' غالباً ۱۹۴۷ء میں مرزا کی قبر کو نقصان پہنچا دیا گیا۔ پھر مالک رام صاحب نے بڑی حسرت سے قرآن کریم کی آیت

﴿ تلک الایام نداولها بین الناس ﴾ پڑھی۔

پھر ہم لوگ شہر خموشاں سے مایوس واپس آ گئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ حادثہ صرف مرزا کی قبر کے ساتھ ہی پیش نہیں آیا ہے بلکہ مہندیان میں بعض وزیروں اور کرنلوں کی بھی قبریں تھیں جو ۱۹۴۷ء میں مٹا دی گئیں اور ان ہی مٹی ہوئی قبروں میں سلطنت مغلیہ کے ایک وزیر کی بھی قبر تھی جس کو زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا تھا جوش ملیح آبادی نے گویا اسی موقع کے لے کہا ہے۔

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت — کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت

عبرت کے لیے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت — اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟ — اے کاسہ سر بول ترا تاج کہاں ہے؟

۱۹۴۷ء میں خاندان ولی الٰہی کے مقدس مزارات کی بے حرمتی کی کہانی مفتی محمد ضیاء الحق صاحب دہلوی کی زبانی سنئے۔

"تقسیم ملک کے اثر سے یہ درگاہ بھی محفوظ نہ رہ سکی اور کچھ نہ سہی تو مزارات کی سنگ مرمر کی الواح اور احاطے کے جنگلے ہی توڑ کر لے گئے اور پھر ۱۹۷۰ء میں حکومت کے بلڈوزر چلے قبریں مسمار ہوئیں اور مردوں کی ہڈیاں تک نکال پھینکی گئیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ اس وقف زمین کو ارون' ہسپتال اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کے حوالہ کر دیا جائے اور وہاں ڈاکٹروں کی رہائش کے لیے فلیٹس وغیرہ تعمیر کر دیئے جائیں۔ شیر میوات صاحب کے شدید احتجاج کے باوجود غضب کر کے فلیٹس بھی بنا دیئے اور کچھ وقف زمین دھوبیوں کو دے دی باقی زمین جو فی

الحال بچی ہوئی ہے وہ بھی بہت کافی ہے۔ اور اس کے بچانے میں جناب علی محمد صاحب متولی درگاہ کو بہت قربانیاں' جانی اور مالی دینی پڑی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ صرف ان کی قربانیوں کی وجہ سے ہی یہ خطہ محفوظ رہا۔

اس تاریخی امر کا تسلیم نہ کرنا حق و صداقت کا خون کرنا ہے کہ قبرستان مہندیان کو اپنوں اور بیگانوں سے بچا کر پر رونق اور گل و گلزار بنانا صرف عصر حاضر کے مردِ مجاہد علی محمد شیر میوات متولی درگاہ شاہ ولی اللہ کا تن تنہا کارنامہ ہے یہ ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے کہ اگر شیر میوات صاحب اور کوئی کارنامہ انجام نہ دیتے تو بھی یہ روشن و تابناک کارنامہ ان کو تاریخ کے صفحات پر زندہ و تابندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ حالانکہ شیر میوات صاحب کے ایسے بے شمار کارنامے ہیں' جن پر مستقل لکھنے کی ضرورت ہے اور مستقبل کا مورخ ان پر بہت کچھ لکھ سکتا ہے۔

جامعہ رحیمیہ:

علی محمد شیر میوات صاحب کی دیرینہ تمنا تھی کہ یہ ویران و سنسان جگہ پھر آباد ہو اور دوبارہ یہاں سے علم کے سوتے جاری ہوں اور آسودۂ لحد خاندان ولی الٰہی کے علوم و فنون ان ہی کے جوارِ قدس میں جاری کئے جائیں۔ بالآخر ۶ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ۔ ۱۱ مئی ۱۹۸۱ء کو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دست مبارک سے اس عظیم درگاہ ولی الٰہی کا دوبارہ احیاء اور افتتاح عمل میں آیا۔ اور حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام جامعہ رحیمیہ تجویز فرمایا اور جامعہ رحیمیہ کی نہ صرف یہ کہ سرپرستی قبول فرمائی بلکہ جامعہ کے لیے ایک پُر مغز اپیل بھی تحریر فرمائی یہ اپیل من و عن نقل ہے۔

نحمده و نصلی!

"مزار ولی الٰہی کے عین دامن میں واقع مدرسہ رحیمیہ دہلی میں ولی الٰہی مکتب فکر کے مرکز اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے امین کی حیثیت سے ابھر رہا ہے الحمد اللہ علی محمد صاحب شیر میوات کی مخلصانہ کوششوں اور شب و روز کی جدوجہد سے روز افزوں ترقی پر ہے۔ گذشتہ چند سال میں اور مدرسہ کی علمی خدمات اور ہمہ جہت ترقیات قابل تحسین ہیں حق تعالیٰ اس دینی مرکز کو مسلمانوں کے حق میں زیادہ سے زیادہ فیض رساں اور مفید بنائے۔ آمین

اہل خیر حضرات نیز عامۃ المسلمین سے میری پرزور درخواست ہے کہ وہ اپنی مالی اعانت

WWW.KITABISTAN.COM

سے اس مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور یہاں زیر تعلیم طلبہ کے لیے دل کھول کر امداد فرمائیں (الجزاء کم اللہ خیر الجزاء) (مخلص دستخط (قاری) محمد طیب مُہتمم دارالعلوم دیوبند)

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم کا بھی جامعہ رحیمیہ سے کافی گہرا تعلق تھا مرحوم، شیر میوات صاحب کی مساعی جمیلہ سے بے حد متاثر تھے۔ حضرت مفتی صاحب آخر میں جب وہ صاحب فراش ہو گئے تھے تو بھی جامعہ رحیمیہ کے بارے میں راقم الحروف وغیرہ سے برابر استفسار فرماتے رہتے تھے۔ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم نے بھی ایک نہایت ہی اہم اپیل تحریر فرمائی ہے اپیل ہدیہ قارئین ہے۔

''مدرسہ رحیمیہ'' دہلی ہندوستان کے ان چند اداروں میں سے رہا ہے جس کے ذریعے اسلام اور علوم اسلامیہ کی گرانقدر اشاعت ہوئی ہے۔ اسی درسگاہ کے ذریعہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت شاہ عبد العزیزؒ اور دوسرے اکابر علماء نے علوم کو پوری دنیا میں پھیلایا ہے اور مدرسہ رحیمیہ دہلی سے بڑے بڑے علماء و اکابر نے کسب فیض کیا ہے یہ زمانہ کا انقلاب تھا کہ وہ ادارہ ختم ہو گیا اور عرصہ تک اس کے احیاء اور تجدید کی کوئی کوشش نہ ہو سکی۔

آزادی وطن کے بعد مہندیان نئی دہلی کا وہ خطہ جہاں اکابر مدفون ہیں ان کے تحفظ کا مسئلہ ہی بڑا نازک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے مخلص جناب علی محمد صاحب شیر میوات کو ہمت اور حوصلہ سے نوازا اور قبرستان مہندیان کے تحفظ کی گراں قدر خدمت ان سے لے لی۔ انہوں نے خلوص اور بڑی جدوجہد اور جذبہ کے ساتھ اس خطہ کو دست برد سے محفوظ رکھا جہاں مسلمانان ہند کی بڑی بڑی ہستیاں محوِ خواب ہیں پھر تدریجاً اس خطہ کو اپنی حکمت عملی سے بڑی آباد اور با رونق جگہ بنا دیا۔

چند سال قابل انہوں نے جامعہ رحیمیہ قائم کر کے مدرسہ رحیمیہ کو زندہ کیا: الحمد اللہ اب اس مدرسے نے خاصی ترقی کر لی ہے مدرسہ کے کئی کمرے بن گئے ہیں مسجد کی تعمیر ہو گئی ہے اور ایک بار پھر ویرانے میں بہار آ رہی ہے۔ یہ جگہ ایسی ہے جہاں پہنچ کر قلب و نظر کو مسرت ہوتی ہے اور روحانی سکون ملتا ہے نئی دہلی میں بزرگوں کی جگہ کو محفوظ رکھنا، اسے آباد کرنا اور دینی تعلیم کا مرکز بنا دینا جناب علی محمد شیر میوات کا کارنامہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے رفقاء کو جزائے خیر دے (آمین)

''جامعہ رحیمیہ'' مہندیان ترقی کی راہ و مرحلہ سے گزر رہا ہے اور اسے تعاون کی ضرورت ہے، اس لیے میری اپیل ہے کہ اس نیک اور اہم کام میں بھرپور تعاون دیا جائے اور خصوصی مالی معاونت کے ذریعہ اس کے تعمیری منصوبوں کو پورا کیا جائے۔ (دستخط مفتی) عتیق الرحمان صاحب عثمانی ۷ رجب ۱۴۰۳ھ)

حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بھی جامعہ رحیمیہ اور شیر میوات صاحب سے بڑا مضبوط رشتہ ہے حضرت امیر شریعت مدظلہٗ نے شیر میوات صاحب کی جدوجہد اور جامعہ رحیمیہ کی ترقی سے خوش ہوتے ہیں موصوف نے بھی ایک گرانقدر اپیل تحریر فرمائی ہے جو ہدیہ قارئین ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!'' آج حسنِ اتفاق سے جامع رحیمیہ نئی دہلی حاضری کا موقع ملا یہ ادارہ ابھی نیا نیا قائم ہوا ہے یہ جگہ بہت اہم اور تاریخی ہے یہاں علماء ہند کے سرخیل حضرۃ الامام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ تک آسودۂ خواب ہیں اور عرصہ تک یہ سرزمین علم و عمل کا مرکز اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کا منبع رہی ہے خوشی کی بات ہے کہ عرصہ کی ویرانی کے بعد پھر بہار آ رہی ہے اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ یہ سب علی محمد صاحب شیر میوات کی انتھک جدوجہد اور قربانیوں کا ثمرہ ہے جو خود بڑے عزم اور حوصلہ کے آدمی ہیں ادارہ کی عمر کم ضرور ہے مگر دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ کچھ دنوں میں قامت و قیمت دنوں میں اس نے قابل لحاظ پیش رفت کی ہے۔ ادارہ کی عمارت کی تعمیر کا کام لمبا پروگرام ہے اور یہ کام جاری ہے تکمیل کے بعد یہ مرکز (دہلی) میں بہترین تعلیمی ادارہ ثابت ہوگا! انشاء اللہ۔ (دستخط (مولانا) منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ (مونگیر)

ادوار اہتمام:

موجودہ جامعہ رحیمیہ کے اصل بانی اور موسس جناب علی محمد شیر میوات صاحب ہی ہیں اور شیر میوات صاحب ہی جامعہ رحیمیہ کے روحِ رواں ہیں لیکن انہوں نے اہتمام کی ذمہ داریوں سے ہمیشہ اپنا دامن بچایا ہے اور اہتمام کی ذمہ داریوں کے لیے ہندوستان کی مشہور و

WWW.KITABOSUNNAT.COM

ممتاز شخصیتوں کا انتخاب فرماتے رہے ہیں۔ جامعہ رحیمیہ کے اہتمام کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دور اول کے مہتمم حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب دہلوی تھے۔ مفتی صاحب بڑی باغ و بہار طبیعت کے انسان ہیں۔ موصوف قضیہ دارالعلوم دیوبند سے بہت متاثر تھے اور اکابر کی جمعیۃ العلماء ہند سے ہمیشہ متعلق رہے۔ مفتی صاحب ۱۱ مئی ۱۹۸۱ء سے جولائی ۱۹۸۲ء تک منصب اہتمام پر فائز رہے، موصوف آجکل پاکستان میں مقیم ہیں۔

دوسرے دور کے مہتمم ہندوستان کے مشہور عالم دین اور مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب تھے۔ موصوف ۶ شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۸۳ء سے شوال ۱۴۰۸ھ مطابق مئی ۱۹۸۸ء تک اہتمام ذمہ داریوں کو سنبھالتے رہے موصوف اب علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں جو آپ کا اصل میدان ہے مولانا محترم کی تازہ تصنیف ''مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت'' حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے یہ تصنیف علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہے موصوف میدان خطابت کے بھی شہسوار ہیں۔

تیسرے دور کے مہتمم حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب ہیں حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب نے یکم صفر المظفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۸۸ء سے اہتمام سنبھالا ہے حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب ایک مخلص اور ایماندار عالم دین ہیں۔ موصوف کا سیاست سے بھی تعلق ہے آپ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے مخلص رفیق کار بھی رہ چکے ہیں آپ ایک طرف مسند اہتمام پر متمکن ہیں تو دوسری طرف مسند درس کو بھی زینت بخشے ہوئے ہیں۔

مختصر حالات جامعہ:

دہلی کے مدارس میں جامعہ رحیمیہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہاں ابتدائی تعلیم سے لے کر دورۂ حدیث تک کی مکمل تعلیم ہوتی ہے اور طلبہ کی تعداد بھی اور مدارس کے مقابلے میں زیادہ رہتی ہے۔

لہٰذا، الحمدللہ امسال بھی ۱۸ طلباء شریک دورۂ حدیث ہیں ہر سال مختلف صوبوں کے تقریباً دوسو سے زائد طلبہ داخلہ حاصل کرکے قرآن کریم اور علوم اسلامیہ کی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں۔ جامعہ رحیمیہ میں سولہ ولی اللٰہی فکر اساتذہ کرام نہایت جانفشانی اور علمی دیانتداری کے ساتھ درس و تدریس میں منہمک و مشغول رہتے ہیں۔

جامعہ رحیمیہ کی طرف سے طلبہ کو کھانا ناشتہ اور علاج و قیام کی پوری سہولتیں دی جاتی ہیں اور معقول وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ اور اس پر پوری کفایت شعاری کے باوجود دو ہزار روپیہ ماہانہ خرچ ہوتا ہے جو خدا کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں اور اہل خیر حضرات کے مخلصانہ تعاون سے پورا ہوتا ہے اور شیر میوات صاحب کی جیب خاص سے بھی بڑی بھاری رقم صرف ہوتی ہے۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی:

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندانی علوم و معارف کی اشاعت کے لیے قائم کی گئی ہے کہ اور خدا کے فضل و کرم سے اکیڈمی کی طرف سے چند سالہ مختصر مدت میں چند اہم کتابیں شائع کی گئیں اور زیر نظر کتاب ''الواح الضادید'' (دہلی میں دفن خزینے) بھی شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے ہی شائع کیجارہی ہے اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور ان کے جوار میں مدفون ممتاز شخصیتوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

احقر دارالعلوم دیوبند سے فراغت تعلیم کے بعد ۱۹۸۲ء سے ہی جامعہ رحیمیہ نئی دہلی کی تدریسی خدمات انجام دینے میں مصروف ہے اور اس کے ساتھ ہی لکھنے لکھانے کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

تاریخ تو یاد نہیں لیکن حضرت مولانا حکیم محمد زمان حسینی صاحب رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند فاتحہ خوانی کے لیے مہندیان تشریف لائے حضرت حکیم صاحب نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ''مولوی صاحب آپ قبرستان مہندیان کے مشاہیر پر ایک کتاب ترتیب دیدیں تو بڑا اہم اور تحقیقی کام ہوگا حضرت حکیم صاحب کی بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی۔ میں نے کئی بار حکیم صاحب کے حکم کی تعمیل کا ارادہ کیا لیکن اپنی بے بضاعتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اس اہم کام کی ہمت نہ کر سکا مگر چونکہ حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب کے ذہن میں حکیم صاحب کی بات جمی ہوئی تھی۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ آپ جلد از جلد یہ کام کردیں اور یہ کتاب شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے شائع ہوجائے گی مولانا فقیہہ الدین صاحب کے بار بار اصرار سے مجبور ہوکر قلم اٹھانا پڑا۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

میرا حسین فریضہ ہے کہ میں جناب علی محمد شیر میوات متولی درگاہ شاہ ولی اللہ اور حضرت مولانا فقیہ الدین کا شکریہ ادا کروں۔

مجھے یقین ہے اگر محترم شیر میوات صاحب کی غیر معمولی امداد اور مولانا فقیہ الدین صاحب کی بے چینی شامل نہ ہوتی تو یہ کتاب اس قدر جلد منظر پر نہ آپاتی اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا سایہ عاطفت ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے۔

حضرت مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانی استاذ حدیث جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی انصافی کی بات ہوگی کہ موصوف نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود میری درخواست پر کتاب کے لیے ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بن عبدالحق صاحب مدنی استاذ جامعہ رحیمیہ اور مولانا محمد کلیم خان صاحب فیض آبادی استاذ جامعہ رحیمیہ کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے بعض مقامات پر مجھے نہایت ہی قیمتی مشورے دیئے اور مولانا محمد اسماعیل صاحب نے تو مسودہ دیکھنے اور کتابت کی تصحیح میں خاص طور پر بہت زیادہ مدد فرمائی جس کی بنا پر موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔ آخر میں قارئین کرام سے مودبانہ درخواست کرتا ہوں کہ اگر کتاب میں کسی قسم کی کوئی لغزش اور ادبی کمزوری نظر آئے تو از راہ مجھے مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کردی جائے۔ (واللہ المستعان عطاء الرحمٰن قاسمی استاذ جامعہ رحیمیہ)

شیخ عبدالعزیز شکربار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالعزیز شکرؒ بار اپنے عہد کے جلیل القدر مشائخ چشت میں تھے آپ کے آباؤ اجداد اُچہ ضلع ملتان کے رہنے والے تھے۔

شیخ طاہر رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے جد امجد تھے شیخ طاہرؒ تحصیل علم کے شوق میں بہار اور ملک کے مختلف مشاہیر علماء و مشائخ سے فیض یاب ہوتے ہوئے جونپور پہنچ گئے۔ اس وقت جونپور علم و عرفان کا مرکز اور بڑے علماء و صلحاء کا مسکن تھا آپ نے یہیں

بود و باش اختیار کرلی اور یہاں کے علماء سے اکتساب فیض کرنے لگے اور ایک وقت وہ آیا کہ آپ کا شمار بھی جونپور کے اجلّہ علماء میں ہونے لگا جونپور کے دوران قیام ہی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک فرزند ارجمند عطا فرمایا جس کا نام آپ نے حسن تجویز فرمایا جو اپنے باپ کی تربیت میں پروان چڑھ کر حسن ثانی بننے اور اپنے دور کے ممتاز عالم دین اور مشہور روحانی شیخ بن گئے۔

سلطان سکندر لودھیؒ آپ کے علم اور تقوی سے بہت متاثر تھا لہٰذا وہ آپ کا معتقد ہوگیا اور سکندر لودھیؒ کے بھائی بھی آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ مشہور ہے کہ سلطان سکندر لودھیؒ کے بھائیوں میں سے ایک شخص جس کے اندر حکمرانی کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور وہ آپ کا مرید بھی تھا۔ ایک دن حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ حضرت شیخ دعاء فرمادیں تاکہ مجھے دہلی کی سلطنت حاصل ہوجائے حضرت شیخ حسن نے صاحبزادہ محترم کو اس پاگل پن سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے تم میں سے کسی ایک کی ترقی چاہتا ہے تو تُو اس سے تعارض مت کر اور خدا جس کو ترقی فرمادے تو بھی اسی کا اطاعت شعار ہوجا شیخ کی نصیحت نے اس پر اثر کیا اور طلب جاہ سے تائب ہوگیا اور جب یہ خبر سلطان سکندر لودھی کو ہوئی تو ان کی بزرگی کا اور معتقد ہوگیا اور دہلی میں آپ کے وجود کو باعث خیر و برکت سمجھا اور آپ سے دہلی تشریف آوری کی درخواست کی۔

لہٰذا آپ مع اہل خانہ سکندر لودھی کی استدعاء پر دہلی تشریف لائے شیخ حسن طاہرؒ کو اللہ تعالیٰ نے دو صاحبزادے مرحمت فرمائے تھے۔

شیخ خیالی اور شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ یہ دونوں اپنے دور کے ولی و عارف باللہ تھے۔ شیخ خیالی نے مدینہ منورہ میں سالہا سال عبادت کی اور پھر حضور ﷺ کے کشفی اشارہ پر ہندوستان واپس آگئے۔

ولادت باسعادت:

شیخ عبدالعزیز شکر بار کی پیدائش ۹۰۷ھ میں جونپور میں ہوئی تھی آپ ابھی ڈیڑھ سال کے ہی تھے کہ والد بزرگوار آپ کو اپنے ہمراہ دہلی لے آئے اور اپنی خصوصی توجہات سے آپ کی تربیت فرمائی اور علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل کے لیے حاجی عبدالوہاب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادہ میر سید محمدؒ کے سپرد فرمایا ان دونوں استادوں نے جن کا شمار ملک کے متبحر

علماء میں ہوتا تھا اپنے فیوض علمی سے اس ہونہار شاگرد کو خوب خوب سیراب کیا اور اس سعادت مند شاگرد نے بھی اپنے کامل اساتذہ سے بھرپور استفادہ کیا اور تمام علوم ظاہری میں مہارت تامہ حاصل کر لی اس کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور علم طریقت کی تحصیل و تکمیل اپنے والد کے خلیفہ میاں قاضی خان ظفر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کرکے شیخ کامل کا مقام حاصل کیا شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کا شمار میاں قاضی ظفر آبادیؒ کے مخصوص مریدین اور مجازین میں ہوتا تھا۔

گلزار اردو صفحہ ۳۱۱ پر لکھا ہے کہ:

"شیخ عبدالعزیزؒ خلیفہ میاں قاضی خان کے ہیں متاخرین مشائخ چشتیہ میں مشہور ہیں علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے بچپن ہی سے ریاضتہائے شاقہ میں رہے یہاں تک کہ مرتبہ مشیخت کو پہنچے۔ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک جو اوراد اپنے ذمہ لازم کر لئے تھے کبھی ان کو فوت نہ ہونے دیا مشائخ کے اتباع اور حفظ قواعد و آداب میں یگانہ عصر، تواضع، حلم، رضا، تسلیم شفقت اور اعانتِ فقراء میں بے مثل تھے، غرضیکہ اپنے زمانہ میں مشائخ چشت کی یادگار تھے دہلی میں ان کی وجہ سے ارشاد و مشیخت کا سلسلہ قائم رہا"

شیخ عبدالعزیز شکر بار بزرگوں کی نظر میں:

شیخ عبدالعزیز شکر بار مشائخ چشتیہ میں عظیم المرتبت بزرگ تھے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" میں لکھتے ہیں کہ:

"شیخ اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے اور اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع حلم صبر و رضا خلق خدا پر شفقت اور عنایت فقرا میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز محتاجوں کی حاجت روائی میں بڑی کوشش کرتے تھے جب وہ شیخ قاضی خان کے پاس پہنچے تو اپنا مال و متاع، گھوڑا گاڑی جو کچھ اپنے پاس تھا، سارے کا سارا راہِ خدا میں تقسیم کر دیا" (رود کوثر ص ۷۰)

شیخ اکرام لکھتے ہیں:

"اکبر کے ابتدائی زمانے میں شیخ عبدالعزیز شکر بار چشتی کو بڑا قبول عام حاصل ہوا بیرم خان ان کا معتقد تھا اور دوسرے امرائے اکبری بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذِ فیض کرتے تھے عوام میں آپ بحر المواج اور شکر بارؒ کے عرف سے مشہور تھے۔ (رود کوثر ۱۷)

شاہ عبدالرحیمؒ سے خاندانی رشتہ:

شیخ عبدالعزیز شکر بار سے شاہ ولی اللہ کا خاندانی رشتہ تھا آپ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے نانا تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب انفاس العارفین میں لکھتے ہیں کہ:

"ایشاں جد اعلیٰ والد بزرگوار انداز جہت والدہ ایشاں"

یعنی یہ شاہ عبدالرحیم کے نانا تھے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے لکھا ہے کہ:

"شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کے مرشد خلیفہ ابوالقاسمؒ جو آگرہ میں رہتے تھے اور شاہ صاحب بھی ان دنوں آگرہ ہی میں تھے خلیفہ صاحب نے شاہ صاحب کو حکم دیا کہ شاہ عظمت اللہ نامی بزرگ کے پاس جا کر حاضری دو جو سلسلہ طریقہ چشتیہ کے ایک کہنہ سال، معمر ترین بزرگ اس زمانہ میں آگرہ میں تھے۔ مرشد کے بار بار اصرار کے بعد آخر ایک دن شاہ عبدالرحیمؒ عظمت اللہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے وہ بیمار تھے پلنگ پر لیٹے لیٹے باتیں کرتے رہے سلسلہ گفتگو میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے خاندانی رشتہ "شیخ عبدالعزیز شکر بار" سے ظاہر کیا۔ معاً عظمت اللہ شاہ صاحب یہ سنتے ہی پلنگ سے زمین پر آ گئے اور شاہ عبدالرحیم صاحب کو گلے سے لگایا پھر شاہ صاحب سے ایک سوال کیا شاہ صاحب نے اس کا جواب دیا شاہ صاحب کا جواب سننے کے بعد عظمت اللہ شاہ صاحب نے یہ قصہ سنانا شروع کیا کہ......"

میرے دادا صاحب کو شیخ عبدالعزیز شکر بار نے وصیت فرمائی تھی کہ اور کچھ تبرکات دیئے تھے اور کہا تھا کہ میری بیٹی کی اولاد میں سے اگر کوئی تمہارے پاس آ کر فلاں سوال کا فلاں جواب دے تو میرے یہ تبرکات اس تک پہنچا دینا۔ یہ تبرکات دادا کے زمانہ سے اس وقت تک ان کی وصیت کے مطابق محفوظ چلے آ رہے ہیں شاہ عظمت اللہ نے فرمایا کہ چونکہ اس سوال کا صحیح جواب تم نے دیدیا اس لیے وصیت پوری کرنے کا وقت آ گیا یہ کہہ کر شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کے سر پر انہوں نے عمامہ باندھا اور اپنے طریقہ کی اجازت عطا فرمائی اور جب چلنے لگے تو کچھ مٹھائی اور نقد روپے بھی عنایت کیے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب وہاں سے ان سب چیزوں کو لئے ہوئے اپنے مرشد ابوالقاسمؒ کے پاس پہنچے اور مٹھائی اور روپے خلیفہ صاحب کے

گے رکھ دیئے اور پورا ماجرا بیان کیا یہ بشاشت قلبی تلقی کردند اور آخر میں خلیفہ ابوالقاسمؒ نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ بشارت سُنائی۔

نقد اشارت بہ جمعیت ظاہر و عمامہ اشارت بہ اجازت و جمعیت باطن

(روپیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور فراغبالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ باطنی اطمینان اور فراغبالی اور اجازت کا اشارہ ہے)۔

توحید وجودی:

یہ حقیقت ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار پر توحید وجودی کا غلبہ تھا حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی بھی توحید وجودی کا ذوق آشنا تھے۔ دراصل ان حضرات پر حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار رحمۃ اللہ کا روحانی اثر تھا۔

شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ سے خواجہ باقی باللہ اور شاہ عبدالرحیمؒ دونوں ہی ذہنی اور روحانی طور پر بہت ہی متاثر تھے۔ یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے مزار کی جاروب کشی کیا کرتے تھے۔

شیخ محمد اکرام نے شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے متعلق بڑا ہی قیمتی جملہ لکھا ہے کہ......

''پر یہ بزرگ شیخ عبدالعزیز شکر بار دہلوی ہیں جنہیں عوام میں شہرت حاصل نہیں ہوئی لیکن جن کا ذکر خواص کی روح کو تازگی بخشتا ہے'' (رودکوثر ص ۱۷)

تصنیف وتالیف:

شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ صوفی منش و درویش صفات انسان تھے اصلاح قلب و تزکیہ نفس آپ کا خاص مشغلہ تھا جس کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے لہٰذا تصنیف وتالیف نہ آپ کا موضوع تھا نہ اس کے لیے آپ کو فرصت تھی مگر اس عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے کئی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سب سے اہم شیخ امان پانی پتی کے رسالہ ''غیریہ'' کے جواب میں آپ کا رسالہ ''عینیہ'' ہے اور آپ کی دوسری اہم تصنیف ''آداب السلوک'' ہے جو تصوف و سلوک کے اہم نکات و دقائق پر مشتمل ہے یہ دونوں کتابیں راقم کی نگاہ سے اب تک نہیں

گزریں ہیں۔

اولاد:

حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے صاحبزادوں میں سب سے بڑے شیخ قطب العالم تھے۔ شیخ قطب العالم ہی بعد میں آپ کے نسبی روحانی جانشین ہوئے یہ اپنے دور کے ممتاز بزرگوں میں تھے۔

شیخ قطب العالم کا مزار شیخ عبدالعزیز شکر بار کے مزار کے سرہانے، مسجد سے باہر تھا اور شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے مزار کی داہنی جانب شیخ شکر بارؒ کے ایک صاحبزادے اور بائیں جانب اہلیہ کی قبر تھی اور پائینتی کی جانب مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ساس کی قبر ہے شیخ شکر بار کے علاوہ آپ کے خاندان کی تمام قبریں بے نشان ہوگئیں ہیں۔

شیخ قطب العالم کے صاحبزادے شیخ رفیع الدین محمدؒ تھے جن کی صاحبزادی سے شیخ وجیہہ الدین شہید کی شادی ہوئی شیخ عبدالحق محدث دہلوی شیخ قطب العالم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''وہ عالم وفاضل صاحب اخلاق حمیدہ واوصاف پسندیدہ صدق واستقامت کا قدم والد کے (شیخ عبدالعزیز شکر بار) سجادہ پر رکھ کر اوقات کو طاعت وعبادت میں مصروف رکھتے ہیں'' (اخبار الاخیار، اردو، ص ۳۹۷)

مزار اقدس:

اروِن ہسپتال اور مولانا آزاد میڈیکل کالج سے قبرستان مہندیان میں داخل ہوتے ہی ایک قدیم مسجد نظر آتی ہے جو اب ''مکی مسجد'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے جو پہلے مسجد شکر بار اور جنوں کی مسجد کے نام سے مشہور تھی۔ ۱۹۵۹ء میں الحاج علی محمد شیر میوات متولی درگاہ شاہ ولی اللہ نے ''مکی مسجد'' نام دے کر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حسین رشتہ قائم فرمادیا اس تاریخی مسجد کے صحن میں بے شمار قبریں ہیں جن میں سب سے ممتاز ونمایاں قبر شیخ عبدالعزیز شکر بار کی ہے مکی مسجد احاطۂ قبرستان مہندیان میں داخل ہے ہندوستان کے مشہور مورخ مرزا سنگین بیگ مرحوم نے سیر المنازل میں مدلل لکھا ہے کہ شیخ عبدالعزیز شکر بار کی قبر مہندیاں میں ہے مرزا سنگین بیگ کے لفظوں میں سنئے۔

WWW.KITABISTAN.COM

''یہاں مکانات ہیں جو مہندیوں کے نام سے معروف ہیں اس میں شیخ عبدالعزیز شکر بار کا مقبرہ ہے۔حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب کا قبرستان ہے اس میں مولوی رفیع الدین اور مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات ہیں یہاں فوجداری عدالت کے مجوزہ قیدیوں کا جیل خانہ ہے''

وفات:

شیخ عبدالعزیز شکر بار ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ بعمر ۶۸ «سبحان الذی بیدہ ملکوت کل شی والیہ ترجعون» ...... پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کی سپرد کی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے:

شیخ کامل، عارف دوران خود عبدالعزیز — آنکہ میداد اہل دل را مجلس یاد از بہشت
ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود — حق تعالی از اول فطرت بذات او سرشت
یادگار اہل چشت او بود در دوران خود — گشت ازاں تاریخ فوتش یادگار اہل بہشت

(۹۷۵ھ)

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ساتویں صدی ہجری میں چنگیز خان نے اسلامی ممالک پر زبردست حملہ کیا اور مسلمانوں کی آپس کی خلفشار و باہمی رسہ کشی سے فائدہ اٹھا کر تاتاری فوج مشرق سے نکل کر تمام ایشیائی اسلامی ممالک پر چھا گئی، اسی پرآشوب دور میں مسلم ممالک کی ابتری اور تاتاری فتنہ کے غلبہ سے تنگ آ کر بڑے بڑے روحانی مشائخ اور صاحب درس و افتاء علماء نے ہندوستان کی طرف رخ کیا اور اسی دور (ساتویں، آٹھویں صدی ہجری) میں شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اجداد و اسلاف میں سے شیخ شمس الدین مفتی ہندوستان آئے اور رُہتک میں مقیم ہوئے۔شیخ شمس الدین مفتی چونکہ یکتائے روزگار اور مشہور زمانہ عالم دین اور صاحب تقوی

بزرگ تھے۔لہٰذا شاہان ہند نے شیخ کی آمد کو مغتنم سمجھتے ہوئے شیخ کے شایان شان استقبال کیا اور حکومت میں قضاء و افتاء کے مناصب جلیلہ پر فائز کیا اور یہ سلسلہ کئی پشتوں تک جاری رہا اور کئی پشتوں کے بعد شیخ محمودؒ نے علم و تصوف کے ساتھ جہاد بالسیف کو بھی اختیار فرمایا لہٰذا شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دادا شیخ وجیہہ الدینؒ شہید نے اسی مناسبت سے راہ حق میں جامِ شہادت نوش فرماتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔ان کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالرحیمؒ محدث دہلوی نے اپنے خاندان کا رخ پھر خالص علم و فضل کی طرف پھیر دیا کیونکہ اس وقت قوم مسلم کو جہاد بالسیف سے زیادہ جہاد بالعلم کی ضرورت تھی اور یہ قدرت کی مصلحت بھی تھی۔کیونکہ اب قدرت کو اس خاندان سے وہ کام لینا تھا جس کے لیے قدرت اسے ہندوستان میں لائی تھی۔اور صدیوں سے اس خاندان کے اندر مجاہدانہ عزائم و اعمال اور روحانی علمی فضل و کمال کی پرورش من جانب اللہ کی جا رہی تھی۔(خاندان ولی اللّٰہی کا مختصر تعارف ص ۳)

ولادت باسعادت:

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کی پیدائش ۱۰۵۴ھ۔۱۶۴۴ء میں دہلی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی شیخ وجیہہ الدین تھا وہ صاحب دعوت و عزیمت اور مجاہدانہ عزم و ارادہ کے انسان تھے۔

شاہ عبدالرحیمؒ نے قرآن مجید اور صرف و نحو کی ابتدائی کتب والد محترم حضرت شیخ وجیہہ الدین شہیدؒ سے پڑھیں جس سے آپ نو برس کی عمر میں فارغ ہو گئے اس کے بعد آگرہ میں جہاں شاہ شیخ وجیہہ الدین شہیدؒ بہ سلسلہ ملازمت مقیم تھے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد مرزا زاہد ہرویؒ سے معقولات اور علم کلام کی کتابیں پڑھیں۔

جیسا کہ مولانا علی میاں صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''شاہ عبدالرحیم صاحب چھوٹے رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک اپنے برادر بزرگ شاہ ابوالرضا محمد سے پڑھے، بقیہ کتابیں مرزا زاہد ہرویؒ سے پڑھیں (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ خود فرماتے تھے کہ میں نے) شرح مواقف اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں ان کی مجھ پر خصوصی توجہ تھی۔یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے

WWW.KITAABISTAN.COM

مطالعہ نہیں کیا ہے تو فرماتے کہ ایک دوسطر پڑھ لو تا کہ ناغہ نہ ہو''

اور کچھ عرصے حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خوردؒ سے بھی فیض حاصل کیا اور ان سے حاشیہ خیالی کے مشکل مقامات میں رجوع کیا اور تشفی ہوئی حضرت خواجہ خردؒ خواجہ حسام الدین کے خلیفہ اور اس زمانے میں سلسلہ نقشبندیہ کے باخدا درویش اور باکمال صوفیوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

اور جب آپ گیارہ سارل کے ہوئے تو فقہہ اور حدیث کی کتابیں پڑھنی شروع کیں اور تھوڑے ہی عرصے میں علوم قرآن وحدیث میں غیر معمولی مہارت حاصل کر کے کمال پیدا کر لیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے والد محترم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''میں نے ایک شخص کو بھی نہیں دیکھا کہ جو عام علوم میں عموماً اور فقہہ وحدیث میں خصوصاً ان جیسا تجربہ رکھتا ہو'' (انفاس العارفین ص ۱۴۰)

مدرسہ رحیمیہ:

لہٰذا شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کا شمار ہندوستان کے ممتاز علماء فقہاء اور محدثین میں ہونے لگا وہ اپنے دور کے بلند پایہ عالم دین' متبحر محدث اور یگانہ روزگار فقیہہ تسلیم کئے جانے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے علوم قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم واشاعت کی خاطر آج سے تقریباً تین سو سال قبل ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ڈالی تو ہندو بیرون ہند کے ہزار ہا تشنگان علوم نبویؐ جوق در جوق اس مرکز رحیمی کی طرف اپنی علمی تشنگی دور کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔

یہ تاریخی مدرسہ رحیمیہ چھتہ شیخ نرور میں قائم تھا جہاں یہ خاندان دہلی الٰہی عرصہ دراز تک چشمہائے علوم نبوت سے دنیا کو سیراب کرتا رہا مگر جس کو نیرنگی تقدیر ہی کہئے کہ اب یہ سرچشمہ علم وہدایت مہندیان اور قبرستان مہندیان کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اب عرصہ دراز کے بعد جامعہ رحیمیہ کے نام سے ایک معیاری دارالعلوم ہے۔

بہر حال حضرت شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کا خاص انداز تربیت تھا جس میں آپ تعلیم و

تعلم کے ساتھ تربیت اخلاق اور تزکیۂ نفس پر بھی خصوصی توجہ فرماتے اور اس کو اس طرح اپنے رنگ میں رنگتے کہ جب طالب علم شریعت اور طریقت کی تعلیم مکمل کرتا اور شاہ صاحب کو اس کو اجازت درس وبیعت وارشاد مرحمت فرماتے تو سند میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ الفاظ تحریر فرماتے۔ (فمن صحبہ فکانہ صحبنی ویدہ کیدی فمن بایعہ فکانہ بایعنی) (انفاس رحیمیہ ص ۲۴)

استغناء اور دنیا سے بے رغبتی:

شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ فطرۃً خاموش طبع اور گوشہ نشیں قسم کے انسان تھے آپ نام ونمود اور جاہ طلبی سے متنفر رہتے اور بچپن ہی میں دنیا سے اس قدر بے رغبت ہو گئے تھے کہ خود تو حصول زر یا حصول مناصب کی سعی درکنار اگر کوئی بزرگ بھی کوئی ایسا وظیفہ اور عمل بتلانا چاہتے جس سے دنیا کا کوئی مقصد وابستہ ہوتا تو اس کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے تھے اور فرمادیتے تھے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں۔

بیعت وارادت:

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے خواجہ خوردؒ سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے اور ان کی خدمت بابرکت میں نہایت ہی پابندی سے حاضر ہو کر سلسلہ عالی نقشبندیہ کا اکتساب فیض فرماتے رہتے کیونکہ حضرت خواجہ خوردؒ اپنے باکمال عارف باللہ والد کی طرح خود بھی واصل الی اللہ شیخ طریقت بزرگ تھے۔ ان سے بیعت کی درخواست کی تو خواجہ صاحب نے طرز اکابر کے مطابق اپنی کم مائیگی اور دوسروں کو اپنے سے اعلیٰ سمجھنے کے احساس کے ساتھ نہایت مخلصانہ طور پر مشورہ دیا کہ حضرت سید آدم نبوریؒ کے خلفاء اور مجازین میں سے کسی سے تعلق ارادت قائم کر لو۔ جس پر حضرت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے علاقے میں تو حضرت آدم نبوریؒ کے خلفاء میں حافظ سید عبداللہ صاحب رہتے ہیں۔ اس پر خواجہ خوردؒ نے بہت خوش ہو کر فرمایا کہ وہ تو بہت بڑے صاحب نسبت بزرگ ہیں اور ان کا وجود بہت غنیمت ہے لہٰذا جلد ان سے بیعت ہو جاؤ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''خواجہ خوردؒ کے فرمانے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ بلا تاخیر سید صاحب کی خدمت میں بے تابانہ حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی اور انہوں نے بھی بغیر کسی تذبذب کے پہلی

WWW.KITAABISTAN.COM

گزارش پر اس طرح مجھے بیعت فرمالیا جیسے کہ ان کو خواجہ صاحب کے اس ایماء کا منجانب اللہ الہام ہوگیا ہو اور اگرچہ حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق تعلق سید صاحب کے ساتھ قائم ہوگیا تھا مگر میں دونوں بزرگوں حضرت خواجہ خورد اور حافظ سید عبداللہ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہتا اور ان کے فیض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا"

حافظ سید عبداللہ صاحب صاحب کشف بزرگ تھے آپ کی خصوصی توجہات برابر اس عاجز پر منعطف رہتی تھی ایک دفعہ حافظ صاحب نے فرمایا کہ:

"تم بچہ تھے اور بچوں میں کھیل رہے تھے، میری طبیعت کی تمہاری طرف کشش ہوئی میں نے دعاء کی کہ خدا اس بچہ کو اولیاء میں شامل فرما، اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر ہو۔ الحمدللہ کہ اس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوا" (انفاس العارفین ص ۱۱)

اس بیعت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ شاہ صاحب کے سلسلہ طریقت کی تکمیل سے پہلے ہی سید صاحب کا وصال ہوگیا۔ لہذا شاہ صاحب نے اپنے پیرومرشد حافظ سید عبداللہؒ کے وصال کے بعد راہ سلوک کی تکمیل کے لیے شیخ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ سے بیعت وارادت کا سلسلہ قام کیا اور راہ سلوک کی تکمیل فرما کر شیخ ابوالقاسم اکبرآبادیؒ سے ہی بیعت وارشاد کی اجازت حاصل کی۔ شیخ ابوالقاسم اکبرآبادی بھی شاہ صاحب سے بے پناہ تعلق رکھتے تھے اور شاہ صاحب کی جانب خصوصی توجہ فرماتے تھے اور اس کی خاص وجہ شاہ صاحب کی ذاتی صلاحیتوں کے علاوہ شاہ صاحب کا شیخ عبدالعزیز شکربارؒ سے نسبی تعلق بھی تھا۔

فلسفہ ولی اللہی کی اساس:

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی اگرچہ اپنے نامور اور فخر روزگار صاحبزادہ شاہ ولی اللہؒ کی طرح شہرہ آفاق نہ بن سکے اور وہ خود شاہ ولی اللہؒ کے والد کی حیثیت سے زیادہ پہچانے گئے مگر یہ بھی ایک واقعی اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کا تمام فضل وکمال اور قبولیت عام ان کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیمؒ کی تعلیم وتربیت کے رہین منت ہیں خصوصاً فلسفہ ولی اللہی کے اصول ثلاثہ (یعنی متن قرآن مجید کو اصل قرار دینا اور وحدۃ الوجود کی صحیح اور صاف

تشریح اور علوم اسلامیہ میں حکمت عملی کو خاص اہمیت دینا جن اصول ثلاثہ کی بناء پر علمی اور مذہبی دنیا نے شاہ ولی اللہ کو خاص اور منفرد مقام عطا فرمایا، ان تینوں کی خصوصی تعلیم شاہ صاحب کو شاہ عبدالرحیم صاحب نے ہی دی تھی بلکہ بڑی اہمیت کے ساتھ ان اصول پر شاہ صاحب کی تربیت بھی فرمائی تھی جیسا کہ مفکر اسلام مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شاہ ولی اللہ کی فکری تربیت اور ان کی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب کو اصل مانتے ہیں، شاہ عبدالرحیم نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لیے قابل توجہ بنایا، پھر آپ نے وحدۃ الوجود کے مسئلے کو صحیح طریقے پر حل کیا اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا نیز شاہ عبدالرحیم صاحب ہی نے حکمت عملی کو اسلامی علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ کو اس کی خاص طور سے تلقین کی الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جاننا وحدۃ الوجود کا صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمت عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیم کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، مصنفہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ مطبوعہ سندھ ساگر اکیڈمی لاہور ص ۱۲)

اہم کارنامہ:

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا ایک خصوصی اور اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں درس حدیث کا سلسلہ آپ نے ہی شروع فرمایا ورنہ آپ سے قبل ہندوستان میں درس حدیث کا کوئی چرچہ نہ تھا چنانچہ حیات ولی کے مصنف لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں جس معزز اور بزرگوار نے سب سے پیشتر حدیث کے درس و تدریس کی بنیاد ڈالی اور جس مشہور محدث نے اس غریب علم کے شائع کرنے اور پھیلانے میں کوشش بلیغ کی وہ شاہ عبدالرحیم تھے"

WWW.KITABISTAN.COM

شاہ صاحبؒ کا فقہی مقام:

شاہ عبدالرحیم اپنے عہد کے فخر روزگار فقیہہ اور عبقری مجتہد تھے آپ کے فقہی استدلالات میں اجتہادی رنگ غالب ہوتا تھا۔ موصوف صرف فقہ حنفی ہی پر نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے فقہی جزئیات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ لیکن آپ بنیادی طور پر فقہ حنفی کے مقلد تھے۔ البتہ بعض جزئیات میں وقتاً فوقتاً دوسرے مسلک فقہیہ میں کسی مسلک پر بھی عمل کر لیتے تھے، جس کا حق آپ جیسے متبحر عالم کو دیا جاسکتا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''والد کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے''

(انفاس العارفین ص ۸۳)

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شاہ صاحب کا نمایاں حصہ

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی کا نام فتاویٰ عالمگیری کی تدوین وترتیب میں سرفہرست تھا لیکن آپ اس سرکاری خدمت کو زیادہ دن نباہ نہ سکے۔ جس کی وجہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

''اس (تدوین) زمانہ میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب وتدوین کا بڑا اہتمام تھا۔ مُلا نظام (افسر سررشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملاء حامد کے سپرد تھا انہوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کر کے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی شاہ عبدالرحیم صاحب (جو ان کے دوست تھے) کی نظر جب اس مقام پر پڑی تو اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ دو کتابوں کی مختلف المعنی عبارتیں جمع کر دی ہیں''

آپ نے مسودہ کے ساتھ حاشیہ پر عربی کی عبارت لکھ دی کہ:

" من لم يتفقه في الدين قد خلط فيه هذا غلط وصوابه كذا"

(یعنی تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے یہاں خلط مبحث ہوگیا ہے صحیح یوں ہے)

''مُلا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کا حاشیہ بھی پڑھ دیا

۔ وہ تو روانی میں پڑھتے گئے لیکن بادشاہ جو پوری توجہ سے سنتے تھے چونک پڑے اور فرمایا ''ایں عبارت چیست؟ مُلا نظام گھبرائے کہ انہوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا پھر سنبھل کر کہا کہ میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کروں گا گھر آئے تو مُلا حامدؒ سے شکایت کی کہ میں یہ حصہ تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا تمہاری وجہ سے مجھے بادشاہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑی ملا حامد نے تو اس وقت تو کچھ نہیں کہا شاہ صاحب سے اس کی شکایت کی شاہ صاحب نے کتابیں کھول کر ان کو دکھایا کہ عبارت میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے۔

''اس سے بعض معاصرین اور رفقاء کو حسد پیدا ہوا اور شاہ صاحب کچھ عرصہ اس کام میں شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہو گئے'' (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۸۵ بحوالہ انفاس العارفین ص ۴۴)

اس واقعہ سے جہاں شاہ عبدالرحیم صاحب محدثؒ کی دقت نظر، اور وسعت مطالعہ اور تفقہ فی الدین کا اندازہ ہوتا ہے وہیں اورنگ زیب عالمگیرؒ کا فقہی ذوق نکھر کر سامنے آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر صرف ایک بادشاہ ہی نہیں ایک بہترین فقیہہ اور صاحب علم و فضل بھی تھے۔ امور سلطنت کی غیر معمولی مصروفیات کے باوجود فقہی مسائل کو اس قدر انہماک اور استغراق کے ساتھ سننا اور غلطی پر بروقت چونکنا اور قاری کو متنبہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس شہنشاہ کو علوم اسلامیہ پر بھی گہری نظر تھی۔

شاہ صاحب عالمگیر کی نگاہ میں:

شہنشاہ ہندوستان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبدالرحیم صاحب محدث دہلوی کی بڑی قدر کرتے تھے اور ملاقات کا اشتیاق رکھتے تھے لیکن آپ کے زہد وورع اور استغنا کا یہ عالم تھا کہ آپ شہنشاہ وقت سے ملنے کبھی نہیں جاتے تھے بقول خواجہ میر دردرحمۃ اللہ علیہ۔

نہیں مذکور شاہوں کا بیاں کچھ اپنی محفل میں
اگر کچھ ذکر بھی آیا تو ابراہیم ابن ادھمؒ کا

حتیٰ کہ ایک بار عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے شوق ملاقات کا پیام آپ کے پاس بھیجا مگر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا اور ایک معمولی کاغذ پر جس میں آپ کا جوتا لپٹا ہوا تھا یہ عبارت لکھ کر شہنشاہ ہندوستان کے پاس بھیج دی۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

"اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت بُرا ہے جو کسی امیر کے آستانہ پر ہو' حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے" دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ہی قلیل ہے" تم کو اس کا بھی قلیل ترین جزء ملا ہے اگر بالفرض اس میں سے مجھے بھی دو گے تو وہ جزء لا یتجزیٰ ہوگا اس ٹکڑے کے لیے میں اپنے نام کو خداوند تعالیٰ کے دفتر سے کیوں کٹواؤں۔

مشائخ چشت کے ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہوں کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے"

شاہ ولی اللہ محدثؒ "انفاس العارفین" میں اس خط کو نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں کہ عالمگیر کو جب رقعہ ملا تو اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا اور جب کپڑے بدلتا تو اس کو اہتمام کے ساتھ پھر جیب میں رکھ لیتا اور فرصت کے وقت اس کو پڑھ کر روتا تھا۔

شاہ عبدالرحیم اور شیخ اکبر:

شاہ عبدالرحیم صاحب شیخ محی الدین بن عربیؒ (شیخ اکبر) صاحب فتوحات مکیہ کے بڑے معتقد و مداح تھے۔ شیخ محی الدین بن عربیؒ اپنے عہد کے جلیل القدر عارف باللہ اور ممتاز فلسفی اور صوفی تھے۔ ان کی عالمانہ اور عارفانہ باتیں بعض اکابر کے لیے باعث غلط فہمی ہوئیں۔ راقم الحروف نے شیخ اکبر کی شہرہ آفاق تصنیف "فتوحات مکیہ" حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ذاتی کتب خانہ میں دیکھی ہے یہ کتاب کبھی حکیم الاسلام کے زیر مطالعہ رہ چکی ہے۔

قابل الذکر بات یہ ہے کہ کوئی صفحہ ایسا نظر سے نہیں گزرا جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تشریحی نوٹ نہ ہو کاش! یہ تشریحی فوائد شائع کر دیئے جاتے تو شیخ اکبرؒ کے سلسلے میں بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتیں جن کی وجہ سے ہندستان کے علمی حلقوں میں بھی شیخ اکبرؒ معتوب ہیں۔ اللہ جزاء خیر دے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو انہوں نے شیخ اکبر کے بعض خیالات کی نہایت منصفانہ و عادلانہ تشریح و توضیح کر کے شیخ اکبر کو علمی حلقوں میں ایک عارف باللہ صوفی کی حیثیت سے متعارف کرایا بہر حال میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب شیخ اکبر کے بڑے مداح تھے شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

"حضرت والد ماجد شیخ محی الدین بن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے

کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کر کے تمام مسائل کے اثبات کے لیے آیات و احادیث سے دلائل پیش کر دوں! اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کا شک باقی نہ رہے مگر اس کے باوجود آپ وحدۃ الوجود کے کھلم کھلا بیان سے احتراز فرماتے تھے۔ کیونکہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور ناسمجھی کی بنا پر الحاد اور زندقے کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں" (انفاس العارفین ص ۱۸۳)

عجیب وغریب واقعات:

شاہ عبدالرحیم دہلوی صاحب صاحب حال اور صاحب کشف بزرگ تھے آپ کے تصرفات، مکاشفات اور کرامات کے بے شمار واقعات ہیں ان واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سننے میں آیا ہے کہ ایک دن مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات چل پڑی رات کا وقت تھا تیز ہوا چل رہی تھی چراغ روشن کرنے کا کوئی امکان نہیں تھا حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ نگاہیں چراغ پر مرکوز رکھو قدرت کے عجیب کرشمے مشاہدے میں آئیں گے۔ چراغ کو پیالے میں رکھ کر لے آئے۔ حضرت والد صاحب چراغ کی طرف متوجہ ہوئے جب حضرت نے پوری دلجمعی کے ساتھ توجہ ڈالی تو پیالہ بھی چراغ سے ہٹا دیا گیا چراغ خوب جل اٹھا اور اس کے شعلے میں آندھی کے اثر کی کوئی لپک نہ تھی" (انفاس العارفین ص ۱۲۷)

شاہ ولی اللہ صاحب نے دوسرا واقعہ لکھا ہے کہ:

"والد صاحب نے فرمایا ایک مرتبہ علاقہ میں بارش نہ ہوئی لوگوں نے میری طرف رجوع کیا اور دعاء چاہی میں نے دعاء مانگی تو بوندا باندی شروع ہوگئی۔ میں نے کہا کہ موسلا دھار بارش کا نہ ہونا ہماری دیواروں کی کمزوری کچا پوتی کی وجہ سے ہے گویا تدبیر خداوندی ہماری دیواروں کے گرانے سے احتراز کر رہی ہے لوگ جلدی سے گارا بنا کر لائے اور ہماری دیواروں کی لپائی شروع کر دی فوراً موسلا دھار بارش شروع ہوگئی (انفاس العارفین ص ۱۳۳)

شاہ عبدالرحیم صاحب کی چیخ و پکار:

مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے وصال کے بعد ہی سلطنت مغلیہ پر ادبار و

WWW.KITABISTAN.COM

زوال کا آغاز ہوگیا تھا شاہ عبدالرحیم دہلویؒ صاحب السیف والقلم عالم دین تھے۔ وہ اپنی فراست ایمان اور سیاسی بصیرت کی بناء پر دیکھ رہے تھے کہ مسلم سلطنت کو زوال وادبار سے بچانے کا اب صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ امراء اور سلاطین میدان جہاد میں کود پڑیں اور دشمنان اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کریں' شاہ عبدالرحیم صاحب نے اسی مقصد کی خاطر آصفیہ خاندان کے بانی نظام الملک آصف جاہ کو جو خط لکھا تھا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

وزیرالمما لک' آصف جاہ کی طرف جہاد کا شوق دلانے کے لیے لکھا گیا۔

اس فقیر کی خاطر عاطر پر یہ منکشف ہوا کہ عالم ملکوت میں یہ امر طے شدہ ہے کہ کفار ذلیل وخوار ہوں اور کچھ زمانے میں باغی رسواوخراب ہوں۔ اب اگر شوکت مآب (آصف جاہ) ان گمراہیوں کی مخالفت میں کمر ہمت باندھیں تو یہ سارے کارنامے ان سے منسوب ہوں گے تمام عالم ان کا مسخر ہوگا اور یہ کام رواج ملت اور ان کی دولت کے استحکام کا باعث ہوگا (اس معاملے میں) سعی قلیل سے بھی فائدہ جلیل ہوگا اور اگر آپ کوشش نہ کریں گے۔ تب بھی کفار حوادث سماوی سے ہلاک اور مضمحل ہو جائیں گے لیکن اس صورت میں کارنامے ان کے گنے نہ جائیں گے۔

اے (محبوب) مشک کی خوشبو پھیلانا تمہارے زلف کا کام ہے لیکن عاشقوں نے کسی مصلحت کی وجہ سے چین کے ہرن پر تہمت لگائی ہے۔ چونکہ یہ امر پکی طرح معلوم تھا۔ اس لیے بے اختیار اس عزیز کو لکھا گیا' وقت کو غنیمت سمجھیں اور جہاد کے معاملہ میں سُستی یا دیر نہ کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد سب چیزیں واضح ہو جائیں گی چونکہ ایک چیز کا اظہار مطلوب تھا اور دوستی اور خیر خواہی دامن گیر ہے اس لیے مبالغہ سے پرہیز کیا گیا اور اس سے زیادہ فاش تر لکھا نہیں جاسکتا۔

گوئے توفیق و کرامت درمیان افگندانہ
کس بمیداں درنمے آید سواراں راچہ شد

توفیق وکرامت کا گنبد درمیان میں ڈال دیا گیا ہے پھر بھی کوئی شخص میدان میں نہیں آتا آخر شہسواروں کو کیا ہوگیا ہے۔

سخنے کہ بامحرمان خود در پردہ
ادامے کردیم ایں جا بے پردہ
نوشتہ شد' تاعذر نماند"

وہ باتیں جو محروموں سے بھی پردہ میں کہی
جاتی تھیں یہاں بے پردہ لکھی گئی ہیں
تاکہ کوئی عذر نہ رہے"

(والسلام والاکرام رودکوثر ص ۵۴۵)

شعروشاعری:

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی ایک تبحر عالم اور محدث ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ مگر آپ کے اشعار میں بھی تصوف کا ہی رنگ جھلکتا تھا آپ نے فارسی اور ہندی میں اپنی شاعری کے کچھ نمونے چھوڑے ہیں جن میں سے چند اشعار ہدیہ ناظرین کررہا ہوں جس کے آپ کے ذوق کی ستھرائی اور آپ کا قادرالکلام شاعر ہونا معلوم ہوسکے۔

گر توراہ حق بخواہی اے پسر! خاطر کس رامر بخان الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب ایک مرتبہ نماز ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی اور فرمایا قلم ودوات لاؤ اور لکھ لو کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القاء کردیا ہے تاکہ تجھے ان کے ذریعہ وصیت کروں پھر اشارہ سے فرمایا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر لازم ہے یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مرقع ہے۔

اے کہ نعمت ہائے تو ازحد فزوں شکر نعمت ہائے توازحد بروں
عجزاز شکر تو باشد شکرما گربود فضل تو مارا رہنموں

ہندی کا دوہا:

شاہ صاحب اپنے مکاتیب میں بڑے سلیقے سے ہندی اشعار درج کیا کرتے تھے کیونکہ شاہ صاحب اپنے ملک کی زبان پر بھی کامل عبور رکھتے تھے لہٰذا یہ ہندی دوہا بھی شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

جب جیو نہ تھا تب پیو نہ تھا اب پیو ہے جیونا تھ
رحیم پیاسوں یوں ملے جوں بوند سمندر ناتھ

(انفاس العارفین ص ۱۴۸)

تصنیفات یا مکاتیب:

شاہ عبدالرحیم صاحب علم وحدیث قرآن پر مہارت تامہ کے ساتھ فارسی زبان و ادب کے بھی ممتاز مکتوب نگار اور بلند مرتبت مصنف تھے ''انفاس رحیمیہ'' آپ کے ہی مکتوبات وملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جس کو شاہ اہل اللہ صاحب نے مرتب کیا ہے یہ مکاتیب صاف شستہ اور رواں دواں اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔ ان مکاتیب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا انداز بیاں بے حد جاذب اور دلکش ہے اور چونکہ ان میں سے بیشتر خطوط مریدوں اور معتقدوں کو لکھے گئے ہیں اس لیے ان میں تصوف اور معرفت کے رموز انتہائی آسان اور عام فہم انداز میں بیان کئے گئے ہیں یہ ''مجموعہ مکاتیب'' جامعہ رحیمیہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

انفاس العارفین کے علاوہ شاہ صاحب شیخ تاج سنبھلیؒ کے عربی رسالہ کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور شاہ صاحب نے اپنے استاد و مربی میرزاہد ہروی کی اقامت و معیت میں کئی اہم عرب کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں۔

ارشاد رحیمیہ:

شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے شاہکار مکاتیب کے علاوہ ایک اور مفید اور یادگار تصنیف چھوڑی ہے وہ ہے ''ارشاد رحیمیہ در طریق حضرات نقشبندیہ'' جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں نقشبندیہ سلسلہ کے بنیادی اشغال واورادو اور شجرہ اسلاف نقشبندیہ کا بیان ہے۔

نکاح واولاد:

شاہ عبدالرحیم دہلوی کا پہلا نکاح شاہ وجیہہ الدین شہیدؒ کی زندگی میں ہوا پہلی اہلیہ سے صرف ایک صاجزادے سے صلاح الدین پیدا ہوئے جو کچھ بڑے ہوکر انتقال کر گئے دوسرا نکاح کبرسنی میں شیخ محمد پھلتی کی صاجزادی سے ہوا جن سے دو صاجزادے پیدا ہوئے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ۔

وفات:

شاہ عبدالرحیم صاحب فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں بعمر ۷۷ سال بروز چہار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی شاہ عبدالرحیم صاحب اپنے صلبی اخلاف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ شاہ رفیع الدین دہلویؒ شاہ عبدالقادر دہلویؒ شاہ عبدالغنیؒ اور خاندان ولی اللٰہی کے دوسرے افراد کے ساتھ قبرستان مہندیان میں ایک چبوترے پر آسودہ راحت ہیں۔

جناب علی محمد شیر میوات صاحب متولی درگاہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس چبوترے پر چھت ڈالوادی ہے تاکہ زائرین دھوپ اور بارش کی صعوبت سے محفوظ رہیں جس کی وجہ سے یہاں کی فضا بھی پر رونق ہوگئی ہے اور خاندان ولی اللٰہی کے یہ مزارات آج مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔

❋......☆......❋

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

شاہ ولی اللہ کی ولادت باسعادت ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ طلوع آفتاب کے وقت دہلی میں ہوئی یہ وہ مبارک ساعت تھی جس میں حضرت شاہ عبدالرحیم کے گھر ایک ماہتاب علم نبوت طلوع ہوا جب کہ شاہ عبدالرحیم کی عمر طبعی ۶۰ سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اور آپ کی اہلیہ محترمہ تو سن یاس کو پہنچ چکی تھیں مگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے شاہ صاحب کو اس نعمت عظمیٰ کی بشارت پہلے دی جا چکی تھی؛ جس کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم صاحب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اس زیارت کے دوران آپ کو حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ نے بشارت دی کہ عنقریب آپ کے یہاں ایک فرزند ارجمند پیدا ہوگا۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ شاہ صاحب کی اہلیہ محترمہ عہد یاس کو پہنچ چکی تھیں۔ اس بناء پر شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو گمان

WWW.KITABISTAN.COM

ہوا کہ یہ اشارہ غیبی بیٹے کی طرف نہیں پوتے کی طرف ہے لیکن قدرت کو بیٹا ہی دینا منظور تھا۔ لہٰذا ظاہری اسباب میں یہ صورت بنی کہ اس واقعہ کے چند روز بعد یہ اتفاق پیش آیا کہ شاہ صاحب کا عقد شیخ محمد پھلتیؒ کی صاحبزادی فخر النساء سے ہوگیا یہ ایک نیک سیرت خاتون اور بڑی صاحب فضل وکمال خاتون تھیں اس نامور خاتون کے بطن سے شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے جن کے بارے میں شیخ محمد عاشق پھلتیؒ لکھتے ہیں۔

والدہ شریفہ شان کہ بعلم شریعت از تفسیر و حدیث عالمہ و باآداب طریقت متادبہ باسرار حقیقت عارفہ وبمصداق اسم خود فخر النساء بودند	آپ کی والدہ ماجدہ تفسیر و حدیث جیسے علوم شرعیہ کی عالمہ آداب طریقت سے آراستہ پیراستہ اسرار حقیقت کی معرفت رکھنے والی اور ان وجوہ سے حقیقتاً طبقہ اناث کے لیے باعث فخر اور اسم بامسمی تھیں

(القول الجلی ص ۱۰)

نام ونسب:

اور چونکہ خداوند تعالیٰ اس مادر زاد ولی کو اسم بامسمیٰ ولی اللہ بنانا چاہتا تھا اس لیے شاہ صاحب کی ولادت کے موقع پر شاہ عبدالرحیم صاحب کو حضرت بختیار کاکیؒ کا بتایا ہوا بشارتی نام یاد نہیں رہا۔ اور آپ نے اپنے صاحبزادے کا نام ولی اللہ تجویز فرمادیا اور اس کے کچھ عرصے بعد جب شاہ صاحب کو وہ بشارت یاد آئی تو قطب الدین احمد کا نام رکھا۔ مگر ولی اللہ نام نے اس درجہ شہرت پائی کہ نہ صرف آپ بلکہ آپ کی نسبی وعلمی وروحانی اولاد سب خاندان ولی اللہی کے نام سے آج تک پہچانی جاتی ہے بلکہ علمی سلسلہ تو مکتب ولی اللہی ہی کے نام سے ہی دنیا میں جانا پہچانا جاتا ہے بہرحال آپ کا القائی نام ولی اللہ اور بشارتی نام قطب الدین اور کنیت ابوالفیاض اور تاریخی نام عظیم الدین ہے اور بعض لوگ آپ کا القائی نام احمد اور ولی اللہ عرفیت اور لقب بتاتے ہیں۔

سلسلۂ نسب:

حضرت شاہ ولی محدث دہلویؒ والد ماجد کی طرف سے "فاروقی" اور والدہ محترمہ کی طرف سے "سید" ہیں آپ خود فرماتے ہیں۔

"بحضرت عمرؓ شجرہ مامی رسد بحضرت علیؓ از جہت امہات نسل واصل می شود"۔ (انفاس العارفین ص ۳۸)

اس اعتبار سے شاہ صاحب خالص عربی النسل اور نسباً فاروقی ہیں حضرت شاہ صاحب نے اپنی بعض تصنیفات میں اپنے والد ماجد سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے درج ذیل کل بتیس (۳۲) واسطے بیان فرمائے ہیں جو اس طرح ہے۔

"شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبد الملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطاء ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم بم عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب"

اس نسب نامہ میں متعدد ناموں کے ساتھ لفظ "ملک" آیا ہے جس کے متعلق شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔

یہ زمانہ قدیم میں تعظیمی لقب جانا جاتا تھا جیسے ہمارے زمانہ میں "خان"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے آباء واجداد اور زمانہ قدیم سے ہی دینی و دنیوی وجاہت کے مالک رہے ہیں۔

ایام طفولیت:

حضرت شاہ صاحب کے اندر نوعمری ہی سے انتہائی سعادت مندی اور غیر معمولی متانت و سنجیدگی پائی جاتی تھی آپ عام بچوں کی طرح کھلنڈر اور لاابالی نہیں تھے آپ کی سعادت مندی اور اطاعت شعاری کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ سیر وتفریح کے لئے تشریف لے گئے اور جب تفریح سے فارغ ہوکر

WWW.KITAABISTAN.COM

گھر واپس آئے تو شاہ عبدالرحیم نے فرمایا میاں آج تم نے اس سیر وتفریح سے کون سی ایسی چیز حاصل کی ہے جو تمہیں زندگی میں کام آئے گی میں نے تو یہ پڑھا یہ لکھا۔ اور یہ عبادت کی حضرت شاہ صاحب کو والد محترم کی زبان سے یہ ناصحانہ کلمات سنتے ہی فرط ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گئے اور اس کے بعد آپ پھر کبھی کھیل کود کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اس واقعہ سے جہاں شاہ صاحب کی سعادت مندی واطاعت شعاری کا اندازہ ہوتا وہیں والد محترم کی حسن تربیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

تعلیم وتکمیل:

حضرت شاہ صاحب جب پانچ برس کے ہوئے تو رواج زمانہ کے مطابق مکتب میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بیٹھائے گئے اور صرف دو سال میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور اسی سال فارسی کی تعلیم شروع کی اور ایک ہی سال میں اس کی بھی تکمیل کر لی۔ اور پندرہ سال ہی کی عمر میں شاہ صاحب نے نحو‘ صرف‘ منطق‘ فلسفہ‘ فقہ‘ تفسیر اور حدیث غرض جملہ کتب متداولہ کی نہ صرف تکمیل کر لی بلکہ ہر فن میں مہارت تامہ اور کامل عبور حاصل کر لیا اور آپ ان تمام فنون پر ایسا استادانہ کلام کرنے لگے کہ بڑے بڑے صاحب فن آپ کی غیر معمولی بصیرت ومہارت سے ششدر وحیران رہ جاتے تھے۔

عقد:

شاہ صاحب کی عمر جب چودہ سال کی ہوئی تو شاہ عبدالرحیم صاحب کو اپنے فرزند ارجمند کے عقد کی فکر ہوئی اور جب رشتہ پکا ہو گیا تو شاہ صاحب نے لڑکی والوں پر زور دیا کہ جلد از جلد اس فرض سے فراغت حاصل کر لی جائے اور جب لڑکی کے اعزہ نے سامان شادی کے تیار نہ ہونے کا عذر کیا تو آپ نے کہلا بھیجا کہ مصلحت جلدی کرنے میں ہے جس کا اظہار اس وقت مناسب نہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب کے اصرار پر سسرال کے لوگ رضامند ہو گئے اور اسی سال آپ کی شادی ہو گئی اور شادی ہو جانے کے چند ہی روز بعد شاہ کی خوشدامن کا انتقال ہو گیا پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد خوشدامن کے والد کا وصال ہو گیا کچھ ہی دن گزرے تھے کہ شاہ ولی اللہ کے چچا شیخ ابو الرضا محمدؒ کے صاحبزادے شیخ فخر عالم رحلت فرما گئے۔ ان صدمات

اور مختلف امراض وضعف کی وجہ سے آپ کے والد صاحب بھی سخت بیمار ہو گئے اور ان پے در پے حادثات پر لوگوں نے سمجھا کہ عجلت میں شاہ صاحب کی مصلحت کیا تھی اور اس وقت شادی نہ ہوئی ہوتی تو شادی میں کتنی تاخیر کرنی پڑتی اور شادی کتنی بے لطف ہوتی۔

بیعت ودستار بندی:

پندرہ سال کی عمر میں شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کی نگرانی میں اشغال صوفیہ میں مشغول ہو گئے خصوصاً سلسلۂ نقشبندیہ کے اذکار کو از اول تا آخر پورا فرمایا چنانچہ شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں۔

پندرہویں سال تھا کہ والد بزرگوار سے بیعت ہوا اور اشغال صوفیہ خصوصاً مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوا اور توجہ تلقین‘ تعلیم‘ آداب طریقت اور خرقۂ صوفیہ پہننے کی راہ اپنی نسبت کو درست کیا۔ (الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ص ۳)

شاہ ولی اللہؒ کے والد گرامی کا انتقال:

اس طرح گویا شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے پندرہ سالہ نونہال‘ نوعمر نوجوان کو تمام علوم ظاہری وباطنی میں کامل کر دیا اور دنیاوی اعتبار سے بھی نہ صرف یہ کہ پال پوس کر بڑا کر دیا بلکہ نکاح وشادی کے فرائض سے بھی سبکدوشی حاصل کر کے سفر آخرت کی تیاری شروع فرما دی اور اس کے بعد ایک ڈیڑھ سال ہی کے عرصہ میں تمام بار امانت اپنے لائق فرزند کے سپرد کر کے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد تمام تلامذہ ومتوسلین نے خلف الرشید شاہ ولی اللہ کو شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا قائم مقام منتخب فرمایا کیونکہ شاہ عبدالرحیم صاحب کے تلامذہ ومنتسبین میں آپ ہی اس مقام اور مسند کے سب سے زیادہ اہل تھے۔

درس وتدریس:

لہٰذا شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ اپنے فخر روزگار والد شاہ عبدالرحیمؒ کے وصال کے بعد ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں مسند درس وارشاد پر فائز ہو گئے اور درس وتدریس اور دعوت وارشاد کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ اور دوران تدریس جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ کا انتہائی تفکر وتعمق کے ساتھ مطالعہ فرما کر محدثین وفقہائے مستنبطین کے طریق استدلال واستنباط میں درک حاصل

WWW.KITABISTAN.COM

فرمالیا جیسا کہ حضرت شاہ صاحب خود فرماتے ہیں۔

"والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کے درس میں اشتغال رہا اور ہر علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا اور مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کی اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث کے غائر مطالعہ کے بعد جن سے وہ حضرات اپنے مسائل میں استنباط فرماتے ہیں نور غیبی کی مدد سے "فقہائے محدثین" کا طریقہ دلنشیں ہوا" (الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ص ۶)

شاہ صاحب درس و تدریس کے دوران نہایت ہی استغراق، محویت کے ساتھ مشغول و مصروف رہتے جس کی وجہ سے آپ پر عجیب استغراقی وانہماکی کیفیت طاری رہتی جس کا اثر آپ کے معمولات پر اس درجہ ظاہر ہونے لگا کہ آپ کھانے اور آرام فرمانے کی مقدار بھی گھٹ کر نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی اور اس محویت کا اثر یہ ہوا کہ آپ نے محسوس فرمایا کہ علوم قرآن و حدیث کے بغیر جملہ علوم وفنون بے روح اور بے جان ہیں اور تمام علوم عقلیہ کی حقیقی روح قرآن و حدیث ہی ہیں لہٰذا انہماک و استغراق کے ساتھ شاہ صاحب ۱۲ سال مسلسل مدرسہ رحیمیہ مہندیان میں درس و تدریس کے ذریعہ تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب فرماتے اور انسانی قلوب کو علوم الٰہی سے منور فرماتے رہے۔

سفرِ حرمین:

اس کے بعد خیال آیا کہ علمائے حجاز سے بھی علوم میں استفادہ کرنا چاہیے خصوصاً علم حدیث تو ضرور ان حضرات سے حاصل کرنا چاہیے لہٰذا طالب علم بن کر بلکہ حقیقی معنی میں مہمان رسولؐ بننے کے لیے ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں حجاز مقدس روانہ ہو گئے اور چودہ ماہ کے قریب وہاں مقیم رہ کر شاہ صاحب نے شیخ ابو طاہر جیسے محدث یگانہ کے علاوہ شیخ محمد وفد اللہؒ سلیمان المغربیؒ، شیخ محمد بن محمد سلیمان المغربی، تاج الدینؒ، قلعی حنفیؒ، مفتی مکہ شیخ سناویؒ، شیخ احمد قشاشیؒ، سید عبدالرحمٰن ادریسیؒ، شمس الدین، محمد بن علا بابلی شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجیمیؒ، شیخ احمد علیؒ اور شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ جیسے فخر روزگار محدثین سے اکتساب فیض کیا۔

شیخ ابو طاہر مدنی کا شمار مدینہ منورہ کے اجلۂ محدثین میں ہوتا تھا ان سے خصوصیت کے ساتھ اکتساب فیض فرمایا اور شیخ ابو طاہر مدنیؒ شاہ صاحب کی غیر معمولی ذہانت، فطانت اور

ثبوت طبع سے بے حد متاثر تھے لہٰذا شیخ صاحب نے بھی فیض رسانی میں انتہائی فیاضی کا ثبوت دیا اور جو کچھ خزانہ علوم نبوت اللہ تعالیٰ نے شیخ کو مرحمت فرمایا تھا بے کم و کاست شاہ صاحب کی خدمت میں منتقل فرما دیا شیخ ابو طاہر شاہ صاحب سے اس درجہ متاثر تھے کہ شاہ صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

"یسند عنی اللفظ و کنت اصحح منه المعنیٰ"

یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر میں ان سے حدیث کے معانی حاصل کرتا ہوں۔ (الیانع الجنی ص ۸۱)

شاہ ولی اللہ صاحب نے مشائخ و اساتذہ حرمین کے تعارف و تذکرہ میں ایک رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" کے نام سے مرتب فرمایا ہے شاہ صاحب نے اس میں اپنے محبوب و محسن استاد شیخ ابو طاہر مدنیؒ کا والہانہ انداز سے تعارف کرایا ہے شیخ ابو طاہر مدنی صرف ایک عظیم المرتبت محدث ہی نہیں بلکہ علوم باطن کے بھی امام تھے۔

شیخ ابو طاہر مدنی نے شاہ صاحب کو خرقۂ باطن سے بھی نوازا تھا حاصل یہ کہ استاد شاگرد کے درمیان ایسا قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ جب شاہ صاحب نے حجاز سے ہندوستان واپسی کا ارادہ ظاہر کیا اور شیخ مدنیؒ سے رخصت چاہی تو اس وقت شفیق و مہربان استاد اور عقیدت مند شاگرد دونوں کی جو کیفیت تھی اس کا ذکر شاہ صاحب نے ایک خط میں کیا ہے جس سے استاد شاگرد کے والہانہ تعلق کا اندازہ ہوتا ہے شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اس وقت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ جب میرے کوچ کا زمانہ قریب ہوا اور وداع کی گھڑی سر پر آ کھڑی ہوئی اور رخصتانہ ملاقات کے دوران میں مزاج پرسی کے بعد میں نے یہ شعر پڑھا:

نسیت کل طریقٍ کنت اعرفه
الا طریقًا یودینی الی ربعکم

"میں بجز اس راستے کے جو مجھے تمہاری زمین تک پہنچا دے ان تمام راستوں کو بھول گیا جن سے میں اس سے پیشتر واقف تھا تو شیخ کی پرنم آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ گئیں اور دونوں رخسار سے سرخ ہو گئے یہاں تک کہ وفورِ گریہ سے آپ کا گلا بند ہو گیا اس

WWW.KITABISTAN.COM

کے بعد آپ نے نہایت خلوص کے ساتھ اس عاجز کے حق میں یہ دعا کی" (رود کوثر ص ۵۴۴)

سراج الہند امام شاہ عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے کہ:

"میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا اور وہ یہ سن کر خوش ہوئے میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا۔ سوائے علم دین و حدیث کے" (ملفوظات عزیزی ص ۴۳)

ایک یمنی محدث کی شہادت:

حضرت شاہ ولی اللہ کی علمی جلالت شان کو مشائخ عرب و عجم نے یکساں طور پر تسلیم کیا ہے حجۃ الاسلام فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے امیر شاہ خان مرحوم نے ایک یمنی محدث کا بڑا ہی دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ جس کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امیر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں کہ:

"سفر حج میں حضرت (النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا معلوم ہوا کہ چند دن ابھی رکا رہے گا حضرت نانوتویؒ کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، مل کر مولانا نانوتویؒ ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ سند اجازت عطا ہو اس پر محدث صاحب نے پوچھا تم کس کے شاگرد ہو؟ انہوں نے اپنے استاد مولانا عبد الغنی مجددیؒ کا نام لیا۔ محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبدالغنی کس کے شاگرد ہیں؟ جواب ملا شاہ اسحاقؒ کے شاہ اسحاقؒ سے بھی وہ ناواقف تھے، پوچھا کہ وہ کس کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام سن کر محدث صاحب رک کے بولے ان کو میں جانتا ہوں اور اس کے بعد فرمایا۔

شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں"

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجاز مقدس سے واپس آنے کے بعد دوبارہ اپنے والد بزرگوار کے مدرسہ رحیمیہ چھتہ شیخ نزور (موجودہ قبرستان مہندیان) میں درس حدیث شروع

کر دیا اور تشنگان علوم جو چشمہ فیض کے منتظر تھے۔ اطراف واکناف سے کھینچ کھینچ کر پہنچنے لگے اور چند ہی دنوں میں دوبارہ گلزار رحیمی میں قال اللہ قال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں۔

شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت:

شاہ ولی اللہ صاحب جہاں بلند پایہ محدث تھے وہیں عظیم مفکر، ممتاز دانشور اور بالغ نظر سیاسی مبصر بھی تھے اور اس سیاسی بصیرت میں حجاز مقدس کے قیام نے چار چاند لگا دیئے کیونکہ آپ کو حجاز میں تحصیل علم کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک خصوصاً اسلامی ممالک کے احوال و کوائف سے باخبر ہونے کا پورہ موقع ملا اور ان احوال کی روشنی میں ہندوستان کے مسائل کے حل کرنے میں بڑی رہنمائی ملی جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

"وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری واقفیت حاصل کی" (علمائے ہند کا شاندار ماضی ص ۵)

لہٰذا شاہ ولی اللہ صاحبؒ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔

ہندوستان کے حالات ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں کیونکہ ہندوستان خود اپنا وطن ہے ممالک عرب بھی دیکھ لئے ہیں اور ولایت والوں کے حالات وہاں کے معتمد لوگوں کے ذریعہ معلوم ہوئے ہیں۔ (شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک ص ۱۴)

ہندوستان کی حالت زار اور شاہ صاحب کی بے چینی

شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ نے جب آنکھ کھولی تو مغلوں کا طاقتور تاجدار اورنگ زیب عالمگیر دنیائے آب وگل سے رخصت ہو چکا تھا اور شاہ صاحب کا وطن ہندوستان رو بزوال تھا جس میں خانہ جنگی، فسادات اور خلفشار وانتشار کے سوا کچھ نہ تھا

دہلی غریب چاروں طرف سے آفات کا ہدف بنی ہوئی تھی، بدامنی اور شورش کے آثار ہر سمت نمایاں تھے۔ مرہٹے، روہیلے، جاٹ، افغان اور سکھ سب ہی ملک گیری کی ہوس میں ہنگامہ اور فتنہ وفساد پر تلے ہوئے تھے امراء وسلاطین جن سے کچھ اصلاح کی توقع ہو سکتی تھی ان کی حالت بھی عجیب وغریب تھی۔ کبھی رنگ رلیوں میں مبتلا ہوتے اور کبھی اندرونی و بیرونی فتنوں و

www.KitaabIstan.com

شورشوں سے دوچار ہوتے۔

غرض ایک طرف اگر شاہان وقت اپنے اسلاف کی دولت رقص وسرود کی محفلوں اور حسن و جمال کے بازاروں میں لٹا رہے تھے اور دوسری طرف رعایا بد حال، پریشان غربت وافلاس کے ہاتھوں برباد اور ستمگروں کے مظالم سے پامال ہو رہی تھی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے سامنے ایک طرف مغلوں کی کمزور اور بزدل حکومت تھی تو دوسری طرف ملکوں کو بربادی کے دہانے پر لیجانے والی ابھرتی ہوئی قوتیں تھیں شاہ صاحب کے ذہن ودماغ پر ان حالات کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ ان کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

کان نجوماً او مضت فی الغیاھب

عیون الافاعی اوروس العقارب

''تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوں کے سر ہیں''

لیکن شاہ صاحب جاٹوں، مرہٹوں، سکھوں اور روہیلوں کے حملوں اور شورشوں سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ ایک بیدار مغز مفکر اور جیالے مرد مجاہد کی طرح ملک کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے غور وفکر اور جدوجہد شروع کر دی اور شب وروز اسی سوچ بچار میں غلطاں وپیچاں رہتے کیونکہ عالمگیر کے نالائق جانشیں حکمرانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ سکھوں اور روہیلوں جیسے شر پسندوں کے مقابلہ کا ان میں دم خم نہیں پاتے تھے اور ملک کو غلط طاقتوں کا تختہ مشق بننے سے روکنا ضروری تھا لہٰذا ضروری تھا کہ کسی ایسی طاقت کا سہارا لیا جائے جو ان شر پسند طاقتوں کو زیر کر سکے۔ اور خود ملک گیری اور وسعت پسندی کے جذبات سے پاک ہو اگرچہ وہ طاقت غیر ملک ہی ہو۔ لہٰذا اس سلسلہ میں آپ کی سیاسی بصیرت نے شاہ ابدالی کا انتخاب فرمایا، مجبوراً احمد شاہ ابدالی کو آواز دی اور نواب نجیب الدولہ کی معرفت احمد شاہ ابدالی کو قندھار سے بلوایا۔ جس نے سب سے پہلے پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں سے ٹکر لے کر ان کے دانت کھٹے کر دیئے اور اس طرح ان کا زور ٹوٹ گیا۔ لیکن سلطنت دہلی کا نظم ونسق کچھ اس حد تک ناقص ہو چکا تھا کہ وہ اتنی بڑی فتح سے معمولی استفادہ بھی نہ کر سکا البتہ اتنا ضرور ہوا کہ بعض صوبوں میں نظام کچھ مستحکم ہو گیا شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے

بڑی دردمندانہ اپیل کی تھی اور اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے دیگر بااثر امراء سے بھی خط و کتابت کی تھی۔

شاہ صاحب احمد شاہ ابدالی کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''عصر حاضر میں آپ سے زیادہ طاقتور اور پر شوکت کوئی اور بادشاہ موجود نہیں آپ کو ہندوستان کی جانب توجہ کرنا واجب ہے تاکہ مرہٹوں کی قوت ٹوٹے اور ناتواں مسلمان سکون کی سانس لے سکیں'' (۲۷ جون ۱۹۶۹ء، ہفتہ روزہ الجمیعۃ، دہلی)

شاہ صاحب کی فرمائش پر احمد شاہ ابدالی کئی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا چونکہ جنگی حالات سے عوام کا متاثر ہونا لابدی ہے۔ اس لیے احمد شاہ ابدالی کی فوج سے بھی بے گناہ عوام کو مالی وجانی نقصان برداشت کرنا پڑا لہٰذا جس سے شاہ صاحب جیسے دردمند اور محب وطن کا متاثر ہونا بھی یقینی تھا شاہ صاحب بھی فوج کی ان ناشائستہ حرکتوں سے بہت متاثر ہوئے اور فوراً نجیب الدولہ جو احمد شاہ ابدالی کا رازدان اور شاہ صاحب کا بڑا معتقد تھا ایک طویل خط تحریر فرمایا جس میں ہدایت فرمائی کہ:

''جب افواج شاہی کا گزر دہلی میں ہو تو اسوقت اس بات کا پورا انتظام واہتمام ہونا چاہیے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے، دہلی والے کئی بار لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا تماشہ دیکھ چکے ہیں۔ اسی وجہ سے مطلب برابری اور مقاصد میں تاخیر پیش آ رہی ہے آخر میں مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے۔ اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنہ تکمیل تھے وہ مکمل ہو جائے تو اس بات کی پوری تاکید وپابندی ہونی چاہیے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے'' (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۷)

جن حالات میں اور جن مقاصد کے لیے شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی اور اس پر جس طرح کی پابندیاں عائد کیں اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ شاہ صاحب پر یہ الزام لگائے یا اعتراض کرے کہ آخر شاہ صاحب نے اپنے ملک پر دوسروں کو حملہ کرنے کی دعوت کیوں دی؟ کیونکہ سابقہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اندرون ملک اصلاح کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی اور پھر دعوت بھی ایسے شخص کو دی جس کا

WWW.KITABOSUNNAT.COM

دماغ ملک گیری یا وسعت پسند کی ہوس سے پاک تھا یہی وجہ ہے احمد شاہ ابدالی اپنا کام مکمل کر کے واپس چلا گیا' غاصب قوموں کی طرح جم کر نہیں بیٹھا جیسا کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب محبِ وطن تھے' اور اتنے ہی جتنا کہ اس آریہ ورت کا کوئی چار ہزار برس کا باشندہ ہو سکتا ہے لیکن اگر گھر میں آگ لگ رہی ہو' اور خود گھر والے اس کو بجھانے اور اس پر قابو پانے پر قادر نہ ہوں تو کیا اس وقت باہر والوں کو امداد کے لیے نہ بلانا گھر سے غداری اور خودکشی نہیں ہے؟ سوچنے کی بات یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کی طاقت کو زیر وزبر کیا اور اب پورے ہندوستان میں کوئی طاقت اس کی حریف نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود نجیب الدولہ کو امیر الامراء بنا کر چلا گیا اور خود اس نے اپنی حکومت قائم نہیں کی۔ ایک مورخ یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ حضرت شاہ صاحب کے اشارے اور ایماء پر ہی ہوا ہوگا جنہوں نے اپنے گھر کو درست کرنے کے لیے بیرونی امداد تو لی لیکن اپنے ملک بیرونی طاقت کا قبضہ گوارا نہیں کیا رہا امداد کے لیے بلانا تو واقعہ یہ ہے کہ مرہٹوں نے اس ملک میں اس قدر مضبوط اقتدار قائم کر لیا تھا اور ان کی وجہ سے پورے ملک میں عام تباہی و بربادی اس درجہ میں پھیلی ہوئی تھی کہ بیرونی امداد کو طلب کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں تھا' چنانچہ اس معاملہ میں حضرت شاہ صاحب خود اکیلے نہیں' بلکہ خود نجیب الدولہ' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندو راجہ مہاراجہ' احمد شاہ ابدالی سے امداد کے خواہاں تھے۔

سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں:

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے راجہ مہاراجہ نے مرہٹوں اور عماد الملک کے ہاتھوں اپنے ملک و دولت کا زوال بچشم خود دیکھ کر احمد شاہ ابدالی کو درخواستیں بھیجیں اور ہندوستان میں اس کے درد کے خواہاں ہوئے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ مرہٹوں کی تاریخ سے ظاہر ہے اور خود ہندو ارباب قلم نے اس کی تصریح کی ہے یہ لوگ انسانیت اور شرافت کے دشمن تھے' اور کوئی ظلم و ستم ایسا نہیں تھا جو انہوں نے ہندو' مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ پر روا نہ رکھا ہو' پس یہ ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کا ابدالی کو بلانا وطن کی محبت اور اہل ملک کی خیر خواہی کے جذبہ ہی سے تھا اور اس میں وہ بالکل

حق بجانب تھے' اگر شاہ صاحب کے پیش نظر صرف مسلمانوں کی خیریت اور بھلائی ہوتی تو وہ نجیب الدولہ کو دہلی بلاتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ''ذمیان'' یعنی غیر مسلموں کی بھی صراحت نہ کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے لیے بھی امن و امان کی درخواست نہ کرتے (برہان' مارچ ۵۱)

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد:

انگریز ۱۶۰۸ء میں ہندوستان میں تجارت کے لیے داخل ہوئے تھے اپنی عیارانہ سازشوں کے تحت ۱۶۶۳ء میں اس قابل ہو گئے کہ ہر قسم کی دست درازیوں اور اشتعال انگیزیوں پر اتر آئے اور حکومت وقت سے جنگ کرنے کے لیے پر تولنے لگے۔ تاہم عالمگیر کے عہد تک انہیں سیاست میں دخل اندازی کا براہ راست موقع نہ ملا۔ اگرچہ در پردہ وہ حکومت کی بعض باغی طاقتوں مثلاً مرہٹوں وغیرہ کو اکساتے رہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب مرہٹوں نے شیواجی کی قیادت میں دفعتاً سورت پر حملہ کر کے وہاں کے باشندوں اور تاجروں کو لوٹا تھا تو انگریز تاجروں کی کوٹھیاں محفوظ چھوڑ دی تھیں ایسا محسوس ہوتا کہ انگریز کے ایماء پر ہی یہ خفیہ چھاپہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق مرہٹوں نے مارا تھا۔

شاہ صاحب انگریزوں کی خفیہ سازشوں سے خوب واقف تھے اور محسوس کرتے رہتے تھے کہ ہندوستان کے مرہٹے انگریزوں کے آلہ کار بن رہے ہیں اس وجہ سے شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو جنگ کی دعوت دی تھی تاکہ مرہٹوں کے ساتھ ساتھ انگریزوں کی بھی ہمتیں پست ہو جائیں۔

شاہ صاحب کی سیاسی تحریک کے ارکان اول:

شاہ صاحب کے مخصوص تلامذہ و معتقدین اور آزادی وطن کے اولین مجاہدین کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمد عاشق پھلتی ؒ (۲) مولانا نور اللہ بڈھانوی ؒ (۳) مولانا محمد امین صاحب کشمیری ؒ (۴) مولانا شاہ ابو سعید صاحب ؒ (۵) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ (۶) مولانا مخدوم صاحب لکھنوی ؒ

WWW.KITABISTAN.COM

انحطاط وزوال کے اسباب وعلل:

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دنیائے اسلام کے عظیم مفکر، زیرک دانشور مخلص مصلح اور مجدد امت تھے انہوں نے سلطنت مغلیہ کے زوال وانحطاط کے بنیادی سبب اقتصادی انحطاط کو قرار دیکر باقی اسباب کو اس کا تابع اور لازمی نتیجہ قرار دیا ہے۔ اور مسلم معاشرہ کے زوال پذیر ہونے کے اصل سبب شعائر اسلامی سے روگردانی اور علوم دینیہ سے غفلت کو بتایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان اپنے دین اور علوم دینیہ سے دور ہوتا ہے تو مذہبی پستی میں چلا جاتا ہے اور پھر دنیا کی نظر میں وہ اور اس کا مذہب دونوں بے وقعت ہوجاتے ہیں اور جب انسان اقتصادی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے چوری، ڈکیتی، رشوت خوری میں مبتلا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف کا خون کرتا ہے اور انتظامی عہدوں پر فائز ہوکر بدنظمی پھیلاتا ہے اور ان تمام مفاسد کی آبیاری عالم نما جاہلوں اور موروثی پیرزادوں اور بے ایمان اور مفاد پرست ارکان دولت اور عیش پسند بادشاہوں اور منافع خور تاجروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔

جیسا کہ پروفیسر خلیق نظامی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''مسلم سوسائیٹی کے زوال کا سبب ان (شاہ صاحب) کے خیال میں مذہبی شعار سے بے اعتنائی اور علوم دینیہ سے بے تعلقی تھی سلطنت مغلیہ کے زوال کا سبب انہوں نے اقتصادی انحطاط کو قرار دیا تھا اس کے باعث تمام سیاسی انتشار اور بدنظمیاں پیدا ہوئی تھیں۔ فرماتے ہیں کہ جس سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو اس میں طرح طرح کے روگ پیدا ہوجاتے ہیں نہ وہاں عدل وانصاف قائم ہوسکتا ہے اور نہ مذہب ہی اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔ (شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۳۳)

اس لیے شاہ صاحب کو مرد حق آگاہ ونبض شناس زمانہ اور حق گو مرد مجاہد ہونے کی بنا پر حق بات کہنے سے نہ بادشاہوں کی سطوت روک سکتی تھی نہ فوجیوں کی توپ وتفنگ ان کی سد راہ ہوسکتی تھی اور نہ جاہل واعظوں، خشک زاہدوں اور موروثی پیرزادوں کے جاہل معتقدین کی بھیڑ ان کو مرعوب کرسکتی تھی لہٰذا اس مرد مجاہد نے انتہائی جرأت اور بے باکی کے ساتھ بادشاہوں، فوجیوں واعظوں، خشک زاہدوں اور پیرزادوں کی اصل بیماریوں اور خود فریبیوں کی مخلصانہ

نشاندہی کی اور ان کی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھی، اور جہاں تک معاشی خرابیوں کا تعلق ہے اس میں تقریباً ہر طبقہ کو یکساں گرفتار پاتے ہوئے ایک مخلص قائد، دردمند مصلح اور مرد حق آگاہ کی حیثیت سے تمام ہی طبقوں کو خطاب فرمایا ہے۔

سلاطین اسلام سے خطاب:

''اے بادشاہو! ملأ اعلی کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہوچکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہوجائے اور اہل کفر وفسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جاکر شامل نہ ہوجائیں اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں'' قاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله '' (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہوجائے اور ''دین'' صرف اللہ کے لیے مخصوص ہوجائے) پھر جب کفر واسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہوجائے، تب تمہیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو ایسا حاکم جو عدل وانصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کرسکتا ہو اور خدا کے حدود کو قائم کرسکتا ہو اور اس میں سر گرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت وسرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جراءت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے رندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا اعلانیہ اظہار کیا جائے ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے چاہیے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کرسکتا ہو۔

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہوجائے۔ چاہیے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا اختیار رکھتے ہوں ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھری ہو جن کے دل میں جہاد کا ولولہ اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں ہر سرکش اور متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو۔

اے بادشاہو! جب تم یہ کرلو گے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزل اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا کرو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو' اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

امراء وارکان دولت سے خطاب:

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے' دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جارہے ہو اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں' کیا تم اعلانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم بُرا بھی نہیں سمجھتے' تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لیے کھڑے کیے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے اور شرابیں ڈھالی جائیں جُوا کھیلا جائے' لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں بدلتے' کیا حال ہے اُن بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حدِ شرعی نہیں جاری ہوئی جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو اور جب کوئی قومی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔ تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو' اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی چیز کی طرف منعطف نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کردے یعنی زمانہ کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

اہل صنعت وحرفت سے خطاب:

ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے' تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو' تم مدار اور سالار کاج کرتے ہو' تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے' یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے' یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور

جامہ اختیار کرتے ہیں' خاص طرح سے کھانے کھاتے ہیں' ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے تم میں بعض شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں۔ یہ کیسا بدبخت آدمی ہے جو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لیے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں' جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو سکتے ہیں' بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو' اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں باسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہنچادے' لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی' اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی' کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا بُرا ٹھکانا ہے۔

دیکھو! اپنی صبح وشام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو' اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو' پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی' مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لیے پسماندہ بھی کیا کرو' تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جارہے ہو' اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے'' (تفہیمات ص ۲۱۷)

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد' اس زمانہ کے طلبہ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے' مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب:

اے وہ لوگو! جو اپنے آباؤ اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو' یعنی گذشتہ بزرگانِ دین کی اولاد میں ہو' میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں' ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں' ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی منڈلی میں آلاپ رہا ہے اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول اللہ محمد ﷺ کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف وکرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی۔ اُسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے' اپنی جگہ اپنے کو راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے' حالانکہ دراصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے' ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند

WWW.KITAABISTAN.COM

نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لیے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں' ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں' کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل وشباہت اور طرز وانداز وہ نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسولؐ کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں' یہ لوگ بٹ مار اور راہ زن ہیں ان کا شمار دجالوں کذابوں' فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو' اور چاہیے کہ زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے لوگو' دیکھو! کیا تمہارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے؟ "وان هذا صراطی مستقيما فاتبعوه و لا تتبعوا السبل فتفرق بكم من سبيله" "یہ میری راہ ہے سیدھی' تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے۔ (انعام ۱۵۳)

غلط کار علماء سے خطاب:

ارے بد عقلو! جنہوں نے اپنا نام علماء رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے' یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنتِ ثابتہ قائمہ کا چاہیے کہ قرآن سیکھو' پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو' پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو' اسی طرح جو حدیث رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت ہو چکی ہے' اسے محفوظ کرو یعنی رسول اللہ ﷺ نماز کس طرح پڑھتے تھے' وضو کرنے کا حضور ﷺ کا کیا طریقہ تھا' اپنی ضرورت کے لیے کس طرح جاتے تھے اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھا' گفتگو کا کیا انداز تھا' اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے' حضور صلعم کے اخلاق کیا تھے' چاہتے کہ حضور ﷺ کی پوری روش کی پیروی کرو' اور آپ کی سنت پر عمل کرو مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو' نہ کہ اس کو فرض کا درجہ عطا کرو اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انہیں سیکھو مثلاً وضو

کے ارکان کیا ہیں؟ نماز کے ارکان کیا ہیں؟ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے قدر واجب کیا ہے میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے؟ پھر حضور ﷺ کی عام سیرت کا مطالعہ کرو جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو' صحابہؓ اور تابعین کے حالات پڑھو' اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں' لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور جس میں سر کھپا رہے ہو' اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ؟ یہ دنیا کے علوم ہیں؟

پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں:۔

"جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف ونحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو' نہ کہ خود انہیں کو مستقل علم بنا بیٹھو' علم کا پڑھنا تو اس لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو' لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے' حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں' جو علماء سے خالی ہیں اور جہاں علماء بھی پائے جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنہوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے اور ان کے وسواسی معیار پر پورا نہیں اترتا گویا دین سے وہ خارج ہے' اس گروہ میں زیادہ تر زہاد' عباد اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے اس لیے عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے فرماتے ہیں:۔

دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشین زاہدوں سے خطاب:

دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں اور واعظوں اور عابدوں اور ان کی کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ یہ جبرا اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے ہر بری بھلی بات' ہر رطب ویابس پر تمہارا ایمان ہے' لوگوں کو تم جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو' اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے' حالانکہ تم تو (اے امت محمدیہؐ) اس لیے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچا دے گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے' تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہوئے جو بیچارے مغلوب الحال تھے۔ اور عشق ومحبت الٰہی میں عقل وحواس کو بیٹھے تھے'

WWW.KITABOSUNNAT.COM

حالانکہ اہلِ عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں' نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے' تم نے وسواس کو اپنے لیے گوارا کرلیا ہے اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے' حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیے تھا کہ اعتقاداً اور عملاً احسان کے مقام کے لیے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیتے' لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے' خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی' خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ اربابِ کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی' چاہیے کہ مقامِ احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ' پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو' کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا اکرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پہنچایا ہے وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے پھر تم کیا بتا سکتے ہو کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے"

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے۔

فرماتے ہیں:

عام امت مسلمہ سے جامع خطاب' امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز:

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں' اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں تم پر بیجا حرص و آرزوں کا ہوا سوار ہو گیا ہے' تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے۔ عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں۔ حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنالیا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے پھر قسم ہے اللہ کی' اللہ نے ہرگز کسی کو اسے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے' چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو' خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو' یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو' اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ

اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں۔ اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں' دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو' تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں' اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ تمہارے لیے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرا اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سمجھائے گا جو تمہارے لیے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو' اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے' اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے ایسی بیوی جو شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے چاہیے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ کی یاد کے لیے جو فرصت ہم دست ہوسے غنیمت شمار کرے کم از کم تین وقتوں صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے' حق تعالیٰ کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے۔ تم عاشوراء کے دن جھوٹی باتوں پر اکھٹے ہوتے ہو' اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو' اور مردوں کے لیے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو' اگر تم سچ ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے' مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف کرنا شروع کر دیا ہے' اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرالیا ہے' یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو' ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو' وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں' تم میں کچھ لوگ ہیں' جو دنیا کمانے اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا' کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں۔ خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں' تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقرباء واعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لیے کافی ہو سکتی ہے' تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں۔ خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں' یعنی جو محنت انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ وہ روزے نہیں رکھ سکتے' تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو' بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے' تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے' سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بری عادت ہے۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں۔

ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کے لیے اس کا نمونہ کافی ہے۔ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۱۰)

اور اقتصادی و معاشی نظام کو تباہ و برباد کرنے والوں کو متنبہ فرمانے کے بعد شاہ صاحب نے اپنی سیاسی مہارت اور روحانی بصیرت سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک ایسا جامع اور مفید نظامِ معاشیات مرتب فرمایا کہ اس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے اور شاہ صاحب کے انتقال کے پچاس پچپن سال بعد جو "نظریہ اقتصادیات" دنیا کے سامنے پیش کیا گیا جس کو معاشیات کے حل میں شاہکار کا درجہ دیا جاتا ہے اور کارل مارکس جس کو اقتصادیات کے حل کا داعی اور موسس کہا جاتا ہے اور اس نظریہ کا زبردست حامی اور کارل مارکس کا دست راست اسٹالن وہ بھی شاہ صاحب کے مرتب کردہ اصول وضوابط کو سن کر دنگ رہ گیا جیسا کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے شاہ صاحب کے فکر کی روشنی میں اسلام کا معاشی فکر اسٹالن کے سامنے پیش کیا تو وہ بہت متاثر ہوا" (شاہ ولی کی سیاسی تحریک ص ۱۵)

مگر افسوس یہ ہے کہ پریس اور پروپیگنڈہ کی وہ طاقت جو مارکس کے متبعین کو اور انقلاب فرانس کے داعیان کو حاصل ہوئی وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے افکار کی اشاعت کے لیے میسر نہ آسکی۔ ورنہ اہل دنیا بیزار اسلام بیزاری اور مذہب بیزاری کے ولی اللہی فکر کو گلے لگاتے اور کارل مارکس اور اسٹالن کی جانب نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے ناظرین کو شاہ صاحب کے اصول معاشیات روشناس کرانے کے لیے چند اصول پیش کئے جاتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

شاہ صاحب کے اقتصادی اصول

۱۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے مزدور کاشتکار قوت کاسبہ ہیں باہمی تعاون مدنیت (شہریت) کی روح رواں ہیں جب تک کوئی شخص ملک وقوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا حصہ نہیں (حجۃ اللہ البالغہ' باب سیاسۃ المدینۃ۔ البدور البازغۃ بحث الاتفاق الثابت اور الخیر الکثیر)

۲۔ جوا' سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب ابتغاء الرزق)

۳۔ مزدور کاشتکار اور جو لوگ ملک وقوم کے لیے دماغی کام کریں' دولت کے اصل مستحق ہیں ان کی ترقی وخوش حالی ملک وقوم کی ترقی وخوشحالی ہے جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب ابتغاء الرزق)

۴۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے' مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب السیاسۃ المدینۃ ایضاً باب الرسوم السائرۃ بین الناس)

۵۔ جو پیداوار اور آمدنی باہمی تعاون کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب ابتغاء الرزق)

6۔ کام کے اوقات محدود کیے جائیں' مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی وروحانی اصلاح کرسکیں اوران کے اندر مستقبل کے متعلق غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہوسکے۔(حجۃ اللہ البالغہ۔باب ثانیہ الارتفاقات وباب اصلاح الرسوم وباب ضبط المبہم)

7۔ تعاون باہمی کا بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیے پس تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے کمیشن لگا کر تجارت کے فروغ وترقی میں رکاوٹ پیدا کریں۔(حجۃ اللہ البالغہ۔باب البیوع المنہی عنہا)

8۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کردے ملک کے لئے تباہ کن ہے۔(حجۃ اللہ البالغہ۔باب الاتفاق الرابع وباب البیوع المنہی عنہا)

9۔ وہ شاہانہ نظامِ زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کرکے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ نظام زندگی کا موقع دیا جائے۔(حجۃ اللہ البالغہ۔باب الرسوم السائرہ بین الناس باب السیاسۃ المدینۃ وایضاً باب ابتغاء الرزق وباب البیوع المنہی عنہا)

سیاست اور نظام حکومت کے بنیادی اصول:

1۔ زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے باشندگانِ ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافر خانہ میں ٹھہرنے والوں کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حق انتفاع میں دوسرے کی دخل اندازی قانوناً ممنوع ہو۔(حجۃ اللہ البالغہ۔باب ابتغاء الرزق)

2۔ سارے انسان برابر ہیں کسی کو حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالکِ ملک' ملک الناس' مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے نہ کسی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے۔(شاہ اسماعیل شہید۔منصب امامت۔ذکر سلطنت ضالۃ)

3۔ اسٹیٹ کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کے وقف کا متولی اگر ضرورت مند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ تمام باشندۂ ملک کی طرح گزار سکے۔(ازالۃ الخفاء۔جلد دوم عہد فاروق اعظم)

بنیادی حقوق:

1۔ روٹی' کپڑا مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کرسکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کرسکے' بلالحاظ مذہب ونسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔

2۔ مذہب رنگ ونسل کے تفاوت کے بغیر عام باشندگان کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل وانصاف اور ان کے جان ومال کی حفاظت' ان کی عزت وناموس' حق ملکیت میں آزادی' حقوق شہریت میں یکسانیت' ہر باشندہ ملک کا بنیادی حق ہے۔

3۔ زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر فرقہ کا بنیادی حق ہے(حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ)

بین الاقوامی تحفظات:

ان حقوق کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ خود مختار علاقہ بنائے جائیں یہ خود مختار اکائیاں اپنے معاملات میں آزاد ہوں گی۔ ہر ایک یونٹ میں اتنی طاقت ضرور ہونی چاہیے کہ اپنے جیسے یونٹ کا مقابلہ کرسکے۔ یہ تمام اکائیاں ایک ایسے بین الاقوامی نظام (بلاک) میں منسلک ہوں جو فوجی طاقت کے لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو۔ اس کو یہ حق نہیں ہوگا کہ کسی مخصوص مذہب یا مخصوص تہذیب کے کسی یونٹ پر حملہ کرسکے۔(حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ)

مذہبیات:

1۔(الف) دین اور سچائی کی اصل بنیاد ایک ہے' اس کے پیش کرنے والے ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

(ب) داعیان صداقت ہر ملک اور ہر قوم میں گزرے ہیں ان سب کا احترام ضروری ہے۔

(ج) سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریباً تسلیم شدہ ہیں۔ مثلاً پروردگار کی عبادت اس کے لیے نذر ونیاز' صدقہ وخیرات' روزہ وغیرہ یہ سب کام سب کے نزدیک اچھے ہیں البتہ عملی صورتوں میں اختلاف ہے۔

(د) ساری دنیا کے سماجی اصول اور ان کا منشاء ومقصد ایک ہے مثلاً ہر ایک

WWW.KITABISTAN.COM

مذہب اور ہر ایک فرقہ میں جنسی انارکی کو ناپسند اور اخلاقی جرم قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی ہر ایک فرقہ مردہ کو نظروں سے غائب کر دینا ضروری سمجھتا ہے اختلاف اس میں ہے کہ زمین میں دفن کر کے نظروں سے اوجھل کیا جائے یا جلا کر۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ باب اصل الدین واحد۔ البدر والبازغۃ۔ الارتفاقات اور مقالہ ثالثہ وغیرہ)

(۲) جہاد ایک مقدس فرض ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدس اصول کے لیے انسان اپنے اندر جذبۂ فدائیت پیدا کرے یہاں تک کہ اپنی ہستی کو ان اصولوں کے لے فنا کر دے۔ (البدر والبازغۃ الاتفاقات الثالث۔ حجۃ اللہ البالغہ مقدمہ تحریک شیخ الہند ج ۲ ص ۱۲۷)

ترجمہ قرآن مجید:

یہ ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ سیاسی زوال کے ساتھ قوموں پر تہذیبی اور علمی زوال بھی آتا ہے شاہ صاحب نے بادشاہوں اور مسلمانوں کے انحطاط و زوال کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اور اس کا سیاسی و معاشی حل پیش کرنے کے ساتھ علوم قرآنیہ کی ترویج و اشاعت کو بنیادی حیثیت دیکر مسلمانوں کا رشتہ براہ راست قرآن پاک سے جوڑنے کی سعی فرمایا۔ اور اس سعی کا سب سے روشن و تابناک کارنامہ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن ہے۔ جس میں شاہ صاحب نے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کے تشریحی فوائد لکھ کر مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو قرآن مجید سے قریب تر کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی جس پر گندم نما جوفروشوں اور علم کے نام پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے والے مدعیانِ علم جہال کا برافروختہ ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا یہ سب طیش میں آ کر شاہ صاحب کے خلاف کمر بستہ ہو گئے اور جب کچھ بس نہ چلا تو شاہ صاحب کے قتل کے درپے ہو گئے مگر اللہ نے خصوصی مدد فرما کر ان کے اس ارادہ میں ان کو ناکام کر دیا اور شاہ صاحب کی تحریک کامیابی کی طرف بڑھتی رہی جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرآن مجید کا ترجمہ اس وقت کی دفتری زبان فارسی میں کیا تو مولوی نما جاہ پرست مشتعل ہو گئے...... اور اسی غضب اور طیش میں انہوں نے حضرت شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کرایا جس کی مدافعت قدرت کے اس غیبی ہاتھ نے کی جو تاریخ عالم میں عظمت پانے والوں کی حفاظت ہر ایسے موقعہ پر کیا کرتا ہے۔ (تحریک شیخ الہند ص ۴۸)

شاہ صاحب سے پہلے قرآن مجید کی افہام و تفہیم کا عام رواج نہ تھا اس عہد کے بعض علماء بھی قرآن مجید اور اس کی تعلیمات سے کما حقہ واقف نہ تھے۔

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ:

''اکبر کے دربا میں جب مسلمان علماء اور پرتگیز مشنریوں میں مباحثے ہوتے اور مشنریوں نے (جو کلام مجید کے مطابق لاطینی ترجمہ کی وجہ سے اس کے اندراجات سے خوب واقف تھے) کلام مجید کے بعض حصوں پر اعتراض کئے تو اس وقت پتا چلا کہ جن مسلمانوں نے عربی میں قرآن پڑھا بھی تھا انہیں بھی اس کے مضامین اور اندراجات سے پوری طرح واقفیت نہ تھی۔ بسا اوقات یہ ہوتا کہ پادری کلام مجید کے کسی بیان پر اعتراض کرتے اور مسلمان کہہ دیتے کہ یہ تو قرآن مجید میں ہے ہی نہیں اور پھر جب کلام مجید کھول کے دیکھا جاتا تو وہ حوالے نکلتے'' (رود کوثر ص ۵۵۲)

شاہ صاحب کو علماء سوء کی مجرمانہ غفلت کا خوب احساس تھا انہوں نے علماء سوء اور جاہل مشائخ کے علی الرغم قرآن مجید کا فارسی ترجمہ کیا اور عوامی درس قرآن مجید کی بنیاد ڈالی جس کی وجہ سے شاہ صاحب کی خوب مخالفت ہوئی۔ لیکن آپ نے جاہل صوفیوں اور بداندیش مشائخ کی پرواہ نہیں کی اور اپنی منزل مقصود کی طرف تیز گام رہے اور اس کا عام احساس قلوب میں پیدا فرمایا کہ کامیابی کی کنجی قرآن سے رشتہ جوڑنا اور اس رشتہ کو توڑنا تباہی و بربادی کی اساس ہے اور اس احساس کو اتنا پروان چڑھایا اور لوگوں کے قلوب میں اس طرح موجزن کیا کہ صدیوں کے بعد بھی ہر مصلح قوم اس کا اعتراف کرنے پر مجبور نظر آتا ہے۔

لہٰذا شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے متعلق مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان تحریر فرماتے ہیں:

''مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے۔ علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا۔ اس وقت فرمایا کہ ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ استاد العلماء درویش نے اسی ۸۰ سالہ علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں فرمایا کہ: میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے

WWW.KITABISTAN.COM

ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔

ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی اس لیے میں وہیں سے عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ (وحدت امت ص ۴۰)

منفرد اسلوب:

شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرہ آفاق شخصیت ان کے علمی و تحقیقی کارناموں ان کی تجدیدی خدمات کے سات ساتھ ان کا منفرد انداز و یگانہ اسلوب نگارش بھی کسی تعارف وتعریف کا محتاج نہیں۔

شاہ صاحب ایک ایسے منفرد اسلوب کے موجد ہیں جو جامعیت اور خطابت، قوت استدلال اور سادگی و شگفتگی میں نبی عربیؐ کے طرز تکلم سے بڑی حد تک مشابہ ہے جیسا کہ ہندوستان کے نامور عالم دین مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر 'جوامع الکلم' النبی الخاتم، صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار انہی لغات اور ان ہی محاوروں سے کریں جو لسانِ نبوت اور زبانِ رسالتؐ سے خاص تعلق رکھتے ہیں"

شاہ صاحب ہندوستانی ہونے کے باوجود اہل عرب کی طرح فصیح بلیغ زبان لکھتے تھے، آپ کی زبان کی روانی اور عربیت سے بڑے بڑے ادیب بھی متاثر ہو جاتے تھے اور اس باب میں شاہ صاحب کی شاہکار اور شہرۂ آفاق تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" ہے جس میں شاہ صاحب نے احکام شریعت کی حکمتوں، مصلحتوں اور علتوں کو بڑے محققانہ اور عارفانہ انداز سے بیان کیا ہے۔

شاہ صاحب دنیائے اسلام میں پہلے عالمِ دین اور محرمِ رازِ شریعت ہیں جنھوں نے اس عظیم الشان موضوع پر قلم اٹھایا اور بے نظیر کتاب تصنیف فرمادی۔ شاہ صاحب سے پہلے امام غزالیؒ، شیخ اکبرؒ، علامہ خطابیؒ اور شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلامؒ نے بھی بعض احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا ہے لیکن ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے شاہ صاحب اس

موضوع پر متقدمین کی مختصر کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"متقدمین نے ان مصالح کی نقاب کشائی کی ہے جن کی ابواب شرعی میں رعایت کی گئی ہے بعد کے محققین نے بعض قیمتی نکتے بھی بیان کئے ہیں۔ لیکن اس کی مقدار اتنی ہی ہے کہ اب اس موضوع پر کلام کرنا خرق اجماع نہیں رہا کسی نے اس موضوع پر مستقل تصنیف نہیں کی اور اس کے اصول وفروع کو پورے طور پر مرتب نہیں کیا" (مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۳)

مولانا شبلی نعمانی مرحوم لکھتے ہیں:

"حجۃ اللہ البالغہ جس میں شاہ صاحب نے شریعت کے حقائق واسرار بیان کئے ہیں در حقیقت علم کلام کی روح رواں ہے علم کلام در حقیقت اس کا نام ہے کہ مذہب اسلام کی نسبت ثابت کیا جائے کہ وہ منزل من السماء ہے" (دور کوثر ص ۵۶۹)

مشہور ومعروف عربی عالم شیخ مصطفےٰ مکی تحریر فرماتے ہیں۔

"جب حجۃ اللہ البالغہ عرب میں پہنچی تو علماء اسے دیکھ کر حیران ہو گئے، مصر میں چونکہ ادب کا مشغلہ زیادہ ہے۔ ان لوگوں نے ادب کے پیرایہ میں بتعمق نظر ڈالی اور دیکھ کر حیرت زدہ ہوئے کہ ایک ہندی کی ایسی تحریر کہ عرب کے کملاء بھی نہیں لکھ سکتے"

تصنیفات وتالیفات:

شاہ صاحب کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد میں تذکرہ نگاروں کا شدید اختلاف پایا جاتا ہے بعض مورخین دو سو ۲۰۰ سے زائد بیان کرتے ہیں۔ سید محمد نعمان شاگرد شاہ صاحب کے خط میں نوے ۹۰ کی تعداد لکھی ہے۔ مولانا علی میاں صاحب نے ترپن ۵۳ کی تعداد تحریر کی ہے۔ لیکن یہ اختلاف محض اس سبب سے ہے کہ شاہ صاحب کے مختلف رسائل الگ الگ بھی شائع ہوئے ہیں اور کئی کئی رسالے ساتھ بھی چھپے ہیں، بہر حال شاہ صاحب کی بعض تصانیف بہت ضخیم اور بعض بہت مختصر ہیں، ان کی تصانیف کی فہرست مختصراً تعارف کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہے۔

۱۔ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن۔

شاہ صاحب ہندوستان کے پہلے عالمِ دین ہیں جنھوں نے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ کیا اور ترجمہ بھی نہایت سلیس اور مطلب خیز!

WWW.KITABISTAN.COM

شاہ صاحب کے بعد قرآن مجید کے جو ترجمے ہوئے ہیں ان تمام ترجموں میں شاہ صاحب کا رنگ ہے اس ترجمہ کے ساتھ جابجا "تشریحی فوائد" ہیں جو بہت ہی اہم اور مفید ہیں یہ ترجمہ متعدد بار ہندوپاک سے شائع ہو چکا ہے۔ حسن اتفاق سے یہ ترجمہ کتب خانہ جامعہ رحیمیہ مرکز شاہ ولی اللہ میں موجود ہے پاکستانی مطبوعہ ہے۔

۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر۔

شاہ صاحب نے فارسی زبان میں اصول تفسیر میں نہایت مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے راقم الحروف کے خیال میں یہ مختصر رسالہ علامہ سیوطیؒ کی کتاب "الاتقان فی تفسیر القرآن" پر بھی بھاری ہے علماء نے اس رسالہ کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے' یہ فارسی رسالہ اردو اور عربی میں منتقل ہو گیا ہے۔

۳۔ فتح الخبیر بمالابد من حفظہ فی علم التفسیر

یہ عربی رسالہ ہے' جس میں قرآن مجید کے مشکلات اور غرائب کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے اور آیات قرآنی کے اسباب نزول پر گاہ بگاہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

الفوز الکبیر کے ساتھ یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔

۴۔ تاویل الاحادیث فی امور قصص الانبیاء

رسولوں' نبیوں کے مکذبین پر عذاب الٰہی آئے اور رسول کے زریعہ جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابق فطرت ثابت کیا گیا ہے بہرحال یہ شاہ صاحب کا کمال فن ہے۔

۵۔ المسوّیٰ من الموطا۔

"المسوّیٰ" موطاء امام مالک کی مبسوط عربی شرح ہے حقیقت تو یہ ہے کہ اسی شرح میں شاہ صاحب کا مجتہدانہ رنگ نمایاں ہوتا ہے' ہندوپاک اور مکہ مکرمہ سے شائع ہو چکی ہے۔

۶۔ المصفّٰی شرح الموطا

موطاء امام مالک کی فارسی شرح ہے' اس میں آپ نے احادیث اور آثار کو الگ الگ کر دیا ہے اور امام مالکؒ کے اقوال کو مناسب طریقہ سے بیان کیا ہے اور احادیث پر مجتہدانہ انداز سے بحث کی ہے۔

۷. شرح تراجم ابواب صحیح البخاری

شاہ صاحب نے امام بخاریؒ کے عنوانات ابواب کی اس طرح توجیہہ وتشریح کی ہے کہ ابواب واحادیث میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے' یہ رسالہ عربی میں ہے دائرۃ المعارف حیدرآباد اور اصح المطابع کراچی نے اسے صحیح بخاری کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۸. حجۃ اللہ البالغۃ

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کی شاہکار تصنیف ہے شاہ صاحب نے اسلامی تعلیمات ودینی احکامات کو مطابق فطرت اور مبنی بر عدل ثابت کیا ہے ہر حکم الٰہی اور امر شریعت کے اسرار ومصالح نہایت مدلل انداز سے بیان کیا ہے۔

افسوس ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مرحوم کے بعد یہ کتاب یتیم ہو گئی ہے علمائے ہند نے اس کتاب کو شجرہ ممنوعہ قرار دے دیا ہے۔ اچھے سے اچھے عالم دین اس کا نام سنتے ہی دہشت زدہ ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کتاب کی زبان بہت ہی آسان ہے اور معمولی غور وفکر کے بعد مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف علماء نے مختلف ترجمے کئے ہیں۔

۱۔ آیات اللہ الکاملہ — از مولوی خلیل احمد صاحب اسرائیلی' بغیر متن عربی

۲۔ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ — از محمد شبیر صاحب' بغیر متن عربی۔

۳۔ شموس البالغہ — از عبدالحق صاحب ہزاروی مطبوعہ لاہور' متن عربی

۴۔ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ — از مولانا عبدالرحیم مطبوعہ لاہور' بغیر متن عربی۔

۵۔ نعمۃ اللہ السابغہ — از محمد عبدالحق حقانی' مطبوعہ مطبع رحمانی پٹنہ بغیر متن

۶۔ اصح المطابع کراچی مع عربی متن۔

۷۔ حجۃ اللہ البالغہ — ترجمہ مولانا اسماعیل گودھروی

۹. ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

یہ شاہ صاحب کی دوسری شہرہ آفاق تصنیف ہے اس میں آپ نے خلفائے راشدین کی خلافت آیات واحادیث اور تاریخ سے دلائل وبراہین دیکر حق ثابت کی ہے اور شیعہ وسنی کے باہمی نزاعات واختلافات کو نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حل کیا ہے یہ فارسی زبان میں ہے مطبع صدیقی بریلی سے شائع ہو چکی ہے اب اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہو رہی

WWW.KITAABISTAN.COM

ہے یہ کتاب کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے۔

۱۰. التفہیمات الالٰہیۃ

شاہ صاحب سماجی آدمی تھے معاشرے کے دکھ درد سے آشنا تھے آپ نے اس کتاب میں معاشرے کے ہر طبقہ کو مخاطب کرکے اصلاح پر ابھارا ہے اور اس میں تصوف و سلوک کی باتیں بھی ہیں۔ بعض مقالات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں پوری کتاب دو جلدوں میں ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل گجرات کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے۔

۱۱. الخیر الکثیر

تصوف اور علم اسرار وحکم میں ایک معیاری کتاب ہے یہ بھی مجلس علمی ڈابھیل گجرات سے شائع ہوئی ہے اصل کتاب عربی زبان میں ہے اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔ لاہور سے بھی مکی دارالکتب نے شائع کی ہے۔

۱۲. فیوض الحرمین

قیام حرمین شریفین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب والقاء شاہ صاحب کو حاصل ہوئے یہ ان ہی کا مجموعہ ہے اصل عربی زبان میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہوا ہے۔

۱۳. الانصاف فی بیان سبب الاختلاف

اس کتاب میں فقہی اختلافات کے اسباب پر محققانہ بحث کی گئی ہے اور ہر طبقہ کی افراط وتفریط پر تنقید کی گئی ہے نہایت مفید کتاب ہے اور ترجمہ کے ساتھ بھی کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۴. عقد الجید فی بیان احکام الاجتہاد و التقلید

اس عربی رسالہ میں شاہ صاحب نے اجتہاد وتقلید کے مسائل پر نہایت محققانہ اور منصفانہ بحث کی ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع بھی ہو چکا ہے۔

۱۵. البلاغ المبین

رسالہ رد بدعت وشرک اور دعوت توحید پر مشتمل ہے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی شائع ہوا ہے۔

۱۶. قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین

تفضیل شیخین کے متعلق فارسی زبان میں اہم رسالہ ہے۔

۱۷. انسان العین فی مشائخ الحرمین

یہ رسالہ شاہ صاحب کے عربی شیوخ واساتذہ کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔

۱۸. الدر الثمین فی مبشرات النبیؐ الامین

شاہ صاحب نے اس رسالہ میں ان بشارتوں کا ذکر کیا ہے جو آپ کو اور آپ کے نسبی یا روحانی بزرگوں کو نبی اکرم ﷺ سے ہوئیں یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔

۱۹. انفاس العارفین

شاہ صاحب اس کتاب میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے خاندانی بزرگوں کے حالات وواقعات بیان کئے ہیں اصل کتاب فارسی میں ہے اور ترجمہ بھی دستیاب ہے اس میں بعض ابواب الحاقی ہیں۔

۲۰. القول الجمیل

یہ رسالہ وظائف واذکار اور طریقت کے چاروں سلسلوں کے بیان پر مشتمل ہے اصلاً عربی میں ہے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۲۱. الطاف القدس

شاہ صاحب نے اس رسالہ میں تصوف وسلوک کا وہ طریقہ تحریر فرمایا ہے جو آپ کے خیال میں انسب اور زمانہ حاضر میں قابل عمل ہے فارسی زبان میں ہے۔

۲۲. ہمعات

یہ بھی تصوف سے متعلق رسالہ ہے۔

۲۳. سرور المحزون فی ترجمۃ نور العین

یہ سیرت نبویؐ پر بہترین کتاب ہے اصلاً فارسی میں ہے اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۲۴. مکتوبات مع مناقب امام بخاری و ابن تیمیۃ

شاہ صاحب کے چند مکاتیب اور امام بخاری اور علامہ ابن تیمیہ کے حالات پر دو مختصر رسائل کا مجموعہ ہے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۲۵. مکتوبات المعارف مع مکاتیب ثلثۃ

شاہ صاحب کے متفرق مکاتیب کا مجموعہ ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

۲۶. الجزء اللطيف فى ترجمة العبد الضعيف

شاہ صاحب نے فارسی میں آپ بیتی تحریر فرمائی ہے۔

۲۷. المقالة الوضية فى النصيحة والوصية

فارسی زبان میں مختصر پندنامہ ہے اپنے صاحبزادوں' دوستوں' شاگردوں اور عقیدت مندوں کو نصیحتیں فرمائی ہیں۔

۲۸۔ چہل حدیث

اس رسالہ میں شاہ صاحب نے وہ احادیث جمع کردی ہیں جو اسلام کے بنیادی اصول سے متعلق ہیں اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

۲۹. اطيب النغم

شاہ صاحب عربی کے بہترین شاعر بھی تھے یہ آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے ان کے علاوہ بھی چند رسائل وکتب حسب ذیل ہیں۔

۳۰. الزهرادين

۳۱. شفاء القلوب

۳۲. الهواصع شرح حزب البحر

۳۳. لمعات

۳۴. سطعات

۳۵. المسلسلات

۳۶. الذكر الميمون

۳۷. السرالمكتوم

۳۸. اعراب القرآن

۳۹. الفض المبين فى المسلسل من حديث النبى الامينؐ

۴۰. العقيدة الحسنة

۴۱. المقدمة السنية فى انتصار الفرقة السنية

۴۲. شرح رباعيتين

۴۳. العطية الصمدية

۴۴. فتح الودودفى معرفة الجنود

۴۵. الارشادالى مهمات الاسناد

۴۶. رسائل اوائل

۴۷. تراجم البخارى

۴۸. مايجب حفظ للناظر

۴۹. ماثر الا جداد

۵۰. رساله دانشمندى

۵۱. الانتباه فى سلاسل اولياء الله

۵۲. رسائل تفهيمات

۵۳. النوادرمن احاديث سيد الاوائل والاواخر

آپ کی زیادہ تر تصانیف امتدادزمانہ کے باعث ضائع ہو چکی ہیں اور بہت سی ایسی تصانیف ہیں جو اگرچہ معلوم نہیں ہوئی ہیں لیکن اب تک کتب خانوں اور لائبریوں کی زینت ہیں۔

شعروشاعری

شاہ صاحب اپنے تمام علمی وروحانی کمالات کے ساتھ شعروشاعری کے میدان کے بھی کامیاب شہسوار تھے اور فارسی اور عربی کے مایہ ناز شاعر تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی غزلوں اور رباعیوں کا ایک عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے۔

آپ کا تخلص امین تھا۔ آپ کی اکثر غزلوں اور رباعیوں میں تصوف ومعرفت کے مضامین ہوتے ہیں۔

بطور نمونہ چند رباعیاں پیش ہیں۔

بہ زلفِ پیچ در پیچ کے گم کردہ ام خودرا   خروشِ دردِ دل شبہائی کردم چہ کردم
دلے پردرد' جان فگار' یار تند خودارم   جہاں را پر زیا ریہائی کردم چہ کردم

عربی نظم میں ''اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم'' کے نام سے نبی اکرم ﷺ کی مدح ونعت میں ایک طویل قصیدہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

WWW.KITABISTAN.COM

كان نجوماً اور معنت في الغياهب

عُيونُ الافاعي اور وئوس العقارب

مجددامت:

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حقیقی طور پر بارہویں صدی کے مانے ہوئے مجدد تھے۔ آپ کے اندر مجدد ہونے کی تمام ضروری شرائط بدرجہ اتم موجود تھیں جیسا کہ شاہ صاحب نے ”تفہیمات الہیہ“ میں خود تحریر فرمایا ہے۔

”جب میرا دورہ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت مجددیت پہنائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (وتطبیق) کا علوم کرلیا“

شاہ صاحب نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:

مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانہ کا مجدد، وصی اور قطب ہوں اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا ہو جائے گی اور ہندوستان میں آج جو اسلامی سرمایہ اپنے صحیح انداز میں موجود ہے وہ بلاشبہ شاہ صاحب جیسے مجدد دین ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اگر شاہ صاحب کا وجود نہ ہوتا تو بظاہر اسلامی فلسفہ کو ایرانی اور ہندو فلسفہ نگل گیا ہوتا اور صحیح اسلام اور اسلامی فلسفہ کہیں ڈھونڈے بھی نہ ملتا شاہ صاحب نے اپنے تجدیدی واصلاحی کام کا جو دائرہ کار متعین فرمایا تھا اس کو ان دس حصوں یا شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ جہاد بالقرآن ۲۔ اشاعت سنت ۳۔ رد بدعت ۴۔ اصلاح عقائد و معاشرت ۵۔ حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف ۶۔ اخلاقی تربیت کا مسنون طریقہ کار ۷۔ فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین ۸۔ شریعت اسلامیہ کا بطور ایک مکمل نظام حیات کے عقلی اور استدلالی تعارف ۹۔ اسلامی اجتماعیت اور خلافت کی تشریح ۱۰۔ اس وقت کی مسلم حکومت کو اخلاقی زوال اور سیاسی انتشار سے بچانے کی منظم جدوجہد۔

جس میں سے ہر شعبہ اپنے اندر اتنی وسعت اور گہرائی رکھتا ہے کہ ہر شعبہ کے لیے ایک مستقل جماعت درکار ہے مگر یہ شاہ صاحب کی تجدیدی صلاحیت ہی تھی کہ ان تمام شعبوں میں تن تنہا کام کرکے اپنے جانشینوں کے لیے راہ عمل تجویز فرما گئے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں نے بڑی سے بڑی حد تک کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا یہ ہے بارہویں صدی کے مجدد

WWW.KITABISTAN.COM

کا تجدیدی منصوبہ جسے وہ بروئے کار لائے۔

وفات:

اس طرح جب شاہ صاحب اپنے تجدیدی فرائض کو باحسن وجوانجام دیئے اور اپنے پیچھے ایک جماعت بھی کارہائے تجدید سنبھالنے کے لیے تیار کردی تو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ۔ ۱۷۶۳ء کو اس دار فانی کو خیر باد کہا اور جان جاں آفریں کے سپرد فرمادی اور والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے پہلو میں آرام فرما ہو گئے گویا آپ کو ان کارہائے تجدید کے لیے خداوند نے اس دنیا میں بھیجا تھا۔

ارباب چمن مجھ کو بہت یاد کریں گے
ہر شاخ پر اپنا ہی نشاں چھوڑ دیا ہے

حضرت شاہ صاحب کے مزار پر یہ لوح لگی ہے۔

مرقد

حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ابن حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ

تاریخ پیدائش ۴ شوال المکرم ۱۱۱۴ھ بروز بدھ

تاریخ وفات ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ بروز ہفتہ مطابق ۲۰ اگست ۱۷۶۳ء بوقت ظہر بعمر ۶۲ سال رحلت نمود (بزمانہ شاہ عالم ثانی)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور تعلیم و تکمیل:

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ پنجشنبہ کی رات ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ ۱۴ اکتوبر ۱۷۷۶ء میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے۔

والد محترم نے آپ کا نام عبدالعزیز تجویز فرمایا اور جب تاریخی نام کی تلاش کی تو خداوند تعالیٰ نے ''عظیم حلیم'' القاء فرمایا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب پانچ ہی برس کے تھے کہ قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور جلد ہی حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو کر فارسی زبان کی تعلیم شروع کر دی۔ اور تھوڑی ہی مدت میں نہ صرف یہ کہ فارسی زبان سیکھ لی بلکہ ادب فارسی پر زبردست عبور حاصل کر کے فارسی زبان کے ایک ماہر اور قادر الکلام ادیب بن گئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اکثر و بیشتر علوم اپنے جلیل القدر والد ماجد شاہ ولی اللہ محدثؒ سے حاصل کیے۔ ابھی شاہ عبدالعزیز صاحب کے علوم و فنون تشنۂ تکمیل ہی تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ جبکہ شاہ صاحب عمر کے ابتدائی حصہ میں تھے اور اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۶ برس کی ہوگی۔ اول تو اس کچی عمر میں سایہ پدری سے محرومی خود سانحہ عظیمہ ہے۔ مگر آپ کے لیے اس حادثہ فاجعہ میں مزید شدت اس لیے پیدا ہوگئی کہ گھر کے سب سے بڑے ہونے کے سبب گھر کی تمام تر ذمہ داری کا بوجھ اس ننھی سی جان پر آ پڑا مزید براں اپنی تعلیم کے ساتھ تین چھوٹے بھائیوں کی تربیت و پرورش کا بار بھی آپ پر آ گیا۔ کیونکہ والد صاحبؒ کے انتقال کے وقت شاہ رفیع الدین صرف ۱۳ برس کے شاہ عبدالقادر ۹ برس کے اور شاہ عبدالغنی ۵ برس کے تھے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر بھی نو عمر اور ننھے منے بچوں کو تن تنہا چھوڑ کر چلا جانا بڑا شاق گزر رہا تھا۔

لہٰذا جب آپ کو اپنے مکاشفہ یا بیماری کی نوعیت سے اندازہ ہوا کہ سفر آخرت قریب ہے تو ان نونہالوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے بارے میں متفکر ہو کر بتقاضائے بشریت بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ:

''الٰہی میرے بچے چھوٹے ہیں ان کا کیا ہوگا؟ جس کا جواب بارگاہ صمدیت سے فوراً ملنا ہی تھا لہٰذا بواسطہ سید الانبیاء ﷺ آپ کو جواب دیا گیا اور حضور اکرم ﷺ نے خواب میں تشریف لا کر فرمایا' ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) یہ بچے تیرے نہیں ہمارے ہیں پھر تو فکر کیوں کرتا ہے؟''

اس جواب ایزدی پر شاہ صاحب کا مطمئن ہونا یقینی ہی تھا لہٰذا یہ اللہ کا ولی اپنے چاروں نونہالوں کو مولائے کریم کی حفاظت میں دے کر باطمینان تام اس دنیا سے رخصت ہوا۔ ادھر تائید غیبی نے ان ماہ پاروں کی دستگیری شروع فرمائی اور اللہ رب العزت نے اپنے آغوش رحمت میں اس طرح پروان چڑھایا کہ ان میں سے ہر ایک آفتاب و ماہتاب علم و عرفان بن کر افق عالم پر اس طرح چمکا کہ صدیاں گزرنے پر بھی ان کی ضیاء پاشیوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور آج بھی تمام عالم اسلام کے علمائے کرام اور خصوصاً علماء ہند و پاک ان کے انوار علوم سے اکتساب نور کرنے پر مجبور ہیں اور اس کا نظم خداوند تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے تکمیل علم کے لیے نادرۂ روزگار اور ماہران علم حدیث و قرآن اور صاحب نسبت ماہران طریقت تین شخصیتوں' شیخ نور اللہ بڈھانویؒ۔ شیخ محمد امین کشمیریؒ اور شاہ محمد عاشق بن شاہ محمد پھلتیؒ کو منتخب فرمایا جن میں شاہ محمد عاشق صاحب تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے بھی خصوصی تربیت یافتہ اور شاہ ولی اللہ کے محرم راز حضرات میں سے تھے۔ تو یہ حضرات حضرت شاہ عبدالعزیز پر جتنی بھی توجہ کرتے کم تھا لہٰذا ان تینوں حضرات نے شاہ عبدالعزیز کے سینے کو علوم نبوت سے معمور کرنے میں پوری پوری سعی بلیغ فرمائی اور ادھر شاہ صاحب نے بھی استفادہ اور اکتساب فیض کی جد و جہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ان اکابر کے فیوض علمیہ و روحانیہ سے بھرپور استفادہ فرمایا اور حدیث' تفسیر' فقہ' اصول فقہ' کلام' منطق' فلسفہ اور شعر و ادب میں غرض کہ تمام علوم دینیہ و عصریہ میں ممتاز حیثیت اختیار فرمائی۔ اور خصوصیت کے ساتھ فن حدیث جس سے خاندانی حیثیت سے قلبی لگاؤ تھا۔ خصوصی مہارت حاصل کر لی اور محدث جلیل

WWW.KITAABISTAN.COM

نواب صدیق حسن خان قنوجی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ استاد الاساتذہ' امام نقاد' بقیۃ السلف' حجۃ خلف اور دیار ہند کے خاتم مفسرین ومحدثین تھے اور اپنے وقت میں علماء اور مشائخ کے مرجع تھے۔ تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنون عقلیہ ہوں یا نقلیہ' ان کو جو دستگاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ کثرت حفظ وعلم' خوابوں کی تعبیر سلیقہ وعظ' انشاء پردازی' تحقیقات نفائس علوم مذاکرہ اور مخالفوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ اپنے معاصرین سے ممتاز تھے۔ (اتحاف النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہا والمحدثین ص ۲۹۶)

نیز مولانا سید عبدالحئی صاحب لکھنوی تحریر فرماتے ہیں۔

"مرحوم اپنے علم وفضل' آداب' ذکاوت' ذہانت' فہم وفراست اور سرعت حافظہ میں عالم کے اندر یگانہ روزگار علماء میں سے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے درس وتدریس میں مصروف ہوئے درس دیا اور فیض پہنچایا یہاں تک کہ ہندوستان میں یکتا عالم ہو گئے۔ اور فضلا نے ان سے اکتساب کمال کیا بیشتر مقامات سے طلبہ محض ان سے پڑھنے کے لیے آئے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے پیاسہ پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔" (نزہۃ الخواطر ص ۲۶۸)

صاحب وقائع عبدالقادر خانی لکھتے ہیں کہ:

"مولانا شاہ عبدالعزیزؒ علم تفسیر' حدیث' فقہ' سیرت اور تاریخ میں شہرہ آفاق تھے اور علم ہیئت' ہندسہ' مجسطی' مناظر اصطرلاب جر ثقیل' طبعیات' منطق' مناظرہ' اتفاق واختلاف ملل ونحل' قیافہ تاویل' تطبیق مختلف' اور تفریق مشتبہ میں یکتائے روزگار تھے۔

فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون' ارسطو اور متکلمین میں سے فخر الدین رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔ (علم وعمل (وقائع عبدالقدر خانی) ج ا ص ۲۴۶)

شاہ ولی اللہؒ کی جانشینی:

چونکہ آپ بڑے صاحبزادے ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے صاحب علم وفضل بھی

تھے اور حضرت شاہ ولی اللہ کی جانشینی کی اہلیت وصلاحیت آپ کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی تھی اور آپ کے روشن کارناموں نے ثابت بھی کر دیا کہ اس دور میں اگر شاہ ولی اللہ کی جانشینی کا کوئی اہل ہو سکتا ہے تو صرف شاہ عبدالعزیز ہی ہیں۔ لہٰذا خویش وبیگانہ سب نے مل کر مسند خلافت پر متمکن کر دیا اس طرح شاہ عبدالعزیز ۲۵ برس کی عمر میں ہی اپنے والد محترم کی خالی مسند درس وتدریس پر رونق افروز ہو گئے اور چونکہ آپ بھی والد محترم کی طرح جامع الحیثیات والجہات انسان تھے اس وجہ سے اپنے والد کے انداز درس وتدریس اور تعلیم وتربیت کے طرز پر سلسلہ تدریس وتربیت اخلاق جاری فرما کر بڑی حد تک والد کی کمی کو پُر کر دیا اور بہت جلد شاہ صاحب کی علمی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور اطراف عالم کے تشنگان علم وفن والہانہ انداز سے شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس میں حاضر ہو کر والی الٰہی علوم وفنون سے مستفیض ہونے لگے اور بہت ہی قلیل مدت میں شاہ صاحب کے علوم سے مستفیدین اور عرفان باطن سے معمور تلامذہ اور مجازین پورے عالم اسلام میں خصوصاً پورے غیر منقسم ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور اس ہندوستان میں کوئی ایسی جگہ باقی نہیں رہی جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور مرید سے خالی ہو۔

مولانا سندھیؒ نے شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک میں لکھا ہے کہ:

"اس زمانہ کے ایک عالم دین نے اس لیے ملک کی سیاحت کی کہ اسے علم حدیث کا کوئی ایسا استاد ملے جو شاہ عبدالعزیز کا شاگرد نہ ہو مگر پورے ہندوستان میں اسے ایک مدرس بھی ایسا نہیں ملا"

مولانا سندھی کا خیال ہے کہ شاہ ولی اللہ کے خواص سے اگر دس آدمیوں نے استفادہ کیا تو شاہ عبدالعزیز کے خواص سے دس ہزار مستفید ہوئے۔

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی نے لکھا ہے کہ:

"وہ (عبدالعزیز محدث) کمال اور شہرت کے ایسے مقام کو پہنچے کہ تم دیکھتے ہو کہ لوگ اہل ہند میں اپنا ان سے انتساب کرنا فخر سمجھتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ایسے رشتے میں منسلک کرتے ہیں جو ان کے شاگردوں پر منتہی ہوتا ہے قابل فخر خیال کرتے ہیں" (الیانع الجنی ص ۱۱۷)

WWW.KITAABISTAN.COM

چند نامور تلامذہ:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سامنے جن بڑے بڑے علماء فضلاء اور مشائخ طریقت نے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ان میں حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ، امام المفسرین شاہ عبدالقادرؒ حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ امام العلماء مولانا رشید الدین دہلویؒ مولانا عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانویؒ مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سید قمرالدین سونی پتیؒ، حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ (خلیفہ مرزا مظہر جان جاناںؒ شہید) مولانا سید قطب الہدیٰ بن مولانا محمد واضح رائے بریلوی، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلویؒ مولانا امام الدین دہلویؒ مولانا صدر علی رامپوریؒ مولانا حیدر علی فیض آبادی اور سید طائفۃ الاولیاء حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی (پیرومرشد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ)

تقریر وخطابت:

شاہ صاحب ایک بہترین محدث اور عمدہ مفسر وماہر علوم عقلیہ ونقلیہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے ممتاز خطیب اور مقرر بھی تھے۔ آپ کی شعلہ بار تقریر اس شان کی ہوا کرتی تھی کہ بڑے بڑے سنگدل موم ہوجاتے تھے۔ شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں ہر مذہب وملت کے لوگ جوق در جوق شریک ہوتے اور آپ کا طرز استدلال ایسا ہوتا تھا کہ سخت سے سخت کڑ متعصب کو بھی تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا تھا۔

مولانا رحیم بخش دہلوی کا بیان ہے کہ:

’’ہفتہ میں دوبار منگل اور جمعہ کو کوچہ چیلان (دہلی) میں مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی جس میں خواص عوام مور وملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے۔ آپ کی معجزانہ تقریر میں وہ اثر ہوتا کہ مخالفین گھروں سے اعتراض کا ارادہ کر کے چلتے لیکن وہاں بجز سکوت وتسلیم کے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ آپ کا طرز بیان ایسا عجیب تھا کہ ہر مذہب وملت کا آدمی مجلس سے خوش ہوکر اٹھتا تھا اور آپ کی کوئی بات کسی پر گراں نہیں گزرتی تھی۔ آپ کو خلق خدا کی خدمت کا خیال ہر وقت رہتا تھا انتہا یہ کہ زیادتی مرض کے زمانہ میں جب وعظ کا دن آیا تو آپ نے دوسروں کے سہارے بیٹھ کر وعظ شروع کیا۔ تقریر شروع ہوئی تو آپ نے سہارا دینے والوں کو

بھی الگ کر دیا اور حسب معمول تقریر فرماتے رہے لب ولہجہ سے کمزوری اور ناتوانی کے آثار نمایاں تھے مگر استقلال ایسے ہی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا۔ (حیات ولی ص ۱۰۰)

موذی امراض:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہ ابھی ۲۵ برس ہی کے ہوئے تھے کہ آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا۔ جن کے سبب آپ جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی۔ ملفوضات میں ہے کہ شاہ صاحب کو بائیس قسم کے خوفناک امراض لاحق تھے مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے امیر شاہ خان صاحب سے نقل کیا ہے کہ:

’’دو دفعہ روافض نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو زہر دیا اور چھپکلی کا ابٹن ملوایا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص کا مرض ہو گیا تھا‘‘ (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۲۶۵)

انہیں امراض موذیہ میں عدم اشتہاء کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی روز کسی چیز کے چکھنے کی بھی نوبت نہ آتی اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی شاہ صاحبؒ نے خود ’’مناقب حیدریہ‘‘ کی تقریظ میں لکھا ہے کہ:

’’اس تقریظ میں کوتاہی کے لیے معذرت خواہ ہوں جو اعذار اور امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہوگئی ہے اور کھانے کی نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے۔ ایسا غالباً پت کے غلبہ کے سبب ہے قویٰ مضمحل ہوگئے حواس میں فرق آ گیا اعضاء کمزور پڑ گئے ہڈیاں اور داڑھیں بھی کمزور ہوگئیں‘‘

امیر حیدر بن نور الحسین بلگرامی صاحب کو حضرت نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں رقمطراز ہیں۔

’’اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں تو وہ بہت خراب ہے۔ اور صبح وشام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے اور اسے ظاہری وباطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں قرار وسکون چھن گیا ہے اور قلق واضطراب بڑھ گیا ہے۔ اور یہ سب ایسے امراض کے سبب ہے جس میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور غمزدہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ جیسے بواسیر معدہ اور آنتوں میں ریاح کا رکنا، اس حد تک فقدان اشتہاء کہ کئی کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی۔ بخارات، جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہوجاتی ہے یہ جب دماغ کی

WWW.KITABISTAN.COM

جانب پہنچتے ہیں تو تکلیف وہ دردسر شروع ہو جاتا ہے جو ہاون دستہ کے ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ وھو المستعان یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی۔ چہ جائیکہ کوئی کتاب املاء کر سکے یا کوئی پیغام لکھوا سکے۔'' (تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۵۰)

ذوق، شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں:

شاہ عبدالعزیز محدث ان ''خوفناک امراض'' میں مبتلا ہونے کے باوجود دینی و علمی محفلوں میں برابر شریک ہوتے اور علمی، فقہی، تفسیری اور ادبی گتھیوں کو سلجھاتے۔ شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں نہ صرف دینی طبقہ ہی شامل ہوتا تھا بلکہ بڑے بڑے شعراء اور ادیب بھی شریک ہو کر زبان اور محاورے سیکھتے تھے۔

ناصر نذیر صاحب فراق نے اپنی کتاب ''لال قلعہ کی ایک جھلک'' میں لکھا ہے۔

''کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی، اکبر شاہ ثانی اور ابوظفر بہادر شاہ اور شیخ ابراہیم ذوق کے استاد تھے۔ جب شاہ نصیر صاحب کا ذوق سے دل کھٹا ہو گیا اور انہوں نے اصلاح موقوف کر دی تو ذوق ہر جمعہ کو مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ میں جانے لگے۔ اور وعظ بہت غور سے سننے لگے۔ کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوق نے کہا استاد مجھ گناہ گار سے ناخوش ہو گئے۔ شعر و سخن میں اصلاح ملتی نہیں اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے کیونکہ شاہ عبدالعزیز صاحب اردو زبان دانی میں شاہ نصیر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں اور اردو کے محاورے روزمرہ یاد کرتا ہوں''

حاضر جوابی:

شاہ عبدالعزیز صاحب بڑے باغ و بہار، خوش طبع، خوش گفتار، ہشاش بشاش اور حاضر جواب انسان تھے شیخ محمد اکرام نے شاہ صاحب کا ایک بڑا ہی دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ۔

''ایک دفعہ ایک پادری صاحب شاہ صاحب کی خدمت میں آئے اور سوال کیا کہ آپ کے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں' وہ کہنے لگے تو پھر انہوں نے بوقت قتل امام حسین فریاد نہ کی۔ یا یہ فریاد سنی نہ گئی؟ شاہ صاحب نے کہا کہ نبی صاحب نے فریاد تو کی لیکن

انہیں نے جواب آیا کہ تمہارے نواسے کو قوم نے ظلم سے شہید کیا ہے لیکن ہمیں اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰؑ کا صلیب پر چڑھنا یاد آ رہا ہے'' (رودِ کوثر ص ۵۹۰)

ذہانت و ذکاوت:

شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی ذہانت و ذکاوت اور عبقریت میں فرد یگانہ تھے۔ آپ کی تبحر علمی اور عبقریت کے بے شمار واقعات ہیں ان تمام واقعات کا ذکر یہاں ممکن نہیں ہے۔ البتہ ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت تھانوی بیان فرماتے ہیں کہ:

''مولانا فضل خیر آبادیؒ اور مولانا صدر الدین صاحبؒ جو علوم عقلیات، فلسفہ منطق وغیرہ کے بڑے امام مانے جاتے تھے اور دونوں عربی ادب کے بھی ماہر ادیب تھے۔ ایک مرتبہ ان دونوں نے ارادہ کیا کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے علم و فضل کا بڑا چرچا ہے۔ چلو ذرا امتحان کریں کتنا اور کیسا علم رکھتے ہیں۔ راستے میں دونوں نے عربی زبان میں دو قصیدے لکھے اور آزمائش کے لیے آپس میں یہ قصیدے باہم بدل لئے ایک کا قصیدہ دوسرے نے لے لیا''

حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے حضرت ہم نے کچھ بکا ہے ذرا اس کو سن لیجئے۔ حضرت نے فرمایا سنایئے دونوں نے یہ دو قصیدے پڑھ کر سنائے حضرت شاہ صاحب خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ان دونوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اشارے کئے کہ بڑے میاں کچھ سمجھے ہی نہیں بولتے کیا پھر عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان قصیدوں کے متعلق کچھ فرمایا ہی نہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ کچھ کہہ دوں گا مگر پہلے تو یہ بتلاؤ کہ قصیدوں میں تبدیلی کہاں اور کیوں ہوئی اب تو انہوں نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا کہ میں نے آپ دونوں کی گفتگو اور طرز کلام سے دونوں کے مزاج و مذاق کا جو اندازہ لگایا تھا ان قصیدوں کو اس سے مختلف پایا اس سے اندازہ ہوا کہ ان میں تبدیلی ہوگئی ہے اس کے بعد قصیدوں کے ایک ایک شعر پر اصلاح کے لیے فرمانا شروع کیا تو کوئی شعر بغیر اصلاح کے لیے نہیں چھوڑا۔ (مجالس حکیم الامت ص ۱۲۶)

WWW.KITAABISTAN.COM

شاہ صاحب کا استغناء اور بزرگانہ رعب:

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ غیور انسان تھے آپ کی جلالت شان اور قدرتی ہیبت کی بناء پر بڑے بڑے امراء و سلاطین بھی مرعوب رہتے تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ خاندان ولی اللہی نے کبھی کوئی شاہی منصب یا جاگیر منظور نہیں کی البتہ خاندان ولی اللہی نے اپنے عہد کے امراء و سلاطین کو خیرخواہانہ اور مخلصانہ مشورہ ضرور دیئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ نے اپنے عہد کے بے راہ رو بادشاہوں اور وزیروں کو متنبہ کیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اس ولی اللہی سنت کو قائم رکھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ شاہزادے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور پاؤں دبانے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ملفوظات عزیزی میں ہے کہ اگر برسر راہ نوابوں اور امراء میں سے کوئی مل جاتا تو وہ خود سواری سے اتر کر مصافحہ اور مزاج پرسی کرنے کی اپنی سعادت جانتا تھا اور کہیں اتفاقاً بادشاہ سے بھی ملاقات ہوجاتی تھی تو وہ بھی پورے احترام کے ساتھ مصافحہ کرتے۔

دوسری طرف شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی سیرچشمی وقناعت کا یہ عالم تھا کہ کسی شاہی عطیہ کا قبول کرنا تو درکنار بادشاہوں اور امراء کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ کچھ پیش کریں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے پیش کش نظر حقارت سے مسترد کردی جائے گی۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

ایسٹ انڈیا کمپنی اور شاہ عبدالعزیز کا انتباہ:

انگریز ہندوستان میں تاجر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے ۱۱ جنوری ۱۶۱۳ء میں جہانگیر نے فرمان شاہی کے ذریعہ انہیں گجرات میں تجارتی مراکز قائم کرنے کی اجازت دی۔ شاہجہان نے بھی ان کے ساتھ رعایت کا ہی معاملہ روا رکھا۔ اورنگ زیب عالمگیر نے محسوس کیا کہ ان کا قیام یہاں ملک کے لیے ضرر رساں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عہد حکومت میں ان کی آمد و رفت پر پابندی عائد کی۔ عالمگیر کی وفات کی بعد نالائق اور نااہل حکمرانوں کا سلسلہ

شروع ہوگیا۔ اور انہوں نے خانہ جنگی شروع کردی بداندیش مسلم حکمرانوں کی آپسی خلفشار و خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر انگریزوں نے پھر دوبارہ ہندوستان میں آمدورفت کا سلسلہ شروع کردیا اب کون تھا جو ان پر پابندی عائد کرتا۔

لہٰذا اس چھوٹ سے انگریزوں کو ہندوستان میں قدم جمانے کا موقع مل گیا اور انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ایک تجارتی ادارہ کی بنیاد ڈالی اور اس کی آڑ میں ملک کے مختلف حصوں پر اپنی حکومتیں قائم کرنی شروع کردی اور رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کرلیا اور اس کے ساتھ عسائیت کی ترویج بھی شروع کردی اور دوسری طرف دینی مدارس کو تباہ و برباد کرنے کی مہم تیز کرکے اپنے مشنری اسکول قائم کرنے شروع کردیئے۔ جو نام کے لیے تو علوم عصریہ کے اسکول تھے مگر درحقیقت وہ تبلیغ عیسائیت کے مراکز اور تعلیمات اسلامی کو مٹانے کے اڈے تھے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ان اسکولوں میں اس قسم کے سوالات پوچھے جاتے تھے کہ تمہاری شفاعت کون کرے گا؟ اس کا صحیح جواب بھی متعین ہوتا کہ عیسیٰ ابن مریم اگر جواب ذرا مختلف ہوا تو نمبر صفر ہوتا۔

اسی طرح پوچھا جاتا کہ تمہارا خدا کون ہے؟ اور اس کا جواب بھی متعین ہوتا' یسوع مسیح'! ادھر بدقسمتی سے شاہ عالم بھی انگریزوں کا وظیفہ خوار بن چکا تھا اور اس کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی اور یہ نعرہ انگریزوں کی طرف سے برسرعام بلند ہونے لگا کہ۔

"حکومت شاہ عالم از دہلی تا پالم اور ملک بادشاہ سلامت کا حکم کمپنی بہادر کا"

تو امام انقلاب سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کے خلاف شاہجہانی جامع مسجد دہلی سے آواز بلند کی کہ:

"آج سے یہ ملک دارالحرب ہوگیا ان غاصبوں کے خلاف جہاد کرنا ہمارا فریضہ ہے"

شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ:

فتویٰ کی عبارت یہ ہے۔

اس شہر (دہلی) میں مسلمانوں کیا امام کا حکم بالکل جاری نہیں بلکہ عیسائی سرداروں کا حکم بے تکلف جاری ہے اس لئے کہ مساجد کو بے جھجک منہدم کردیتے ہیں اور کوئی مسلم یا غیر

مسلم ان کی اجازت اور پناہ کے بغیر اس شہر میں اور اس کے اطراف میں آ نہیں سکتا' اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کی حکومت پھیلی ہوئی ہے۔

فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

اپنے اس فتویٰ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے ''دارالحرب'' ہونے کی دلیل بھی نقل فرمائی ہے۔

''کافی'' میں ہے کہ دارالسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہوتا ہو اور جو اس کے ماتحت ہو اور ''دارالحرب'' سے مراد وہ آبادی جس پر اس شہر کے (غیر مسلم) حکمرانوں کا حکم جاری ہو اور اس کے غلبہ وتسلط میں ہو۔

پھر حضرت شاہ صاحب نے کفار کے احکام کے جاری ہونے کا مفہوم بیان فرمایا ہے اور اسے ہندوستان پر منطبق کیا ہے تحریر فرماتے ہیں۔

احادیث اور سیرت صحابہؓ اور خلفاء عظامؓ کے تتبع سے یہی مفہوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں ملک بنی یربوع کو دارالحرب کا حکم دیا گیا حالانکہ وہاں جمعہ' عیدین اور اذان تھی۔ فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۷

شاہ عبدالعزیز صاحب انگریزوں کی فتنہ پردازیوں' شورشوں اور توسیع پسندیوں سے کس قدر پریشان اور مضطرب تھے اس کا اندازہ کرنے کے لیے حضرت کا یہ شعر کافی ہے۔

وانی آری الا فرنج اصحاب ثروة

لقد افسدوا مابین دهلی و کابل

میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں دیکھتا ہوں کہ انہوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے۔

اسی کرب واضطراب کا اثر تھا کہ شاہ صاحب اس فتویٰ کے ذریعہ مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انگریزوں کے خلاف صف آرا کرنے پر مجبور ہوئے تاکہ مسلمان صف بستہ ہو کر اپنے وطن عزیز کو آزاد کرائیں اور ہندوستان کی تمام قوموں اور خصوصاً مسلمانوں کے شعائر کو تباہی سے بچائیں' مگر انگریز قوم چونکہ انتہائی چالاک اور عیار ہے۔ اس نے اس فتویٰ کو بے اثر کرنے کے لیے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یہ فتویٰ جہاد کا فتویٰ ہے اور جہاد تمام کافروں کے

خلاف جنگ کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا اس فتویٰ کی زد جس طرح انگریزوں پر پڑے گی اس سے زیادہ اس فتویٰ سے ہندوستان کے غیر مسلم متاثر ہوں گے۔ اور اس پروپیگنڈے سے کچھ بھولے بھالے برادران وطن متاثر بھی ہوئے اور آج کے آزاد ہندوستان میں تو وطن دشمن طاقتیں اس پروپیگنڈے کو خوب ہوا دے رہی ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو اس وقت بھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ صرف انگریزوں کے خلاف تھا۔ ہندوؤں اور سکھوں سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا جیسا کہ میرے کرم فرما پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب صراحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

''انہوں (شاہ عبدالعزیز صاحب) نے کسی مرحلہ پر نہ ہندوؤں کے خلاف کوئی لفظ کہا اور نہ سکھوں کے خلاف ان کا روئے سخن قطعاً انگریزوں کے خلاف تھا۔ ان کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے کلکتہ میں دس ہزار انگریزوں کے سامنے قرآن پاک کی چند آیات کی تفسیر بیان کی اور ایک لفظ ہندوستان کی اکثریت کے خلاف نہیں کہا یہی بات بہادر شاہ ظفر نے بھی کہی تھی کہ۔

''ہمارا جہاد انگریزوں کے خلاف ہے ہندوؤں کے خلاف نہیں'' (ماہنامہ ذکر وفکر رحمت اللہ کیرانوی نمبر ص ۱۰)

آزاد ہندوستان دارالامن ہے:

ہندوستان علماء کے فتویٰ کے مطابق دارالامن ہے اور دارالامن میں جہاد جائز نہیں ہوتا بلکہ تمام برادران وطن کے ساتھ امن وآشتی کے ساتھ رہنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ البتہ اگر کوئی بدامنی پھیلانا چاہے یا کوئی غنڈہ کسی پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع بلالحاظ اختلاف مذہب و ملت ہر ہندوستانی کا اخلاقی ومذہبی فریضہ ہے۔ اور پھر یہ لحاظ کرنا بھی جرم ہے کہ یہ تخریب پسند اور غنڈہ کسی مذہب اور ملت سے تعلق رکھتا ہے۔ غنڈہ غنڈہ ہے اور تخریب پسند دشمن وطن ہے چاہے اس کا نام عبداللہ' عبدالرحمن ہو یا رام لال اور رام سنگھ ہو۔

شاہ عبدالعزیز اور انگریزی تعلیم:

انگریزوں کے سیاسی چالوں کے ذیل میں اس کا تذکرہ بھی بیجا تصور کیا جائے گا کہ مسلم عوام کو ان مجاہد علماء سے دور کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈہ بھی بڑے زور وشور سے کیا جاتا

WWW.KITABISTAN.COM

ہے کہ علماء کرام انگریزی تعلیم کو جو کہ اس زمانہ میں دنیاوی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ اس شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بہت سے بھولے بھالے مسلمان اسے متاثر ہو کر علماء کرام کو بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برخلاف ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں علماء کرام نے علوم وفنون کی سرپرستی کی ہے زبان وادب کے سلسلہ میں ان کا رویہ ہمیشہ رواداری کا رہا ہے۔

انگریزی اور دوسری اجنبی زبانوں کے سیکھنے میں خود علماء نے کبھی بخل اور تنگ نظری سے کام نہیں لیا اور عوام الناس کو بھی اس کی طرف برابر متوجہ کیا ہے۔ دہلی میں جب انگریزی تعلیم کا انتظام ہوا تو مسلمانوں نے کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحب سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے واضح لفظوں میں جائز قرار دیا چنانچہ سرسید احمد خان لکھتے ہیں۔

''شاہ عبدالعزیز صاحب جو تمام ہندوستان میں نامی مولوی تھے مسلمانوں نے ان سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ کالج انگریزی میں جانا اور پڑھنا انگریزی زبان کا سیکھنا بموجب مذہب کے درست ہے۔ (اسباب بغاوت ہند ص ۲۷)

تصنیفات وتالیفات:

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ علوم حدیث کی بیش بہا خدمات انجام دی ہے شاہ عبدالعزیز صاحب صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ تھے آپ کی گراں قدر تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فتح العزیز (معروف بہ تفسیر عزیزی)

شاہ صاحب نے اس کو شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املا کرایا تھا یہ کئی جلدوں میں تھی جس کا بڑا حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہوگیا اور شروع اور آخیر کی دو جلدیں بچ گئیں اور یہ تفسیر عزیزی جامعہ رحیمیہ کی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۔ تحفہ اثنا عشریہ (فارسی)

شاہ صاحب کی شاہکار تصنیف ہے مذہب شیعہ کی تنقید وتردید میں ہے زبان وبیان کے اعتبار سے اہل زبان کی سی روانی وبرجستگی اور فصاحت وبلاغت ہے اصلاً فارسی میں ہے اب

اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ بستان المحدثین (عربی)

شاہ صاحبؒ کی اہم تصنیف ہے جو کتب حدیث اور محدثین کی تفصیلی فہرست وتذکرہ اور تعارف ہے۔

۴۔ العجالة النافعة (فارسی)

اصول حدیث میں اہم فارسی رسالہ ہے۔

۵۔ میزان البلاغة (عربی)

علم بلاغت کا ایک جاندار وشاندار مختصر متن ہے۔

۶۔ السر الجلیل فی مسئلة التفضیل

شاہ صاحب نے اس رسالہ میں خلفاء راشدین کے فرق مراتب پر نہایت محققانہ گفتگو کی ہے۔

۷۔ میزان الکلام (عربی)

علم کلام میں ایک مختصر رسالہ ہے جو نہایت ہی جامع ومانع ہے۔

۸۔ سرّ الشهادتین (عربی)

ذکر حضرت حسنینؓ میں ایک شاندار عربی رسالہ ہے۔

۹۔ مجموعہ فتاویٰ (فارسی)

یہ آپ کے مختلف فتاوے کا مجموعہ ہے۔

۱۰۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس (عربی)

۱۱۔ تقریر دلپذیر فی شرح عدیم النظیر (فارسی)

۱۲۔ هداية المؤمنین برحاشیہ سوالات عشرہ محرم (اردو)

۱۳۔ حواشی بدیع المیزان (عربی)

۱۴۔ حواشی شرح عقائد (عربی)

۱۵۔ تعلیقات علی المسوی من احادیث المؤطا (عربی)

۱۶۔ رسالہ تعبیر الرویاء

۱۷۔ میر زاہد رسالہ پرحاشیہ (عربی)

WWW.KITAABISTAN.COM

۱۸۔ میر زادہ ملا جلال پرحاشیہ (عربی)

۱۹۔ میر زاھد شرح مواقف پرحاشیہ (عربی)

۲۰۔ حاشیہ ملا کوسج حاشیہ بنام عزیزیہ (عربی)

۲۱۔ شرح ھدایۃ الحکمۃ پرحاشیہ

۲۲ ارجوزئہ اصمعی کی شرح بھی لکھی ہے۔

وفات:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی وفات ۸۰ سال کی عمر میں بروز یکشنبہ بتاریخ ۷ شوال ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء کو ہوئی اور قبرستان مہندیان میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حکیم مومن خان مومن نے تاریخ وفات کہی ہے۔

جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے — آ گیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایمان میں خلل
دست بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے — فقر و دین، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

(۱۲ ۳۹ھ)

لوح مزار پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

مرقد

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ابن حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ (سن پیدائش ۱۱۵۹ھ تاریخ وفات ۷ شوال المکرم ۱۲۳۹ھ بروز یکشنبہ بعمر ۸۰ سال رحلت نمود (عہد اکبر شاہ ثانی)

❋ ...... ☆ ...... ❋

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور تعلیم:

مفسر قرآن حضرت امام شاہ رفیع الدین دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دوسرے با کمال فرزند تھے۔ آپ ۱۱۲۳ھ۔ ۱۷۴۹ء میں دہلی پیدا ہوئے صغرسنی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا تمام تر نظم و نسق آپ کے برادر بزرگوار حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ذمہ رہا جس کو آپ نے بحسن خوبی نباہا اور باپ کی کمی کو بالکل محسوس نہ ہونے دیا۔

شاہ رفیع الدینؒ نے تمام علوم نقلیہ مثلاً فقہ، حدیث، تفسیر اور جملہ علوم عقلیہ اپنے برادر معظم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے حاصل کر کے ان تما علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا اور باطنی علوم کی تکمیل حضرت شاہ صاحب نے حضرت محمد عاشق پھلتیؒ سے کی اور ایک با کمال صاحب دل، عارف باللہ شیخ بن گئے اور موصوف اپنی فطری صلاحیتوں کی بنا پر بہت ہی جلد ظاہری اور باطنی علوم و معارف سے بہرور ہو کر صرف ۲۰ برس کی عمر میں مرجع خلائق بن چکے تھے۔

درس و تدریس:

شاہ عبدالعزیز صاحب آخر عمر میں جب کثرت امراض کی بنا پر درس و تدریس سے معذور ہو گئے تو اپنی جگہ شاہ رفیع الدین صاحب کو مامور فرمایا اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے بھی شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیزؒ کی مسند درس کی نہ صرف لاج رکھی بلکہ اپنے آباو اجداد کے علمی وقار کو دو بالا فرمایا اور آغاز ہی سے درس و تدریس، قضاء و افتاء اور تصنیف و تالیف کا ایسا پر وقار انداز اختیار فرمایا جو ولی الٰہی خانوادہ کے شایان شان ہو سکتا تھا جس کا اعتراف شاہ عبدالعزیز بڑے زوردار الفاظ میں فرمایا کرتے تھے لہٰذا اپنے ایک مکتوب بنام شیخ احمد بن محمد شیروانیؒ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

WWW.KITABISTAN.COM

"اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے جو نسباً میرے حقیقی بھائی ہیں اور فنون علم وادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں مگر فن و حکمت میں میرے برابر ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا" (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۸۲)

سرسید مرحوم کا اعتراف کمال:

اور سرسید احمد خان مرحوم بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللہی کے بڑے مداح وقدر دان تھے' خصوصاً شاہ عبدالعزیز محدث اور شاہ رفیع دہلوی سے بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے۔ وہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے متعلق "آثار الصنادید" میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"دیار ہندوستان کے جمیع فضلا کے نامی انہیں حضرت فیض موہبت کے مستفیضوں میں سے ہیں ہر فن کے ساتھ اس طرح کی مناسبت تھی کہ ایک وقت میں فنون متباینہ اور علوم مختلفہ درس فرماتے تھے۔ جب ایک کی تعلیم سے دوسرے کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے' حضار خدمت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی فن میں جامہ یکتائی ان کے قامت استعداد پر قطع ہوا ہے۔ باوجود ان کمالات کے افاضہ فیض باطن کا یہ حال تھا کہ جنید بغدادیؒ اور حسن بصریؒ کہ اگر ان کے وقت میں ہوتے بیشک ولاریب اس میں اپنے تئیں کمترین مستفیدان تصور کرتے" (آثار الصنادید ص ۵۴۳)

علم ریاضی میں مہارت:

حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی صاحب تفسیر قرآن' حدیث' فقہ' منطق فلسفہ اور عربی زبان وادب میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ علم ریاضی میں بھی حیرت انگیز دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ کو تو اس مشکل فن میں "موجد" ہونے کی حیثیت حاصل تھی آپ کے معاصرین نے آپ کے اس وہبی کمال کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے خود شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے کہ:

مولوی رفیع الدین نے ریاضیات میں اس قدر ترقی کی کہ اس فن کے موجد نے بھی

اس سے زیادہ نہ کی ہوگی" (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۴۰ وکمالات عزیزی ص ۵۶)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

مولوی رفیع الدین کا فن ریاضی میں ہند اور ولایت میں مثل نہ تھا (کمالات عزیزی ص ۳)

قرآن مجید کا اردو ترجمہ:

شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ترجمہ کلام پاک کی جو انقلابی تحریک چلائی اسے آپ کے جلیل القدر صاحبزادگان نے آگے بڑھایا شاہ صاحب کے بعد سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی نے قرآن مجید کا بامحاورہ اردو ترجمہ کیا ان کے بعد حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے تحت اللفظ اردو ترجمہ فرمایا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین کے ترجموں میں جو واضح فرق ہے اس کو بڑی حد تک ظاہر کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم لکھتے ہیں:

"یوں تو دونوں ترجمے لفظی ہیں لیکن شاہ رفیع الدین نے ترجمے میں عربی جملے کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے ایک حرف ادھر سے ادھر نہیں ہونے پایا ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اردو زبان کے محاورے میں کھپے یا نہ کھپے انہیں کرنا ضروری ہے۔ شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں اس قدر پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور اصل لفظ کے حسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرے اور محاورے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز کی ہے یعنی وہ ہمیشہ اسبات کو مدنظر رکھتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو کم سے کم الفاظ میں پورا مفہوم صحت کے ساتھ ادا ہو جائے"

مولوی عبدالحق صاحب کی بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر لفظی ترجمہ کا اہتمام کیا ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ بامحاورہ ترجمہ بالکل ہی نہیں کیا ہے بلکہ کہیں کہیں بامحاورہ ترجمہ بھی کیا ہے اور بڑا ہی دلچسپ کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدثؒ شاہ رفیع الدین کے تفسیری ذوق کے متعلق شیخ احمد بن محمد شیروانیؒ کو خط میں لکھتے ہیں کہ:

"وہ (شاہ رفیع الدین صاحب) چند دنوں کے سفر کے بعد واپس آئے تو مجھے ایک مختصر مگر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا جو ایسے لطائف ونکات پر مشتمل ہے' جن میں وہ منفرد ہیں اور ان

سے پہلے انہیں کسی نے نہیں لکھا ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلہ میں ہے۔ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے مغز سخن کو ظاہر کر دیا اور دلوں کے چراغ روشن کر دیئے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سعید روحوں کو تازہ دم کر دیا ہے۔''

تصنیف وتالیف:

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کثیر التصانیف عالم دین اور شیخ طریقت تھے آپ کی گرانقدر تصانیف وتالیفات حسب ذیل ہیں۔

اردو ترجمہ قرآن مجید' مقدمہ العلم' تکمیل الاذہان' اسرار المحبۃ' قیامت نامہ دمغ الباطل' اثبات شق القمر' تحقیق الوان' حجاب' برہان تمانع' عقدانامل رسالہ میرزاہد پر حاشیہ اور تکمیل الصناعۃ وغیرہ۔

حضرت شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اکثر کتابیں اس دور میں کامیاب ہی نہیں بلکہ نایاب بھی ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور میں ایسی علمی اور تحقیقی کتابوں کی کھپت نہیں مکتبہ والے بھی ان کتابوں کی اشاعت وترویج کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی ''الیانع الجنی'' میں شاہ رفیع الدین صاحب کے کمالات علمیہ اور تصانیف انیقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ان مروجہ علوم کے علاوہ شاہ صاحب کو علوم اوائل میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی، جوان کی طرح بہت کم اہل علم کے حصہ میں آتی ہے ان کی تصانیف بہت عمدہ اور مرجع ہیں...... میں نے بعض کتابیں دیکھیں تو آپ کی علمی وفنی عبارتوں میں ایسے اسرار ورموز نظر آئے جن کے رمز آشنا کم ہی ہوتے ہیں تھوڑے سے لفظوں میں آپ بہت سے مسائل جمع کر دیتے ہیں، جس سے آپ کی علمی گہرائی اور دقت فہم کا اندازہ ہوتا ہے'' (بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۸۳)

شعر وشاعری:

شاہ رفیع الدین دہلویؒ عربی کے بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے اور جس طرح نثر لکھنے

میں ملکہ راسخہ رکھتے تھے اسی طرح شعر وشاعری میں بھی اعلیٰ قابلیتوں کے حامل اور بے پایاں خصوصیات کے مالک تھے آپ کے اشعار وقصائد میں سلامت' روانی' شوکت الفاظ' بلندی تخیل اور شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ دلآویز ترکیبیں' عمدہ اور نادر تشبیہات' عجیب وغریب استعارات آپ کے اشعار کا اہم جزء ہیں نمونے کے طور پر چند اشعار پیش ہیں۔

یا احمد المختار یازین الوریٰ — یا خاتما للرسل ما اعلاکا
یا کاشف الضراء من مستنجد — یا منجیانی الحشرمن والاکا
هل کان غیرک فی الانام من استویٰ — فوق البراق وجارز الا فلاکا
واستمسک الروح الامین رکابه — فی سیره واستخدم الافلاکا

وفات:

شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی زندگی میں ۶ شوال ۱۲۳۳ھ-۱۸۱۷ء میں انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قریب پائنتی کی طرف دفن ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز کی کیفیت:

شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر شیخ طریقت اور امام وقت کو جب لوگ دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس وقت شاہ عبدالعزیز محدثؒ پر عجیب وغریب کیفیت طاری تھی اور بڑے سوز ودرد کے ساتھ ارشاد فرمایا:

''رفیع الدین سے میرا چار طرح کا رشتہ تھا ایک تو حقیقی بھائی تھے دوسرے یہ کہ قبلہ گاہی (والد ماجد) نے ایک تقریب میں انہیں میرے سپرد کر کے کہا کہ یہ تمہارا لڑکا ہے تیسرے ہم نے اور انہوں نے ایک ہی دائی کا دودھ پیا تھا۔ چوتھے وہ میرے شاگرد تھے''

کسی نے اسی سلسلہ میں ان سے عرض کیا کہ ''شاہ رفیع الدین'' سے اس خاندان کی بڑی علمی عزت تھی شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس وقت برجستہ فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک سچی اور خالص محبت کی اس سے اچھی تعبیر نہیں ہوسکتی۔

''اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا اسی قدر درد ہوتا'' (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۲۸۳)

WWW.KITABISTAN.COM

اولاد:

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے چار صاحبزادے تھے مولوی محمد موسیٰ مولوی عیسیٰ مولوی مخصوص اللہ اور مولوی حسن جان رحمہم اللہ اور یہ چاروں صاحبزدگان بھی فضل وکمال میں ولی الٰہی خاندان کی یادگار تھے۔

لوح مزار ملاحظہ ہو۔

مرقد

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلوی ابن حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ (وفات ۱۲۳۳ھ بزمانہ اکبر شاہ ثانی بعمر ۷۰ سال رحلت نمود)

✵ ...... ☆ ...... ✵

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت:

امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کی ولادت باسعادت ۱۱۶۷ھ میں دہلی میں ہوئی آپ ۹ برس کے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہوگئے اور حسب وصیت والد ماجد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی سرپرستی میں آئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس بار امانت کی خوب خوب آبیاری کی اور والد محترم کی وصیت کو کما حقہٗ ادا کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا اور اس انمول موتی کی خوب نگاہ داشت فرمائی' لہٰذا علوم ظاہری کی ذمہ داری خود سنبھالی اور طریقت کی تعلیم کے لیے مولانا عبدالعدل دہلویؒ کے سپرد فرمایا لہٰذا کتب متداولہ کی تکمیل شاہ عبدالعزیز صاحب سے کی اور علوم طریقت شاہ عبدالعدل دہلویؒ سے حاصل کیے۔

علمی مقام:

امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ ہندوستان کے عظیم مفسر قرآن'

جلیل القدر محدث اور فخر روزگار ولی الٰہی عالم دین تھے۔

آپ نہ صرف قرآن وحدیث بلکہ جملہ علوم وفنون میں ملکۂ راسخ رکھتے اور تقریباً تمام معاصرین آپ کو جملہ علوم میں سند کی حیثیت دیتے تھے۔ آپ کی علمی عظمت وشہرت نے جغرافیائی حدود پار کرکے عالمگیر حیثیت حاصل کرلی تھی اور ہر شخص برملا آپ کے فضل وکمال کا اعتراف کرنے پر مجبور تھا لہٰذا سرسید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں۔

''آپ کے علم وفضل کا بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ اور فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے زبان کو کیا طاقت کہ ایک حرف حضرت کی صفات سے لکھ سکے اور قلم کی کیا مجال کہ آپ کی مدائح سے ایک ذرہ لکھ سکے'' (آثار الصنادید ص ۵۴۶)

خاندان ولی الٰہی کا اردو سے گہرا تعلق:

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ علوم حدیث وقرآن دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ عربی فارسی اور اردو کے مایہ ناز ادیب اور بہترین انشاء پرداز بھی تھے۔ موصوف تینوں زبانوں میں برجستہ بولنے اور لکھنے پر قدرت تامہ رکھتے تھے۔

آپ کی اردو زبان نہایت شگفتہ' شستہ اور سادہ ہوتی تھی آپ کا شمار بلاشبہ اردو زبان وادب کے اولیں معماروں میں کیا جانا چاہیے اور تاریخ اردو زبان وادب کا بڑا ظلم ہے کہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر جیسے معماران اردو کو اس نے فراموش کردیا ہے حالانکہ پورے خاندان ولی الٰہی خصوصاً شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر رحمہما اللہ کا اردو زبان وادب پر بڑا احسان ہے حتی کہ ہندوستان کے مشہور شاعر حکیم مومن خان مومن کو بھی شاہ عبدالقادر دہلوی سے شرف تلمذ حاصل ہے جیسا کہ عرش گیاوی نے ''مطالعہ مومن'' میں مومن کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

''تعلیم ان کی اسی مدرسہ (مدرسہ شاہ عبدالعزیز) میں ہوئی کچھ کتابیں تبرکاً شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے اور بقیہ شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھیں اور یہیں عربی' فارسی' حدیث' فقہ' منطق اور معانی وغیرہ کی بھی تکمیل ہوئی'' (مطالعہ مومن ص ۲۲)

WWW.KITAABISTAN.COM

شاہ عبدالقادر اور خواجہ میر درد:

ناصر نذیر صاحب فراقؔ بھی اپنی مشہور کتاب ''لال قلعہ کی ایک جھلک'' میں لکھتے ہیں کہ:-

''مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے جس طرح اصول حدیث اور اصول فقہ فن ہے۔ اسی طرح حصول زبان بھی فن ہے۔ اردو زبان کے موجد و مجتہد خواجہ میر درد صاحب ہیں ان کی صحبت اس فن کے واسطے غنیمت سمجھو کیونکہ خواجہ صاحب پکے پان ہیں' چنانچہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر خواجہ میر درد صاحب کے شاگرد تھے'' (مطالعہ مومن ص ۲۳۷)

خواجہ میر درد ہندوستان کے عظیم صوفی شاعر تھے۔ آپ کا ولی اللّٰہی خانوادے سے گہرا تعلق تھا۔ اردو زبان و ادب کے معاملہ میں خواجہ میر درد سند کی حیثیت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ آپ کی ادبی مجلس میں تشریف لیجایا کرتے اور اردو کے محاورے سیکھتے زبان و ادب کے ساتھ یہ لگاؤ اور تعلق اس خاندان ولی اللّٰہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر زمانہ کے تقریباً تمام ہی علماء زبان و ادب کی خدمت میں فراخ حوصلہ رہے ہیں بلکہ اگر تعصب کی عینک ہٹا کر علماء اسلام کی زندگیوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو علماء کا قدم اس میدان میں بھی کسی سے پیچھے نظر نہیں آئے گا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت بجا طور پر کہا جا سکتا ہے۔ آزاد ہندوستان میں اردو کا وجود ہی ان علماء اسلام اور مدارس اسلامیہ کا رہن منت ہے لیکن بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ طبقہ علماء ہی کو اردو ادب کی دنیا سے خارج کر دیا گیا اور جو لوگ اپنے بچوں تک کو اردو اسکولوں میں بھیجنا بھی گوارا نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں ان کے گھروں سے اُردو بالکل خارج ہوتی جا رہی ہے وہ اردو کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں یہ ظلم نہیں تو کیا ہے۔

درس و تدریس:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے تصنیف و تالیف اور عبادت و ریاضت کے ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا۔ اس لیے آپ نے دہلی کی اکبر آبادی مسجد کا انتخاب فرمایا۔ آپ اس تاریخی مسجد میں ایک عرصہ تک بیٹھ کر ظاہری و باطنی علوم و معارف کے دریا

بہائے اور طالبانِ علم و معرفت کو سیراب کرتے رہے۔ آپ کی اس ایمانی و روحانی درسگاہ سے فیض یاب ہونے والوں میں دنیائے اسلام کی مشہور و مقتدر شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا عبدالحئی بن ہبۃ اللہ بڈھانویؒ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ بن شاہ عبدالغنی دہلویؒ مولانا فضل حق بن مولانا فضل امام خیر آبادیؒ مرزا حسن علی شافعی لکھنویؒ شاہ اسحاق محدث دہلویؒ ' مولانا سید محبوب علی جعفری' مولانا سید اسحاق بن عرفان رائے بریلوی جیسی شہرہ آفاق شخصیتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو حضرت کے فیضان علم کی بدولت دین اسلام کے صحیح مبلغ اور مکتب ولی اللّٰہی کے امین بنکر افق عالم پر چمکے اور پورے عالم کو علوم ولی اللّٰہی سے منور کر دیا۔

زہد و ورع:

حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ خاندان ولی اللّٰہی میں مسلم الثبوت صوفی اور ولی اللہ تھے۔ آپ زہد و ورع اور اخلاص وللّٰہیت میں اپنے بھائیوں میں بھی ممتاز و منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

حضرت شاہ فضل رحماں گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ فرماتے تھے:

''شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں' صاحب نسبت' بزرگ شاہ عبدالقادر تھے اور صاحب نسبت ہونے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صاحب نسبت وہ ہے کہ جس بات کا ارادہ کرلے اللہ تعالیٰ اسے پورا فرمائے'' (مقالات پروفیسر خلیق نظامی)

اس کے ساتھ ساتھ آپ کا شمار زبردست صاحب کشف بزرگوں میں ہوتا تھا جس کے معتقد آپ کے برادر محترم اور استاد مربی اور صاحب کشف و کرامات بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جیسا کہ مولانا امیر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا پتہ چلانے کے لیے کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا انتیس کا ہمیشہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کر دریافت کراتے۔

''میاں عبدالقادر نے آج کتنے سپارے پڑھے ہیں؟ اگر آدمی آ کر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور صحت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔ (امیر الروایات ص ۱۰۵)

WWW.KITABISTAN.COM

کیونکہ شاہ عبدالقادر صاحب کو رمضان کا چاند ہوتے ہی اپنے کشف صادق سے پتہ چل جاتا تھا کہ یہ رمضان ۲۹ دن کا ہوگا یا ۳۰ دن کا اور پہلی شب میں آپ اسی اعتبار سے تراویح میں قرآن پڑھتے اور آپ کا یہ مکاشفہ زبان زد خاص و عام تھا۔ حتیٰ کہ دہلی کے دھوبی اور درزی بھی حضرت کی پہلی تراویح کو اپنے کام کے نظم کی بنیاد قرار دیتے۔

شاہ صاحب کے کشف وکرامات کا اعتراف کرتے ہوئے سر سید احمد خان مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''بارہا ثقات کی زبان سے سنا گیا کہ جس امر میں کچھ فرمایا ویسا ہی کم وکاست ظہور میں آیا۔ (آثار الصنادید ص ۵۴۷)

شاہ صاحب کی کشف وکرامات بیان کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی ایک مختصر واقعہ مولانا امیر شاہ خاں کے لفظوں میں ملاحظہ فرمائیے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ شاہ عبدالقادر کس قدر صاحب کشف بزرگ تھے امیر شاہ خان بیان فرماتے ہیں کہ:

''سلام کرنے والے کے سلام سے ہی آپ پر منکشف ہو جاتا ہے کہ سلام کرنے والا شخص شیعہ ہے یا سنی لہٰذا جب بھی آپ کو کوئی سلام کرتا تو آپ زبانی جواب کے ساتھ ساتھ شیعہ صاحبان کو بائیں ہاتھ اور سنی صاحبان کو دائیں ہاتھ سے اشارہ فرماتے اور اکثر شیعہ صاحبان بطور آزمائش آپ کو سلام کرتے اور بعض شیعہ صاحبان نے تو اس آزمائش پر ہی اپنے عقیدے سے توبہ کرکے سنی بن گئے تھے''

جلالتِ شان:

اگرچہ آپ بے پناہ متواضع و منکسر المزاج تھے مگر آپ کی جلالت شان اور قدرتی رعب کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے امراء اور روساء بھی آپ کی جلالت شان کے آگے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ اور استغنا بھی اتنا تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی زیارت کو آتے اور تحفے و تحائف پیش کرتے تو آپ باوجود تہی دست ہونے کے نہ صرف یہ کہ ان کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے بلکہ ان امراء کی مدارات اس طرح فرماتے کہ ان کو آپ کے تہی دست ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا جیسا کہ آثار الصنادید میں سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

''باوجود اس کے کہ بسبب کثرت اخلاق کے کسی کے حق میں کچھ ارشاد نہ کرتے اور

کسی کو نہ فرماتے کہ ادھر بیٹھ یا اُدھر لیکن منجانب اللہ لوگوں کے دل میں آپ کا ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ روسائے شہر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے بسبب ادب کے دور دور خاموش بیٹھتے اور بدون آپ کی تحریک مجال سخن نہ پاتے اور ایک یا دو بات کے سوا یارا نہ دیکھتے کہ کچھ اور کلام کریں۔'' (آثار الصنادید ص ۵۴۷)

ترجمہ قرآن اور اردو زبان:

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اٹھارویں صدی عیسوی کے جلیل القدر ترجمان القرآن اور عالم دین تھے۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے نو عمر اور نوزائیدہ اردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ قرآن مجید کیا وہ عظیم شخصیت شاہ عبدالقادرؒ کی ہے۔

شاہ صاحب نے مسلسل ۴۰ برس تک مسجد اکبر آبادی میں اعتکاف کرکے ترجمہ قرآن مجید مکمل کیا آپ نے اپنی تمام علمی، روحانی اور کشفی صلاحیت وقابلیت کو ترجمہ قرآن مجید کے لیے وقف کر دیا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن نہ صرف قدیم اردوئے معلیٰ کا نمونہ ہے بلکہ مراد خداوندی کو صحیح صحیح ادا کرنے کے لحاظ سے بھی یہ ترجمہ اپنے مصنف کی الہامی بصیرت کا شاہکار ہے اور اسی بناء پر شاہ صاحب کے تفسیری فوائد بھی نہایت عجیب وغریب حکیمانہ نکات پر مشتمل ہیں۔

لہٰذا شاہ صاحب کے ترجمہ اور فوائد پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''ترجمہ کی طرح شاہ صاحب کے تفسیری اجتہادات میں بھی الہامی بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے۔ بڑی بڑی تفسیریں ان علمی نکات ولطائف سے خالی ہیں جنھیں حضرت شاہ صاحبؒ نے مختصر مختصر جملوں میں بیان کیا ہے۔ (تقریر ترمذی)

اور آپ کے ترجمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یوم آغاز سے اب تک تسلسل کے ساتھ بلا انقطاع مقبولیت کی اعلیٰ سطح پر پہنچا ہوا ہے۔ جس میں خاندان ولی الٰہی کے فکر کی

WWW.KITABISTAN.COM

جھلکیاں غلبہ کے ساتھ صاف طور پر نمایاں ہیں ترجمہ تحت اللفظ ہونے کے باوجود معنی خیز اور قرآن کے حقیقی مفہوم کی پوری پوری ترجمانی پر مشتمل ہے۔ حضرت ممدوح ترجمہ میں کہیں بھی کوئی ایسا زائد لفظ استعمال نہیں فرماتے جو قرآن کے اصل مفہوم سے زائد یا کم ہو۔ اس ترجمہ کی وہ بلاغت ہے جس کے بارے میں میں نے اپنے بزرگوں سے حضرت اقدس مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنا ہے کہ اگر اردو میں قرآن نازل ہوتا تو شاید اس کی تعبیرات وہی یا اس کے قریب قریب ہوتیں جو اس ترجمہ کی ہیں'' (محاسن موضح قرآن ص ۱۷)

حتیٰ کہ گلزارؔ دہلوی جو ایک غیر مسلم شاعر ہیں مگر علوم اسلامیہ اور زبان پر بصیرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اردو بازار جامع مسجد دہلی میں ایک تاریخی مشاعرہ میں یہ شعر پڑھا۔

احمد پاک کی خاطر تھی خدا کو بھی منظور
ورنہ قرآن بھی اترتا بزبانِ دہلی

اور مشاعرہ کے اختتام پر جب محترم علی محمد شیر میوات صاحب متولی درگاہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس شعر سے آپ کی مراد دہلی کے کس شاعر اور ادیب کی زبان ہے تو گلزار صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ میری مراد شاہ عبدالقادر کی زبان ہے یہ واقعہ مجھے جناب علی محمد شیر میوات صاحب نے سنایا تھا۔ اس کے بعد اتفاق سے مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سیمینار میں گلزار صاحب دہلوی سے ملاقات ہوئی۔ راقم الحروف نے اس واقعہ کی تصدیق چاہی تو گلزار صاحب دہلوی نے نہ صرف یہ کہ تصدیق کی بلکہ خاندان ولی اللہی سے غیر معمولی عقیدت کا اظہار کیا۔

اور شاہ صاحب کو خود بھی اپنے ترجمہ اور تفسیر پر بڑا اعتماد تھا جس کا اظہار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ان الفاظ سے ہوتا ہے مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر موضح قرآن لکھ چکے تو فارسی کا یہ شعر تھوڑے تصرف کے ساتھ پڑھتے تھے''

روز قیامت ہر کسے با خویش دارد نامۂ
من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآن در بغل

انتقال پُر ملال:

شاہ عبدالقادر دہلویؒ مسجد اکبر آبادی (ایڈورڈ ک پارک' موجودہ نیتا جی سبھاش چندر بوس پارک میں واقع تھی) میں معتکف ہوگئے تھے۔ جہاں سے آپ بالکل باہر نہیں نکلتے تھے آپ ہمہ وقت درس وتدریس' تصنیف وتالیف اور کلام کے ترجمہ اور تفسیر لکھنے میں منہمک اور مشغول رہتے تھے اور یہ بھی آپ کی کرامت ہی کہی جاسکتی ہے کہ ادھر ترجمہ کلام پاک اور تفسیری فوائد مکمل ہوئے ادھر پیغام اجل آ پہنچا۔ یہ آفتاب علم وعمل جو ۶۳ سال تک پورے عالم کو علوم نبوت سے منور کرتا رہا وہ آخر کار ۱۲۳۰ء میں دار فانی سے دار جاویداں کی طرف سفر کیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کو مسجد سے باہر اسی وقت دیکھا گیا جب کہ آپ کا جنازہ آخری سفر کے لیے قبرستان مہندیان میں لایا گیا جہاں آپ آج اپنے والد بزرگوار اور بھائیوں کے پہلو بہ پہلو آرام فرما ہیں۔

﴿رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ الی یوم القرار﴾

لوح مزار ملاحظہ ہو

مرقد

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ابن حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (سن پیدائش ۱۱۴۷ھ سن وفات ۱۲۳۰ھ بزمانہ اکبر شاہ ثانی بعمر ۶۳ سال رحلت نمود)

شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی' حضرت شاہ ولی اللہ کے چوتھے فرزند ارجمند تھے۔ آپ معروف روایات کے مطابق ۱۱۷۱ھ۔ ۵۸۔ ۱۷۵۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت پانچ سال کی عمر تھی۔ شاہ عبدالغنی نے اگر چہ درسیات کی تمام کتابیں اپنے بھائیوں سے پڑھیں تھیں مگر حدیث مسلسل بالاولیہ کی اجازت اور سند خود

WWW.KITABISTAN.COM

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے حاصل کی تھی۔ (شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی ص ۱۳۰)

زہد وورع:

حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ذہانت، فطانت اور زہد وورع اور صبر وقناعت میں بے نظیر تھے۔ اتباع سنت میں آپ کا قدم بہت آگے بڑھا ہوا تھا وضع، قطع اور لباس، پوشاک میں اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بے حد مشابہ تھے آپ میں بہت سے اخلاق ایسے تھے جو کہ دوسروں میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔

علم وکمال:

شاہ عبدالغنی صاحب علم وفضل میں فخر روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی فیض میں بھی شہرت عام رکھتے تھے آپ اکثر اوقات درس وتدریس دعوت وارشاد اور طلبہ کی تربیت میں مصروف رہتے تھے۔

مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا شرف تلمذ واجازت حدیث:

حضرت مفتی الٰہی بخش نے جو ہندوستان کے جلیل القدر عالم دین اور فقیہہ تھے شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادر کے رفیق وہم درس تھے انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی سے بھی مسلسل بالاولیہ کی اجازت حاصل کی تھی جیسا کہ مفتی صاحب کی بیاض میں یادداشت تحریر ہے۔

"حدیث مسلسل بالاولیہ: وھو اول ماسمعتہ من الحدیث حدثنا الشیخ عبدالغنی رحمۃ اللہ عن ابیہ الشاہ ولی اللہ المحدث وھو اول ماسمعت منہ وھو یروی (عن) السید عمر بن الشیخ عبداللہ البصری المکی" (حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد گرامی اور اخلاف کرام ص ۱۳۰)

ازدواج ونکاح:

شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی کا نکاح، مولوی علاء الدین پھلتیؒ کی صاحبزادی بی بی فضیلت سے ہوا تھا جن سے دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم اور ایک بلند اقبال وفخر زمانہ فرزند حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ تھے۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ:۔

"شاہ ولی اللہ کے چوتھے بیٹے شاہ عبدالغنی تھے ان کے حالات بہت کم ملتے ہیں لیکن اگر وہ باقی بھائیوں کی طرح مشہور نہیں ہوئے تو ان کی کمی ان کے صاحبزادے شاہ محمد

اسماعیلؒ نے پوری کردی جنہوں نے شاہ عبدالعزیز سے شاہ ولی اللہ کا علم وفضل سیکھ کر جمہور میں عام کیا اور ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کردیا" (رود کوثر ص ۵۹۷)

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادرؒ ہی کی طرح محدث، مفسر، فقیہہ، معلم اور روحانی شیخ تھے لیکن افسوس آپ کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی اور آپ ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ۔ ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء کو ۲۸ برس کی عمر میں اس جہاں فانی سے رخصت ہوگئے حضرت شاہ ولی اللہ کے قریب ہی آسودہ راحت ہیں۔

صاحبزادوں کی وفات میں عجیب ترتیب:

یہ عجیب بات ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی ہے جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی خود فرماتے ہیں کہ:

الٹی ترتیب بھائیوں کی وفات میں واقع ہوئی اول مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے اس کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۲۸۳)

تربت پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

مرقد

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ ابن حجۃ الاسلام حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

وفات ۱۲۰۳ھ (بزمانہ اکبر شاہ ثانی) عمر ۲۸ سال رحلت یافت

✵......☆......✵

مومن خان مومنؔ رح

حکیم مومن خان مومن کی پیدائش ۱۲۱۵ھ ۔ ۱۸۰۰ء میں محلہ کوچہ چیلان میں ہوئی والد کا نام حکیم غلام نبی خان اور دادا کا نام حکیم نامدار خان تھا۔

حکیم نامدار خان اور حکیم کامدار خان دو بھائی شاہ عالم کے دور اقتدار میں کشمیر سے دہلی میں تشریف لائے اور اپنی مہارت وحذاقت کی وجہ سے شہرت عامہ حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ شاہ عالم نے اپنے خاص شاہی طبیبوں میں شامل کر لیا۔ حکیم مومن خان مومن کے والد حکیم غلان نبی خان کو سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے بے پناہ عقیدت وارادت تھی مومن خان جب پیدا ہوئے تو حکیم غلام نبی خان نے شاہ صاحب کو تکلیف دی کہ نومولود کے کان میں آذان دیں اور نام تجویز کریں۔ گھر والے اگرچہ حبیب اللہ تجویز کر چکے تھے۔ مگر شاہ صاحب نے محمد مومن پسند کیا تو سب نے اپنے پسندیدہ نام کو ترک کر کے محمد مومن ہی نام رکھا اور پھر آپ مومن خان ہی مشہور ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

حکیم مومن خان مومنؔ کی ابتدائی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق گھر میں ہوئی مگر جب مکتب کی تعلیم مکمل ہو چکی اور آپ نے اعلیٰ تعلیم کی جانب قدم بڑھایا تو امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کی خدمت میں بھیج دیئے گئے اور باضابطہ طور پر حضرت شاہ صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور ان سے علوم قرآن وحدیث کی تحصیل شروع کر دی......

حضرت شاہ عبدالقادر کی جوہر شناس نگاہ نے تاڑ لیا کہ یہ بچہ بے انتہا صلاحیتوں کا مالک ہے لہٰذا شاہ صاحب نے مومن خان پر خصوصی توجہات مبذول فرمائیں اور آپ کی توجہات ہی کا اثر تھا کہ مومن خان درنایاب اور جوہر آبدار بن کر چمکے۔

دوسری جانب بچپن ہی سے وہ اکثر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مجالس وعظ میں حاضر ہوتے تھے اور حافظہ اس غضب کا پایا تھا کہ گھر آ کر مواعظ لفظ بہ لفظ سنا

دیتے! اس طرح شاہ عبدالعزیز کے فیضان صحبت نے آپ کی صلاحیتوں کو اور زیادہ نکھار دیا اسی کی طرف پروفیسر ظہیر احمد صدیقی نے اپنے مضمون میں اشارہ فرمایا ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

”مومنؔ کے کان میں سب سے پہلے جو آواز پڑی تھی وہ ایک مذہبی اعلان تھا اور جس شخص کی آواز تھی اس کے تقدس کی قسم ملائکہ بھی کھا سکتے ہیں مگر اس مذہبی کردار کی تشکیل کا آغاز حضرت شاہ عبدالعزیز کی مجلس وعظ اور حضرت شاہ عبدالقادر کے مدرسہ سے ہوتا ہے“

بہر حال جب آپ نے علوم نقلیہ وعقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی تو آپ اپنے آبائی علم وفن کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بارے میں آپ کو تائید غیبی حاصل تھی کیونکہ یہ فن تو آپ کا خاندانی تھا۔ اس لیے آپ کو تحصیل طب کی خاطر کہیں باہر نہیں جانا پڑا اور آپ نے اپنے والد حکیم غلام نبی خان چچا حکیم غلام حیدر خان اور حکیم حسن خان سے طب کی جملہ کتابیں پڑھیں اور علم طب میں بھی بہت جلد کمال حاصل کر لیا اور اپنے آبائی مطب میں نسخہ نویسی شروع فرما دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں حکیم مومن خان مومنؔ کا شمار حاذق اطباء اور بڑے پایہ کے حکماء میں ہونے لگا۔ اور آپ کا فنی کمال مشہور عام ہو گیا اور بڑے بڑے تذکرہ نگار آپ کا تذکرہ باعث فخر محسوس کرنے لگے چنانچہ ”تذکرہ طور کلیم“ میں مذکور ہے کہ:

”حکیم مومنؔ خان فرزند حکیم غلام نبی خان دہلوی در طب ید طولیٰ داشت“

بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو ”مسیحا نفس“ اور ”معجز بیان حکیم“ کے معزز القاب وخطابات سے یاد کیا ہے۔

علم نجوم:

ان تمام علوم کے ساتھ آپ علم نجوم میں کافی دستگاہ رکھتے تھے اور آپ کا شمار ہندوستان کے ممتاز ماہرین نجوم میں ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو علم نجوم سے طبعی لگاؤ تھا اور آپ فن نجوم پر اس قدر حاوی ہو گئے تھے کہ آپ کے فنی کمال سے بڑے بڑے اہل فن حیران وششدر رہ جاتے تھے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ نے ”آب حیات“ میں لکھا ہے کہ:۔

”(مومن خان نے) اس کو (نجوم کو) اہل کمال سے حاصل کیا اور مہارت تامہ بہم

WWW.KITABISTAN.COM

پہنچائی ان کو نجوم سے قدرتی مناسبت تھی ایسا ملکہ بہم پہنچایا تھا کہ ان کے انکشافات سے بڑے بڑے منجم حیران رہ جاتے تھے۔

''سال بھر میں ایک بار تقویم دیکھتے تھے پھر برس دن تک ستاروں کے مقام اور ان کی حرکات کی کیفیت ذہن میں رہتی تھی جب کوئی سوال پیش کرتا تو نہ زائچہ کھینچتے نہ تقویم دیکھتے''

علم نجوم میں غیر معمولی عبور و کمال کے ان گنت واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں یہاں صرف دو واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

''بیان کیا جاتا ہے کہ ابتدائی دور میں مومن خان مومنؔ ایک حکیم سکھانند راقم کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے' کھیل کے درمیان کہنے لگے کہ سامنے کی دیوار پر چھپکلی ہے اس کا جوڑا جب پورب سے آئے گا اس وقت میں آپ کو مات دیدونگا تھوڑی دیر میں ایک کپڑا بیچنے والا آیا اور اپنا کپڑا دکھانے لگا اسی گھڑی میں ایک چھپکلی نکلی اور دیوار پر پہنچ گئی دریافت کرنے پر بزاز نے بتایا کہ وہ پورب سے آئی ہے۔

اسی طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک برہمن نے مومن خاںؔ سے فریاد کی کہ اس کے گھر سے زیورات چوری ہو گئے ہیں اپنے نجوم سے چور کی شناخت میں مدد کریں۔

''مومن خان نے بتایا کہ وہ چوری نہیں ہوئے ہیں بلکہ اس کے گھر میں کہیں موجود ہیں۔ چنانچہ اسی کے ساتھ گھر کا نقشہ اور کمرہ کا جائے وقوع بتایا جس کی مچان پر زیور رکھا تھا''
(مومن اور ان کا عہد ص ۱۹)

حکیم مومن خان مومنؔ کو رمل' جفر' ریاضی اور موسیقی میں بھی بڑی مہارت اور قدرت حاصل تھی حکیم مومن خان مومنؔ ان تمام غیر مذہبی امور میں مہارت کے باوجود بڑے پختہ عقیدہ کے مسلمان تھے چنانچہ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ:

''یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مومن خان کو علم نجوم میں غیر معمولی ادراک حاصل تھا۔ مگر علم نجوم پر اعتقاد نہیں تھا اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں افسوس کہ مومن لا تتحرک ذرة الا باذن الله ترجمہ: نہیں حرکت کرتا کوئی ذرہ مگر اللہ کی اجازت سے کے اعتقاد کے باوجود ستارہ پرست ہے اور دنیا سے اتنی بے تعلقی کے باوجود صبح سے شام تک اضطراب کا علاقہ ہاتھ میں لئے رہتا ہے''

حکیم مومن خان مومنؔ کی مشہور غزل کا ایک شعر ہے۔ جس کو ایک دفعہ حضرت الاستاذ مولانا سید انظر شاہ کشمیری نے سنایا تھا اور مومنؒ کے اس شاندار شعر کو بڑی داد دی تھی۔ اس شعر سے آپ کی اس وابستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو آپ کو علم نجوم کے ساتھ تھی شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا

اخلاق و کردار:

حکیم مومن خان مومن بڑے غیور و خوددار تھے' آپ کے اندر اخلاق و شرافت' علوئے نفس بدرجہ اتم موجود تھا۔ طبیعت میں استغناء و خودداری کی شان نمایاں تھیں' چنانچہ انہوں نے کبھی کسی امیر یا رئیس کی تعریف نہیں کی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ امراء و رؤسا تو درکنار اساتذہ سلف کی تعریف کرنا اور سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

حکیم مومن نے اپنی پوری زندگی میں صرف دو قصیدے کہے ہیں ایک قصیدہ نواب ٹونک سے معذرت اور دوسرا قصیدہ شکریہ راجہ اجیت سنگھ سے متعلق ہے وہ بھی کسی صلہ کی توقع میں نہیں ....

ایک مرتبہ راجہ کپور تھلہ نے انہیں ساڑھے تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے اور ایک ہزار روپیہ سفر خرچ بھیجا تو انہوں نے محض اس وجہ سے انکار کر دیا کہ وہاں ایک گوئیے کی بھی یہی تنخواہ ہے۔

شعر و شاعری:

رئیس المتغزلین حکیم مومن خان مومنؔ اردو کے ان چند باکمال شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں جن کی بدولت اردو شاعری کو عزت و شہرت نصیب ہوئی اور حکیم محمد مومن خان مومنؔ نے اس صنف کو ایسا عروج بخشا اور اپنے استادانہ جوہر دکھائے کہ کوئی بھی ان کی ہمسری نہ کر سکا غزل' مومن خان مومن کا سرمایہ زندگی ہے۔ جس نے ان کو شعراء اردو کی صف اول میں جگہ دی اور ایک امتیازی شان بخشی۔

WWW.KITAABISTAN.COM

نمونہ کلام:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نئے گلے وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پر روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامت اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مذہب

حکیم مومن خان اپنے عقائد میں بہت ہی پختہ انسان تھے صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے۔ خاندان ولی اللٰہی سے قلبی وروحانی لگاؤ نے آپ کو مومن کامل اور مسیحا بنا دیا تھا البتہ عہد جوانی میں آزاد اور لاابالی ضرور رہے تھے۔

مومنؔ کہتے ہیں کہ:

لوائے بتو! سنو کہ وہ مومن خدا پرست
مسجد میں آج جاکے مسلمان ہوگیا

مومن خان مومنؔ مرحوم دوسرے شعر میں کہتے ہیں۔

اللہ رے گمراہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومنؔ چلا ہے کعبہ کو ایک پارسا کے ساتھ

حکیم مومن خان مومنؔ ابتداء ہی سے بزرگوں کی صحبت میں رہے تھے اور ان صلحاء کی صحبت نے آپ پر گہرا اثر ڈالا تھا یہی وجہ ہے کہ مومن خان مومنؔ اپنی عہد جوانی کی معمولی آزاد خیالی اور لہو ولعب میں انہماک پر تا زندگی پشیماں اور نادم رہے۔ جس کا اظہار مومن خان مومنؔ بڑے کرب اور اضطراب کے ساتھ اس شعر میں فرماتے ہیں۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے

مجاہد آزادی:

حکیم مومن خان مومنؔ ولی اللٰہی تحریک حریت کے ممتاز مجاہد اور رہنما تھے۔ آپ کا خانوادہ ولی اللٰہی سے گہرا تعلق تھا آپ نہ صرف امام المفسرین شاہ عبدالقادر کے تلمیذ رشید اور سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ بلکہ وہ ہندوستان کے جلیل القدر مجاہد اور روحانی قائد حضرت مولانا سید احمد شہید کے مرید خاص اور مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ہم سبق بھی تھے۔

حکیم مومن خان مومنؔ پر ولی اللٰہی تحریک کا گہرا اثر تھا وہ اس تحریک کی نصرت و حمایت میں ہمیشہ کوشاں رہا کرتے تھے۔ ہندوستان رفتہ رفتہ انگریزوں کے قبضہ میں جا رہا تھا یہ دیکھ کر مومن کا حساس وخوددار دل دُکھتا تھا۔ دہلی میں کوئی ایسا نہ تھا جس سے وہ اپنا درد دل کہتے سارا غبار شعر کہہ کر نکالتے۔

مومنؔ حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
تر سا صنم کو دیکھ کر نصرانیوں میں ہم

ایک موقع پر کہتے ہیں۔

شوق بزم احمد ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومنؔ لے پہنچ اس ”مہدی دوراں“ تلک

مومن خان مومنؔ اگرچہ عملی حیثیت سے تحریک جہاد میں شرکت نہ کر سکے لیکن دلی جذبات کی ترجمانی زبان برابر کرتی رہی چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کہتے ہیں۔

تو اپنی عنایت سے توفیق دے
عروج شہداء اور صدیق دے

یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں
مری جان فدا ہو تیری راہ میں

شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا سید احمد شہید کی صحبتیں ایسی نہ تھیں جو صدا بصحرا ثابت ہوتیں لہٰذا ان کا اثر ہوا اور پورے شدومد کے ساتھ ہوا جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا رہا ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

شادی واولاد:

حکیم مومن خان مومن کی پہلی شادی ۱۸۲۳ء میں ایک زمیندار خاندان میں ہوئی تھی اور دوسری شادی خواجہ میر درد کے خاندان میں ہوئی' مومن کے سسر خواجہ محمد نصیر تھے مومن خان مومن کی اہلیہ کا نام انجمن النساء بیگم تھا مومن کی اولاد میں صرف ایک لڑکا احمد نصیر خان اور ایک لڑکی محمدی بیگم بقید حیات رہے اور ان سے ہی خاندان کا سلسلہ چلا۔

وفات ودفن:

حکیم مومن خان مومن ۱۲۶۸ھ۔ ۱۸۵۱ء ایک دن اپنی چھت کی مرمت کرا رہے تھے کہ اچانک پاؤں پھسلا اور نیچے گر پڑے "دست و بازو" میں شدید چوٹ آئی صدمہ سے بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو کہنے لگے کہ میر اعلم کہتا ہے کہ پانچ ماہ یا پانچ دن میں مر جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا پانچ ماہ کے بعد انتقال ہو گیا اور "دست و بازو بشکست" سے تاریخ وفات نکال دی۔

مومن خان مومن کے انتقال کے بعد مرزا غالب نبی بخش حقیر کو ایک خط میں مومن سے اپنے گہرے قدیم روابط ومراسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"سنا ہو گا تم نے کہ مومن خان مومن مر گئے آج ان کو مرے ہوئے دسواں دن ہے دیکھو بھائی ہمارے بچے مرے جاتے ہیں ہمارے، ہم عصر مرے جاتے ہیں' قافلہ چلا جاتا ہے اور ہم پابہ رکاب بیٹھے ہیں مومن خان میرا ہم عصر تھا اور یار بھی تھا۔ بیالیس ۴۲ تینتالیس ۴۳ برس ہوئے یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور مرحوم کی عمر تھی کہ مجھ میں اور ان میں ربط پیدا ہوا' اس عرصہ میں کبھی بھی کسی طرح کا رنج وملال درمیان میں نہیں آیا۔

حضرت چالیس چالیس برس کا دشمن بھی پیدا نہیں ہوتا دوست تو کہاں ہاتھ آتا ہے"

غالب نے جب مومن خان کا یہ شعر سُنا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو پھڑک اٹھے اور اس شعر کے بدلے میں اپنا پورا دیوان دینے کے لیے تیار ہو گئے

مومن خان کو ان کی وصیت کے مطابق مہندیان میں دفن کیا گیا مومن خان کی قبر خاندان ولی الٰہی کے مزارات کے تقریباً ایک میٹر کے فاصلے پر مغربی سمت میں واقع ہے مدرسہ کی مسجد سے بالکل متصل ہے۔

تصنیفات:

مومن خان مومن کی یادگار "اردو کلیات" کے علاوہ ایک "انشائے فارسی" اور "دیوان فارسی" بھی ہے جنہیں حکیم احسن خان نے مرتب کیا تھا مومن کا اردو کلیات نواب مصطفےٰ خان شیفتہ نے مرتب کیا۔

مشہور ادیب نیاز فتح پوری نے دیوان مومن خان مومن کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"اگر میرے سامنے اردو کے تمام شعراء متقدمین ومتاخرین کا کلام رکھ کر (با استثنائے میر) مجھ کو صرف ایک دیوان حاصل کرنے کی اجازت دی جائے تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ مجھے کلیات مومن دیدو اور باقی سب اٹھا لے جاؤ" (مطالعہ مومن ص ۲۱)

✵ ...... ✩ ...... ✵

مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور تعلیم وتکمیل:

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ غیر منقسم ہندوستان کے کبار علماء ومشائخ میں ممتاز ومنفرد حیثیت کے مالک تھے۔

آپ ضلع سہارنپور کے مشہور مردم خیز قصبہ "نانوتہ" میں پیدا ہوئے آپ نے مکتبی تعلیم اپنے وطن نانوتہ میں حاصل کی اور جب کچھ ہوش سنبھالا تو تحصیل علم کے جذبہ نے آپ کو دارالسلطنت دہلی پہنچا دیا حسن اتفاق سے یہاں آپ کو سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا رشید الدین دہلوی سے شرف نیاز حاصل ہوا۔

مولانا رشید الدین دہلویؒ ایک نہایت جید الاستعداد اور کامل الفن عالم دین تھے

WWW.KITABISTAN.COM

مولونا مملوک علی نانوتویؒ نے تمام درسی کتابیں مولانا رشید الدین دہلوی سے پڑھیں۔ مولانا مملوک علی نانوتویؒ پر ان کے استاد محترم مولانا رشید الدین دہلوی کا گہرا رنگ تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ موصوف رشید الفکر والذہن ہوکر رہ گئے تھے۔ مولانا مملوک علی نانا توی کو صرف استاذ محترم کی ذات گرامی ہی سے عقیدت ومحبت نہیں تھی بلکہ استاذ محترم کی اجڑی سے بھی محبت ہوئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ دہلی ہی کے ہوکر رہ گئے۔

ذہانت وذکاوت:

استاد الکل مولانا مملوک علی نانوتوی خلقتاً کوئی زیادہ ذہین نہیں تھے اور نہ آپ کو ابتداًء درسی کتابوں سے کوئی خاص مناسبت ہی تھی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی کرامت کہئے کہ آپ کو درسی کتابوں سے مناسبت پیدا ہوگئی ورنہ تو آپ بالکل مایوس ہوچکے تھے۔ اور اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ:

"مولانا مملوک علی نانوتویؒ جب تحصیل علم کے لیے دہلی تشریف لے گئے تو یہ صورت پیش آئی کہ جس استاد سے پڑھنا شروع کرتے وہ ان کے علوم سے قلت مناسبت محسوس کرکے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق نہ پڑھاتے تھے۔ اس صورت حال سے مولانا سخت ملول اور غمگین تھے ایک روز اسی پریشانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ:

تحصیل علم کے شوق میں وطن چھوڑ کر آیا ہوں اور کیفیت یہ ہے کہ جس استاد سے پڑھنا شروع کرتا ہوں وہ ایک سبق کے بعد پڑھانے کا نام نہیں لیتا۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

اچھا کل آنا۔

مولانا اگلے روز حاضر ہوئے شاہ صاحب نے ہدایۃ النحو کا ایک سبق پڑھا دیا اور فرمایا کہ:۔

"جاؤ اب جس استاد سے پڑھو گے وہ انکار نہیں کرے گا چنانچہ پھر ایسی مناسبت ہوئی اور ایسے چلے کہ بڑے بڑے علماء ان کے شاگرد ہوئے" (ارواح ثلاثہ بحوالہ اروایات الطیب حکایت ص ۱۸۵)

غرض یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے سبق پڑھانے کے بعد یہ کیفیت ہوگئی کہ جیسے بند کھولدیا گیا ہو اور آپ نے اتنی ترقی کی کہ آپ کو عربک کالج میں نہ صرف استاد بلکہ پرنسپل مقرر کردیا گیا۔ اور آپ نے اپنی علمی مہارت اور تنظیمی صلاحیت سے اس کالج کو بام عروج پر پہنچایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ عربک کالج کی جو عالمی شہرت ہوئی ہے وہ دراصل آپ کے ہی جیسے مخلص اساتذہ کی رہین منت ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عربک کالج دہلی کی نئی نسل مولانا مملوک علی نانوتوی، جیسے مخلص معماروں کو بالکل بھول گئی ہے۔ اور نہیں جانتی کہ مولانا مملوک علی نانوتوی کون تھے اور ان سے ہمارا علمی رشتہ کیا ہے ڈاکٹر صلاح الدین صاحب استاد عربک کالج دہلی جیسے ایمان دار اور اکابر شناس اہل قلم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان قدیم معماروں اور بانیوں کو اس نئی نسل سے متعارف کرائیں تا کہ نئی نسل اپنے بزرگوں سے آشنا ہوسکے۔

بے لوث خدمت:

مولانا مملوک علی نانوتوی نے عربک کالج کی بڑی مخلصانہ خدمت کی ہے۔ آپ کی تنخواہ بھی آپ کے علم وفضل کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ آپ قناعت پسندی میں اپنے بزرگوں کی روایت پر قائم تھے۔

مولوی کریم الدین اپنی کتاب طبقات الشعراء ہند میں لکھتے ہیں کہ:۔

"مدرس اول مدرسہ دہلی عالم بے بدل اور متقی بے مثل اور فاضل کامل ہیں۔ عہدہ میر مولوی بمشاہرہ سو روپیہ ماہوار مدرسہ میں مقرر ہیں حق یہ ہے کہ اس فاضل جیسی قدر چاہیے ویسی نہیں کیونکہ ایسے عمدہ فاضل بے بدل بہت کم ہوتے ہیں اور واقعہ میں بنائے مدرسہ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے" (طبقات الشعراء ہند ص ۱۴۸)

مولانا مملکو علی نانوتوی درس وتدریس کے مرد میدان تھے آپ کے افہام وتفہیم کا انداز بڑا دلچسپ تھا۔ آپ ہر فن میں کتاب کے بجائے اصل فن پڑھانے اور طالب علم کو فن پر حاوی کرنے کی سعی فرماتے اس طرح طلبہ کے اندر فنی کمال پیدا کردیتے تھے۔ اسی لیے آپ کی ذات گرامی مرجع طلبہ بن گئی تھی اور ملک کے گوشے گوشے سے طلبہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر علمی استفادہ کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

کالج کے علاوہ فارغ اوقات میں بھی آپ کے گھر پر طلبہ کا ہجوم ومجمع رہتا تھا لہٰذا

WWW.KITAABISTAN.COM

تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا مرحوم کے اس تدریس ذوق و مذاق کی بدولت دیگر معاصر علماء و اساتذہ کی مجالس درس ماند ہو گئیں اور آپ کے گرد تشنگان علوم کا جم غفیر جمع رہنے لگا جیسا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ارشاد گرامی ہے کہ:

''ابتداً ہم دہلی میں دوسرے اساتذہ سے پڑھتے تھے لیکن تسکین نہیں ہوتی تھی کبھی سبق تھوڑا ہوتا تھا اور کبھی شبہات کا جواب نہ ملتا تھا۔ مگر جب مولانا مملوک علی نانوتوی کی خدمت میں پہنچے تو اطمنان ہو گیا اور بہت تھوڑے عرصے میں کتابیں ختم کر لیں گویا استاد نے گھول کر پلا دیا۔ اس زمانے میں اچھے اچھے استاد دہلی میں موجود تھے مگر ایسے استاد کہ مطلب پوری طرح ان کے قابو میں ہو اور انواع مختلفہ سے تقریر کر کے شاگرد کے ذہن نشین کر دیں۔ ایک ہمارے استاد مولانا مملوک علی اور دوسرے ہمارے استاد مفتی صدر الدین تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما'' (بحوالہ تذکرۃ الرشید ص ۱۸)

حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی کو یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ آپ کے عہد کے اہل علم اور صاحب دل علماء و مشائخ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور آپ ہی سے درسیات کی تکمیل کی۔

مولانا سید عبدالحئی صاحبؒ ''نزہۃ الخواطر'' میں لکھتے ہیں کہ:

انہوں نے تمام عمر درس و تدریس و افادہ علمی کی خدمت انجام دی اپنے قویٰ اسی میں کمزور کیئے حتی کہ علماء کے درمیان ان کا تفوق و برتری ظاہر ہوئی ان سے ایک لاتعداد مخلوق خدا نے استفادہ کیا۔

بحوالہ نزہۃ الخواطر جلد ۷

تلامذہ:

مولانا مملوک علی نانوتوی کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے چند نامور تلامذہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ' بانی دارالعلوم دیوبند' سر سید احمد خان بانی مسلم یونورسٹی علی گڑھ' مولانا رشید احمد گنگوہی' مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی' مولانا محمد مظہر نانوتوی' مولانا احمد علی سہارنپوری' حضرت مولانا شیخ محمد تھانویؒ ' مولانا ذوالفقار علیؒ دیوبندی

والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ' مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی' حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی' مولانا جمال الدین مدار المہام بھوپال' مولوی کریم الدین پانی پتی مولف تذکرۃ طبقات الشعراء شمس العلماء ڈاکٹر ضیاء الدین ایل۔ ایل۔ ڈی' مولانا عالم علی مرادآبادی' مولوی سمیع اللہ دہلوی' مرزا فرحت اللہ بیگ' مولانا عبدالرحمٰن پانی پتی وغیرہ.........

ادبی ذوق:

مولانا مملوک علی نانوتوی بڑا اصاف ستھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ اردو فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر قادر تھے۔ تینوں زبانوں میں برجستہ لکھتے تھے آپ شعر تو نہیں کہتے تھے لیکن اشعار کی پرکھ میں امتیاز رکھتے تھے۔

مشہور ادیب مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''مولانا مملوک علیؒ خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ہیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کر دینا گویا اس کو دوام کی سند دینا ہے'' (دہلی کی آخری شمع ص ۳۶)

تصنیف و تالیف:

مولانا مملوک علی نانوتوی اصلاً درس و تدریس کے آدمی تھے۔ میدان تصنیف و تالیف کے شہسوار نہیں تھے آپ کو تدریسی مصروفیات کی بنا پر تصنیف و تالیف کا موقع بہت کم ہی ملتا تھا پھر بھی آپ کی چند اہم تصانیف ہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم لکھتے ہیں کہ:۔

''مولانا مملوک علی صاحب بہت ذہین' ذکی' تیز فہم اور محقق و مدقق ہیں۔ تحریر اقلیدس کا ترجمہ اردو میں چار مقالہ اول کا اور دو مقالوں آخر گیارہویں اور بارہویں کا کیا ہے حق یہ ہے کہ علم ہندسہ کو پانی کی طرح بہا دیا ہے۔ مولوی صاحب نے سنن ترمذی کا ترجمہ بھی اردو میں کیا تھا'' (مرحوم دہلی کالج ص ۱۴۹)

انگریزوں سے نفرت:

حضرت مولانا محمد مملوک علی صاحب ولی اللہی فکر کے عالم دین تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر جہاد اور راہ حق میں قربانی دینے کا جذبہ بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنے وطن میں

WWW.KITABISTAN.COM

انگریزوں کا غلبہ دیکھ کر تڑپ جاتے تھے۔ آپ کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی کہ آپ ان سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم لکھتے ہیں کہ:۔

"سرکاری درسگاہ میں سالہا سال ملازم رہنے کے باوجود انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ریذیڈنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے اور آپ کے علم و رتبہ کے خیال سے ہاتھ ملایا جب تک صاحب بہادر رہے تو مولانا نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح دور رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ہے۔ صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی۔ ان کو بہت غصہ آیا کہ ہم نے تو ہاتھ ملا کر ان کی عزت افزائی کی انہوں نے اس طرح ہماری توہین کی غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا" (دہلی کی آخری شمع ص ۳۷)

بزرگان دیوبند اور سر سید احمد خان:

سر سید احمد خان بانی مسلم یونورسٹی علی گڑھ استاد الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے تلمیذ رشید اور حجۃ الاسلام فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند کے مخلص رفیق تھے۔ اس لیے سر سید احمد خان اور بزرگان دیوبند کے درمیان جو مخلصانہ تعلقات و رابط رہے اس کا اندازہ سر سید احمد صاحب کے ایک خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے مولانا مملوک علی نانوتوی کے نواسے مولانا عبد اللہ انصاری ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی درخواست ملازمت پر لکھا فرماتے ہیں۔

"مولوی عبد اللہ صاحب فرزند ہیں مولوی انصار علی صاحب کے نواسے ہیں مولوی مملوک علی صاحب کے داماد ہیں مولوی محمد قاسم صاحب کے اور ان کے سب بزرگوں سے مجھے ذاتی واقفیت تھی۔ اور امید ہے کہ ان بزرگوں کی صحبت سے مولوی عبد اللہ صاحب کی بھی ایسی ہی طبیعت ہوگی کہ دینی کاموں کو بہ لحاظ دین اور بہ محبت اسلام انجام دینگے اور اس لحاظ سے میں ان کا مدرسے میں تشریف لانا اور رہنا باعث خیر و برکت سمجھتا ہوں" (موج کوثر ص ۱۹۴)

اولاد:

حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ایک صاحبزادے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند تھے۔ جو اپنے والد ماجد کی طرح جامع العلوم والفنون تھے مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی تقویٰ و طہارت اور تزکیہ باطن میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے مولانا مملوک علی صاحب کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک صاحبزادی حضرت مولانا انصاری علی مرحوم سے منسوب تھیں۔ دوسری صاحبزادی شاہ مجید علی والد ماجد مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے وابستہ تھیں یہ دونوں صاحبزادیاں دینداری، غیرت و حمیت، صبر و شکر، زہد و تقویٰ میں اپنے والد ماجد اور بھائی کے نقش قدم پر تھیں۔

انتقال پُر ملال:

استاد الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کا انتقال ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو یرقان کے مہلک مرض میں ہوا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قبرستان مہندیان میں لکی مسجد کے صحن سے تقریباً ۳ میٹر کے فاصلے پر مدفون ہیں آپ کی قبر کے چھ میٹر جانب شمال میں حضرت شیخ عبد العزیز شکر بارؒ کی قبر واقع ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ

تاریخ ولادت:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کا شمار ہندو پاک کے ممتاز و مشائخ چشت میں ہوتا ہے۔ وہ 1243ء میں اتر پردیش کے مردم خیز ضلع مظفر نگر کے ایک قریہ "بنت" میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولوی مفتی محمد اسماعیل ذبیح نقشبندیؒ تھا وہ سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ تھے۔

مولانا محمد اسماعیل ذبیح کے دوسرے صاحبزادے احمد حسین مرحوم تھے جنہوں نے برطانیہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور برطانوی دور اقتدار میں اعلیٰ و ارفع منصب پر فائز تھے۔ لیکن مولانا محمد حسین فقیر مرحوم اپنے برادر اکبر کے خلاف انگریزوں کے شدید مخالف اور جہاد آزادی کے علمبرداروں میں تھے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

شجرہ نسب:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء کرام اور اتقیاء عظام کے خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کے فخر روزگار اسلاف یہ ہیں۔

''مولانا محمد حسین فقیر دہلوی بن مولوی منشی محمد اسماعیل ذبیح دہلوی نقشبندی بن محمد انور شہید سامانہ بن منشی محمد احمد بن محمد حیدر بن محمد معظم بن محمد اکرم بن طاہر بن محمد باقر بن ناظر بن محمد قاسم بن محمد ہاشم محمد حیدر بن محمد حسن بن زاہد بن مہدی ابوالحسن بن ابوالطیب بن عبدالمالک بن ابوالقاسم بن عبدالرحمٰن بن احمد ابوالحسن بن یونس بن ابوالاعلیٰ بن موسیٰ بن قصص بن حبان المعری الیمنیؒ اس طرح مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کا سلسلہ نسب کئی پشتوں کے بعد علامہ حبان المصری الیمنیؒ سے جاملتا ہے علامہ حبان المصری الیمنی اپنے عہد کے بالغ نظر عالم دین اور محدث کبیر تھے۔''

تعلیم وتکمیل:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد منشی محمد اسماعیل ذبیح دہلوی سے حاصل کی اور فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں مولانا مملوک علی نانوتویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ محدث کبیر مولانا احمد علی سہارنپوری محشی الصحیح البخاری جیسی عبقری شخصیتوں سے پڑھیں۔

موصوف نے اپنی غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور عبقریت کی بنا پر بہت ہی جلد ان تمام مروجہ علوم وفنون میں حیرت انگیز عبور وکمال پیدا فرمالیا۔ اور آپ کا شمار دہلی کے صفِ اول کے علماء وفضلاء میں ہونے لگا۔

شعروشاعری:

مولانا فقیر جس طرح نحو، صرف، منطق، فلسفہ، علم بلاغت، فقہ، تفسیر اور حدیث میں مہارت تامہ اور ملکہ راسخہ رکھتے تھے اسی طرح شعروشاعری میں بھی اعلیٰ قابلیتوں اور صلاحیتوں کے حامل تھے۔

آپ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے قادر الکلام شاعر تھے۔

پروفیسر زبیر قریشی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''فارغ التحصیل ہونے کے بعد جبکہ جوانی کا زمانہ تھا اور شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کا دور دورہ تھا غالبؔ اور مومنؔ عروج پر تھے اعلیٰ حضرت سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی قلعہ معلی کے مشاعروں کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت فتح الملک مرزا داغؔ دہلوی مرحوم اور مولانا محمد حسین فقیر دہلوی مرحوم ذوقؔ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

''مولانا فقیر کا اس زمانہ کا کلام عاشقانہ تھا خاص کر آپ کی ایک واسوخت (دو دیوان) تھی جس کا ذکر اکثر مولانا راسخ مرحوم فرمایا کرتے تھے لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کی صحبت وقربت کی وجہ سے وہ اسوخت نذر آتش کردی گئی اور اس وقت سے اسلامی اور دینی رنگ میں کہنا شروع کردیا'' (دہلی نمبر ص ۲۳۹۔ دہلی کالج میگزین)

مولانا فقیر مرحوم کا وہ کلام بطور نمونہ پیش ہے جو آپ نے اپنے رب کے حضور کعبہ سے لپٹ کر پیش کیا ہے اس میں جہاں غضب کا سوز گداز ہے وہیں فن شاعری کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے۔

شکرِ حق ہے کہ وہی دور سے لایا ہم کو — اور یہ اپنا حرمِ پاک دکھایا ہم کو
رات دن رہتی تھی جس نور کی آنکھوں کو تلاش — اب تو مولیٰ نے وہی نور دکھایا ہم کو
ہم گنہگار چلے آئے ہیں ترے در پر — پاک کر اب تو گناہوں سے خدارا ہم کو
شکر کر شکر فقیر اپنے نصیب اچھے تھے — ڈھونڈتے تھے جسے مدت سے وہ پایا ہم کو

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہوکر بھی بڑے درد وسوز کے ساتھ کہتے ہیں۔

یہ کس کا درد ہے دل میں فقیرِ خستہ دل کہ دو — جو ہر دم ہاتھ رکھ کر آپ سینہ دیکھ لیتے ہیں
فقیر اپنا نصیب اب تو سکندر سے بھی بہتر ہے — رہا محروم وہ ہم کو ملا پانی مدینے کا
میں نے جب دور سے وہ گنبد خضراء دیکھا — چشم حیراں کو جو دیکھا تو بہت تر دیکھا
کیونکر دل سیر ہو حضرت کی زیارت سے فقیر — عمر بھر دیکھا تو گویا انہیں دم بھر دیکھا

عربی کلام ملاحظہ فرمائیے!

افتح الابواب لی یا ربنا من رحمتک — آت مطلوب المملوک فقیر یا ملک
اھدنی ربی الی البیت و دار مرسلک — ثم ادخلنی الھی مصرہ من بلد تک

WWW.KITAABISTAN.COM

عربی زبان وادب:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کو اردو و فارسی کی طرح عربی زبان وادب پر بڑا عبور و درک حاصل تھا آپ وقائع عرب اور قدماء کے اچھوتے اسالیب اور عمدہ تراکیب سے خوب واقف تھے موصوف نہایت ہی سادہ و شگفتہ زبان لکھتے اور بولتے تھے۔

آپ کی عربی تحریر و تقریر میں ''عجمیت'' بالکل نظر نہیں آتی تھی آپ 1294ھ میں قسطنطنیہ بھی گئے تھے۔ قسطنطنیہ ہی میں آپ کو شیخ محمد ظافر الشاذلیؒ سے شرف نیاز حاصل ہوا۔ شیخ محمد ظافر الشاذلیؒ ایک صاحب دلی بزرگ تھے۔ آپ مسلسل دو سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے دو سال کے بعد قسطنطنیہ سے ہندوستان واپس آ گئے۔

آپ قسطنطنیہ کے علاوہ' مصر' یمن اور ترکی بھی تشریف لے گئے تھے ان تمام کمالات سے بڑھ کر مولانا کے اندر استغناء اعلیٰ درجہ کا تھا جس نے مولانا فقیر کو عزیز الخلائق اور محبوب خلائق بنا دیا تھا جیسا کہ پروفیسر زبیر قریشی تحریر فرماتے ہیں کہ:

'' مولانا فقیر دنیا اور دنیا داروں سے بہت دور رہتے تھے آپ کی امانتداری اور دیانتداری شہرہ آفاق تھی ریاست بھوپال کی شاہجہانی بیگم ترکی روسی جنگ (جنگ کریمیا) کے وقت دو لاکھ روپے سلطان روم کو بھیجنا چاہتی تھیں تو انہوں نے اس ذمہ داری کے کام کے لیے مولانا فقیر کو ہی منتخب کیا چنانچہ آپ نے استنبول پہنچ کر وہ امانت سلطان روم کے حوالہ کر دی وہاں آپ سلطان کے پیرو مرشد شیخ الاسلام حضرت سلیمان آفندیؒ کے مہمان ہوئے ایک روز شیخ الاسلام سلیمان آفندیؒ نے آپ کو بتایا کہ حضور سلطانی میں باریابی حاصل ہو گئی۔ تو آپ نے موصوف کو جواب دیا کہ اے شیخ! فقیر اور بادشاہ کا کیا جوڑ؟ بادشاہ سے ملاقات کر کے ہو مجھے طمع دنیا ہو گی اور اس دنیا میں تیاری آخرت کے لیے ہی ہونی چاہیے چنانچہ مولانا فقیر مرحوم اسی رات استنبول سے مصر روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر شیخ سلیمان آفندی کو لکھ دیا کہ دو لاکھ کی رسید مجھے یہاں بھیج دیں' چنانچہ رسید مل گئی اور آپ نے واپس پہنچ کر وہ رسید بیگم بھوپال کے حوالہ کر دی اور دہلی واپس آ گئے'' (دہلی کالج میگزین کا خصوصی شمارہ دہلی نمبر ص ۲۳۶)

بیعت وارشاد:

مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ بڑے متقی' پرہیزگار اور درویش صفت انسان تھے۔ آپ مولانا مفتی مظفر حسین کاندھلویؒ کے روحانی مجاز و خلیفہ تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آخر میں بیعت ہو گئے تھے مولانا فقیر پر ان بزرگوں کا گہرا اثر تھا وہ زہد و ورع میں اسلاف متقدمین کی یادگار تھے۔

مجالس وعظ:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی اپنے عہد کے عظیم مصلح' ریفارمر اور ممتاز واعظ تھے۔ آپ دہلی کی ٹکسالی زبان میں بہت ہی موثر وعظ فرماتے تھے۔ آپ کی مجالس وعظ میں لوگوں کا بڑا مجمع اکٹھا ہوتا تھا آپ مختلف دینی مصنوعات پر وعظ فرماتے تھے۔ لیکن آپ کا اصل موضوع ''توحید'' تھا۔ اور ان مواعظ کا مرکز مدرسہ حسین بخش تھا۔ مگر آپ طبعاً شر و فساد اور پارٹی بازی سے گریزاں رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حسب معمول مدرسہ حسین بخش میں وعظ فرما رہے تھے۔ بعض اہل ہوٰی نے شور و غل مچا کر زبردست ہنگامہ کھڑا کر دیا ادھر آپ کے معتقدین اور متبعین بھی مقابلہ آرائی کے لیے تیار ہو گئے لیکن آپ نے بڑی دانشمندی سے اس ہنگامہ کو فرو کیا اور خاموشی سے اس مرکز کو تبدیل فرما کر کڑاہ گوکل شاہ میں اپنے مواعظ کا مرکز بنا لیا اور وہیں آپ اور آپ کے عالی مقام صاحبزادوں نے مسجد اور مدرسہ بھی قائم کر دیا۔ اور اس مدرسہ کا نام حسینیہ حنفیہ تجویز فرمایا جس کی تعمیر 1316ء میں شروع ہو کر 1323ھ میں تکمیل کو پہنچی آپ نے دونوں موقعوں کے لیے قطعات تاریخ کہے ہیں۔

قطعہ تاریخ ابتدائے تعمیر

اس طرح مولانا فقیر مدرسہ حسین بخش کے بجائے مدرسہ حسینیہ حنفیہ کڑہ گوکل شاہ میں وعظ فرمانے لگے۔ اور اسی مدرسہ میں تاحین حیات وعظ فرماتے رہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے بلند اقبال صاحبزادوں نے اس مفید سلسلہ کو جاری رکھا۔ الحمد اللہ آج اسی تاریخی مدرسہ میں مولانا آزاد اکیڈمی قائم ہے مولانا آزاد اکیڈمی میں کالج اور یونیورسٹی کے طالب علموں کے لیے شبینہ تعلیم کا نظم کیا گیا ہے۔

تحریک ولی اللہی:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی ولی اللہی تحریک و مشن کے سرگرم رکن تھے۔ آپ نے زندگی بھر حضرت امام شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات کو دل کی ٹکسالی زبان میں دہلی والوں کے سامنے بیان فرمایا مولانا فقیر اور ان کا خاندان ولی اللہی فکر کا علمبردار رہا ہے۔

تصانیف:

مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ کو تصنیف و تالیف کا بڑا صاف ستھرا انداز تھا۔ آپ نے اگرچہ بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس سے آپ کا عالمانہ وقار قائم ہو جاتا ہے آپ کی زیادہ تر تصانیف عربی میں ہیں آپ کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں۔

الحیاء الجامعۃ النساء۔ راحۃ ارواح المومنین فی مآثر الخلفاء الراشدین، ناصر الدین مصطفےٰ۔

موصوف نے اپنے کلام کو بھی مختلف عنوانوں سے معنون فرما کر ان کو اور زیادہ مفید بنا دیا ہے لہٰذا آپ کے کلام کے مجموعے ان ناموں سے شائع ہوئے ہیں۔

تیغ فقیر۔ کلیات فقیر۔ دیوان فقیر۔ مناجات فقیر۔ مثنوی نالہ فقیر دیوان نصیحت اور شاخ پر میوہ وغیرہ۔

وفات:

مولانا محمد حسین فقیر دہلوی نے 27 رمضان المبارک 1324ھ کو بعمر اکیاسی 81 سال داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان ولی الٰہی میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کی قبر جامعہ رحیمیہ کی مسجد کے صحن سے تقریباً 10 میٹر کے فاصلے پر جانب پورب واقع ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولوی عبد الاحدؒ

تاریخ پیدائش اور نشوونما:

مولوی حافظ عبد الاحد رضویؒ مالک مجتبائی پریس 1850ء میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ سید غلام محمد تھا۔ آپ ابھی شیر خوار ہی تھے کہ آپ کے والد محترم کا وصال ہو گیا سید غلام محمدؒ کی بیوہ ایک نیک اور پاکباز خاتون تھیں وہ کسی سے عقد کرنا چاہتی تھیں لیکن برادری کے جاہلانہ اور غیر اسلامی رسم و رواج نکاح ثانی میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ تو عموماً نکاح بیوگان کی اجازت دیتی ہے اور اس پاکباز خاتون کی جو حالت تھی یعنی عمر کی کمی اور بچہ کی پرورش کی ذمہ داری ان حالات میں تو شریعت اسلامی نکاح ثانی کی نہ صرف یہ کہ حوصلہ افزائی کرتی ہے بلکہ نکاح نہ کرنے کو معیوب گردانتی ہے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اس بیوہ سے جو ایک شیر خوار بچہ کی ماں بھی تھی کوئی اللہ والا ہی نکاح کے لئے تیار ہو سکتا تھا۔ ورنہ ہر کس و ناکس کا اس مجاہدہ کے لیے تیار ہونا آسان نہ تھا۔ لہٰذا اس کو حسن اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں مولانا احسن نانوتوی تلمیذ رشید مولانا مملوک علی نانوتویؒ بنارس ہی میں مقیم تھے اور مولانا کو اس نیک خاتون کے حالات اور مجبوری کا پتہ چلا تو مولانا احسن نانوتویؒ نے معصوم بچہ اور بے یار و مددگار بیوہ کی دستگیری کی نیت سے منشاء شریعت کے مطابق بیوہ سے عقد کر لیا اور شرعی طور پر نکاح کر کے اس بیوہ اور یتیم کی کفالت کا بوجھ اپنے ذمہ لیا اور ان کے کفیل و سرپرست بن گئے۔

مولانا عبد الاحد صاحب کو مولانا محمد احسن نانوتوی جیسی برگزیدہ اور متبحر عالم دین شخصیت کا سایہ نصیب ہو گیا۔

تعلیم و تکمیل:

مولوی عبد الاحد صاحب ابتداء ہی سے علم کے شیدا تھے لہٰذا آپ نے چودہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرنے کے ساتھ فارسی او عربی کی اکثر کتابیں مولانا محمد احسن نانوتویؒ

WWW.KITABISTAN.COM

سے پڑھ رکھی تھیں اور صرف انیس 19 سال کی عمر میں علوم دینیہ ودیگر علوم وفنون کی تکمیل بھی کر لی اور گورنمنٹ کالج بریلی میں داخل ہو کر 1849ء میں پٹنہ یونیورسٹی کا امتحان بھی پاس کر لیا اور مارچ 1870ء میں گورنمنٹ اسکول بدایوں میں ٹیچر مقرر ہو گئے اور اس ملازمت کے دوران وکالت کے کورس کی تیاری کر کے 12 جولائی 1875ء کو الہ آباد میں وکالت کا امتحان بھی دیدیا اور اول پوزیشن سے ڈپلومہ حاصل کیا لیکن انہوں نے اس کو پیشہ نہیں بنایا۔ اور تعلیمی ملازمت ہی کو پسند کیا اور آخر کار ترقی کر کے ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے اور ایک عرصہ تک اسی حیثیت سے ایک اسکول کی خدمت کرتے رہے اس کے بعد انہوں نے قانونی پیشہ اختیار کیا اور میرٹھ ضلع میں کافی کامیابی کے ساتھ وکالت کی لیکن چونکہ ان کو یہ پیشہ پسند نہیں تھا اس لیے زیادہ عرصہ اس کو نہ اپنا سکے اور دو سال بعد اس پیشہ کو خیر آباد کہ کر تجارت کو اپنا لیا اور انہوں نے اپنی بے انتہا قابلیت اور تجارتی شعور کی بنا پر بہت جلد ایک کامیاب ترین تاجر ہو گئے۔

مجتبائی پریس سے مولانا عبدالاحد کا تعلق:

مطبع مجتبائی ہندوستان کا قدیم وتاریخی مطبع تھا جس کو منشی ممتاز علیؒ نے ابتداء میرٹھ میں قائم کیا تھا۔ اسی مطبع سے 1869ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے تعلق کا ذکر سوانح قاسمی میں ملتا ہے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد منشی ممتاز علی مرحوم نے اس مطبع کو میرٹھ کے بجائے دہلی منتقل فرمایا اس کے بعد جب 1886ء میں منشی ممتاز علی مرحوم ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جانے لگے تو اپنا یہ مطبع مولوی عبدالاحد کو پانچ سو روپے میں فروخت کر دیا۔

مولوی عبدالاحد صاحب رضوی مرحوم ایک ایماندار کاروباری آدمی تھے لہٰذا ان کی صلاحیت اور ذاتی محنت ولگن سے اس مطبع نے ہندوستان گیر پیمانہ پر اعتماد اور شہرت حاصل کر لی اور یہ مطبع طباعت کی عمدگی اور صحت کے لحاظ سے پورے ہندوستان میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔

جب مولانا عبدالاحد صاحب کا خاندان تقسیم ہوا تو یہ تاریخی مطبع بھی بھائیوں میں تقسیم ہو گیا اور تقسیم ملک کے بعد جب خاندان کے افراد پاکستان منتقل ہو گئے تو یہی مطبع وہاں منتقل ہو گیا اور اب یہ ''مطبع مجتبائی'' اسی نام کے ساتھ لاہور میں قائم ہے یہ تاریخی مطبع دہلی میں چوڑیوالان میں قائم تھا لیکن اب ہندوستان میں تو زوال پذیر ہو چکا ہے۔

خدا کرے پاکستان میں پھر بام عروج پر پہنچ کر مولانا مرحوم کی یاد کو زندہ کر دے۔ آمین!

سید محبوب رضوی مرحوم لکھتے ہیں:۔

''مطبع مجتبائی دہلی سے عربی، فارسی اور اردو کی ہزاروں کتابیں طبع ہو کر شائع ہوئیں درس نظامی کی تقریباً سبھی کتابیں اس مطبع میں چھپتی تھیں غرض کہ اس مطبع نے اسلامی علوم وفنون کی بڑی خدمت انجام دی۔

مطبع مجتبائی میں جید اور مستند علماء تصحیح وتالیف اور حواشی کا کام انجام دیتے تھے مولانا محمد احسن نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ مولانا نظام الدین کیرانویؒ، مولوی خلیل الرحمٰن برہانپوری، مولوی محمد اسحاق اور مولوی محمد بیگ کے نام قابل ذکر ہیں'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص ۱۱۱)

یوسف بخاری دہلوی نے لکھا ہے کہ:۔

''مطبع نول کشور لکھنو کے بعد اگر کسی مطبع نے لازوال شہرت پائی تو وہ واحد مطبع مجتبائی دہلی تھا۔ سینکڑوں، مذہبی، تاریخی، اور ادبی کتابوں کے درجنوں ایڈیشن اور لاکھوں نسخے چھاپ ڈالے یہ ایسا عظیم کارنامہ ہے کہ آج ہمارے کتب خانے مختلف علوم وفنون کی کتابوں سے معمور نظر آتے ہیں۔ (یہ دہلی ہے ۱۰۳)

عادات وخصائل:

مولوی عبدالاحد مرحوم بڑے با اخلاق ملنسار، فراخ دل، غریب پرور دوست نواز اور قوم وملت کے خیر خواہ تھے۔

آپ قومی وملی کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور اپنی جیب خاص سے بڑی بھاری رقم قومی وملکی کاموں پر صرف کرتے تھے اور دینی مدارس کے طلباء کو بھی وظائف دیتے تھے۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ مسلمان گھرانوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کا رواج ہو۔ آپ چونکہ جدید وقدیم علوم سے آگاہ تھے اس وجہ سے جدید اور قدیم تعلیم کی اہمیت وافادیت پر زور ڈالتے تھے۔

اوصاف وکمالات:

حافظ عبدالاحد رضوی مرحوم بے پناہ صلاحیتوں وقابلیتوں کے مالک تھے موصوف

اپنی ذاتی قابلیت اور انتظامی صلاحیت کی بنا پر اپنے عہد کے مشہور دانشور، مفکر اور منتظم لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور حکومت برطانیہ کی نگاہ میں بھی آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آپ کی اپنی بے پناہ علمی و تنظیمی صلاحیت کی بنا پر ارباب حل وعقد آپ سے بے حد متاثر تھے اور آپ کی علمی و تنظیمی صلاحیتوں کی بنا پر ہی آپ کو "خان بہادر" کا معزز خطاب بھی ملا تھا یہ خطاب دراصل آپ کے فضل و کمال کا اعتراف تھا۔

اولاد:

آپ کثیر الاولاد تھے آپ کی نرینہ اولاد میں نو 9 صاحبزادے تھے جو سب ہی تعلیم یافتہ اور مولانا کی طرح نیک طبع اور باحوصلہ انسان تھے۔ ان میں سے بعض حضرات نے مطبع کے نظم و نسق کو سنبھال لیا تھا اور بعض سرکاری اعلیٰ منصبوں اور عہدوں پر فائز تھے۔

وفات:

مولوی حافظ عبدالاحد صاحب کا انتقال 1920ء۔1339ھ میں ہوا انگریزوں سے قریب رہنے کے جرم میں مرحوم پر کفر کا فتوی بھی لگا تھا۔

آپ کا جنازہ ابتداء احاطہ خواجہ باقی باللہ میں گیا وہاں کے لوگوں نے وہاں دفن کرنے سے منع کر دیا تو پھر وہاں سے کسی طرح جنازہ احاطہ شاہ ولی اللہ میں لایا گیا اور شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ کے قریب ہی دفن کر دیئے گئے۔

دراصل مولوی عبدالاحد صاحب نے ولی الٰہی خاندان کی تصنیفات کی جو گراں قدر اشاعت کی تھیں اس کی وجہ سے مرحوم اس اعزاز و اکرام کے مستحق ہوئے لوح مزار پر تاریخ وفات درج ہے۔

پاک طینت مولوی عبد الاحد   چوں ازیں دنیائے دوں فطرت برفت
دل فگار و خستہ و غمگیں نثار   سال ہجری گفت در جنت برفت

(1339)ھ

سمیع اللہ خان

سر سید احمد خان، محسن الملک، مولوی سید مہدی علی خان، وقار الملک مولوی مشتاق حسین، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، خواجہ الطاف حسین حالیؔ، مولوی ذکاء اللہ دہلوی، شمس العلماء، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی چراغ علی، مولوی زین العابدین مولوی وحید الدین سلیم، جسٹس سید محمود مولوی سمیع اللہ خان سی ایم جی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے قدیم موسسوں اور معماروں میں تھے اللہ تعالیٰ ان تمام بانیان یونیورسٹی کی روحوں کو خوش رکھے۔

ولادت اور تعلیم و تکمیل:

مولوی سمیع اللہ خان دہلی کے ایک علمی مذہبی خانوادے کے آب و مہتاب تھے۔ وہ 1834ء۔1250ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام نواب منشی عزیز اللہ خان تھا۔ جن کا شمار دہلی کے شرفاء و روساء میں ہوتا تھا۔ مولوی سمیع اللہ خان نواب منشی عزیز اللہ خان کے فرزند اکبر تھے۔ نواب صاحب نے اس دور کے عام شرفاء و روساء کے برعکس اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ منعطف کی۔

مولوی سمیع اللہ کی تعلیم کا آغاز باضابطہ قرآن مجید سے ہوا، موصوف نے اپنی بے پناہ ذہانت و ذکاوت کی وجہ سے بہت جلد ہی جملہ مروجہ دینی علوم و فنون میں کمال پیدا کر لیا۔

آپ کے اساتذہ میں استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتویؒ اور مفتی صدر الدین آزردہ جیسے صاحب علم و فضل بزرگ شامل تھے مولوی صاحب علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد علم قانون کی طرف متوجہ ہوئے اور جلد ہی علم قانون میں مہارت حاصل کر لی۔

ملازمت:

مولوی سمیع اللہ خان رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور

WWW.KITABASTAN.COM

منصبوں پر فائز رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنا پر ان تمام اہم ذمہ داریوں سے بحسن خوبی عہدہ برا ہوئے۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

''1858ء میں منصف ہوئے 1862ء میں تخفیف میں آ کر ہائی کورٹ کے وکیل ہوئے پھر 1873ء میں سب جج ہو گئے' رائے بریلی میں ڈسٹرکٹ جج اور سیشن جج رہے نومبر 1892ء میں پنشن لے لی 1901ء میں حج کیا۔ (حاشیہ موج کوثر ص 89)

خطاب:

مولوی سمیع اللہ خان اردو' انگریزی اور عربی زبان و ادب کے مایہ ناز ادیب و انشاء پرداز تھے۔ خصوصاً عربی میں برجستہ بولنے اور لکھنے میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ برطانوی دور حکومت میں سرکاری وفد کے ساتھ بحیثیت مشیر اور عربی ترجمان مصر بھی گئے تھے اس وقت ہندوستان کی طرح مصر میں بھی گوروں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہاں کے علماء خاص طور پر مشہور مفکر شیخ جمال الدین افغانیؒ انگریزوں کے خلاف زبردست مہم چلائے ہوئے تھے شیخ جمال الدین افغانی نے مولوی صاحب کے خلاف بھی قلمی جہاد چھیڑ دیا۔ یہ موقع بڑا ہی نازک تھا مگر مولوی صاحب نے نہایت ہی دانشمندی سے اپنے مقاصد سفر کو بیان فرمایا جس سے وہاں کے علماء خاص طور پر شیخ افغانی' مطمعن ہوئے اور ادھر حکومت وقت نے بھی مولوی صاحب کے دانشمندانہ اقدام کو بنظر تحسین دیکھا اور سی' ایم' جی کے خطاب سے نوازا۔

مولوی سمیع اللہ خان اخلاق و مروت' مہر و محبت کا حسین پیکر تھے آپ کے اندر انسانی ہمدردی اور رفاہ عام کا بے پناہ جذبہ تھا۔ آپ نے 1857ء کے پر آشوب دور میں مصائب زدہ ہندوستانیوں کی بڑی خدمت کی ان گنت بے قصور اور بے گناہ انسانوں کو اسیر فرنگ ہونے سے بچایا۔ ایک نواب زادے کو بڑی جدوجہد کر کے پھانسی سے نجات دلائی خود ان کے استاد مولوی صدر الدین آزردہ داخل زندان ہو گئے تھے۔ ان کی رہائی کے لیے مولوی صاحب نے جان لڑا دی تھی اسی طرح ایک ہندو وکیل کی اس وقت تک مدد کی جب تک وہ جیل سے رہا نہ ہو گئے مولوی صاحب نے یہ جو کچھ کیا محض انسانی ہمدردی کی بنیاد پر کیا اور بلا تفریق مذہب و ملت کیا۔

مدرسۃ العلوم کا قیام:

مولوی سمیع اللہ خان' سرسید احمد خان کی طرح شروع ہی سے اپنے قلب و جگر میں قوم کا درد رکھتے تھے اور مسلم قوم کو جدید علوم و فنون سے واقف کرانے والے دردمندوں میں ان کی آواز سب سے پہلے سنائی دیتی ہے۔

مدرسۃ العلوم جو آگے چل کر محمڈن کالج ہوا اس کے بانی اور موسس مولوی سمیع اللہ خان ہی تھے۔ مولوی صاحب نے اس وقت مدرسۃ العلوم کی بنیاد رکھی جبکہ سرسید احمد خان بنارس میں ملازم تھے۔ اور مولوی صاحب نے سب سے پہلے اپنے ہی فرزند ارجمند محمد حمید اللہ خان کا داخلہ کرایا تھا۔

مولوی ذکاءاللہ مرحوم لکھتے ہیں:۔

''اس بات کا اظہار اس موقع پر بیجا نہ ہوگا کہ اس وقت (1901ء) تک جس بنگلہ میں کالج کی متعدد کلاسوں کو درس دیا جاتا تھا۔ وہ بوقت قیام مدرسہ مولوی صاحب کے رہنے کی کوٹھی تھی اور قیام مدرسہ کی تجویزیں سوچنے کے لیے روسائے علی گڑھ کی جو سب سے پہلی کمیٹی منعقد کی گئی تھی وہ بھی اسی میں منعقد ہوئی تھی۔

سرسید احمد خان ایک وسیع القلب اور حقیقت پسند انسان تھے۔ انہیں اپنے حریفوں اور دشمنوں کے ذاتی کمالات و اوصاف کو بھی تسلیم کرنے میں کبھی تامل نہیں ہوا چہ جائیکہ اپنے مخلص دوستوں اور پرجوش حامیوں کے کارناموں سے انکار کرتے سرسید احمد خان نے مولوی صاحب کی مخلصانہ کوششوں اور محنتوں کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

سرسید احمد خان کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے:۔

''یہ حقیقت میں مولوی صاحب ہی کی کوشش اور توجہ تھی جس سے کمیٹی کو اس کالج کے قائم کرنے میں کامیابی ہوئی اگر مولوی صاحب اس کالج کا انتظام اپنے ذمہ نہ لیتے' اگر مولوی صاحب بورڈنگ ہاؤس کے انتظامی اور تعلیمی امور کی نگرانی نہ کرتے تو کالج کا اتنی جلدی کھلنا کبھی ممکن نہ ہوتا''

سرسید احمد کا خان ان کے اس کارنامے کا اعلان فخر سے کیا کرتے تھے۔ انہوں نے 1877ء میں کالج کے سالانہ جلسہ میں جو رپورٹ سنائی تھی اس میں انہوں نے مولوی سمیع

WWW.KITAABISTAN.COM

اللہ خان کے اس احسان کا برملا اعتراف کیا تھا انہوں نے کہا کہ:

''جس کالج کی رپورٹ آپ حضرات کو پڑھ کر سنائی گئی ہے یہ مولوی سمیع اللہ خان صاحب کے مستقل ارادے اور صحیح رائے کی بدولت قائم ہوا ہے''

حق گوئی:

مولوی سمیع اللہ خان ایک حق گو اور مسلم نواز دانشور تھے آپ کی حق گوئی اور مسلم نوازی مشہور ہے مولوی صاحب نے پوری زندگی قومی وملی مفاد کو ذاتی مفاد پر مقدم رکھا۔ آپ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ آپ نے اجتماعی مفاد کے خلاف کرنے والے کسی فرد کو کسی قیمت پر معاف نہیں کیا۔

مولوی سمیع اللہ خان اور سر سید احمد خان کے درمیان کس قدر گہرے تعلقات و مراسم تھے لیکن جب سر سید احمد خان نے یورپین اسٹاف کے اختیارات اور جسٹس سید محمود کی نیابت کے متعلق اجتہادی غلطی کا ارتکاب کیا تو مولوی سمیع اللہ خان سے خاموش نہ رہا گیا اور سر سید احمد خان کی شدت سے مخالفت کی لیکن بازاری پن پر کبھی نہیں اترے سر سید احمد خان کے اخلاص میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن وہ کالج کی خاطر کبھی ایسا فیصلہ صادر کرتے تھے جو حقیقتاً قومی ملی مفاد کے خلاف ہوتا تھا مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے۔

فرماتے ہیں کہ:۔

''سر سید مرحوم کے یہ چند خیالات ذاتی نہ تھے بلکہ انگریز ان کے منہ سے زبردستی کہلواتے تھے اور سر سید احمد خان کالج کی محبت میں یہ سب کچھ گوارا کر لیتے تھے''

مولانا سید ندوی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''سر سید میں ساری خوبیوں کے ساتھ ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے ہم نشینوں سے آمنّا وصدقنا کے سوا کوئی اختلاف رائے برداشت نہیں کر سکتے تھے اسی کا نتیجہ ان کی اور مولوی سمیع اللہ خان صاحب کی جوان کے دلی دوست اور معاون تھے وہ لڑائی ہے جس میں سر سید نے فرانس چل کر ڈوئل تک لڑنے کا چیلنج دے دیا تھا۔ او بات اتنی تھی کہ مولوی سمیع اللہ صاحب کالج میں مسلمان بچوں کی تربیت کا کام انگریزوں کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہتے تھے اور سر سید نے تعلیم و تربیت دونوں انہیں کے سپرد کر دی تھی۔ (حیات شبلی ص ۲۷۴)

کالج سے ذہنی وابستگی:

مولوی سمیع اللہ خان اور ان کے رفقاء اگرچہ عملی حیثیت سے کالج کے انتظامی معاملات سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ اس کے تعمیر و ترقی کے دل سے خواہاں رہے اس کے طلبہ و اساتذہ سے محبت سے پیش آتے رہے اور وقتاً فوقتاً انہیں اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازتے رہے۔ سر سید احمد خان مرحوم کے آخری دور میں کالج کی حالت خراب ہوگئی تو مولوی سمیع اللہ خان بے قرار ہو گئے اور اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کو کالج کے استحکام و امداد کی خاطر خطوط لکھے۔

مولوی صاحب نواب وقار الملک کو خط لکھتے ہیں۔

''محمڈن کالج کی نسبت ضرور ضرور کچھ سوچئے سید صاحب کو نرمی کے ساتھ لکھئے''

وفات:

مولوی سمیع اللہ خان 17 اپریل 1908ء میں انتقال فرما گئے ان کی وصیت کے مطابق قبرستان مہندیان میں دفن ہوئے آپ کی قبر کلی مسجد میں سرراہ شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے مزار کے قریب ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبد العلی قاسمیؒ

حضرت مولانا عبد العلی قاسمیؒ میرٹھی سابق شیخ الحدیث مدرسہ عبد الرب کشمیری دروازہ دہلی حجۃ اللہ فی الارض مولانا محمد قاسم نانوتویؒ محدث شہیر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اور ادیب لبیب مولانا فیض الحسنؒ سہارنپوری کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

جائے پیدائش:

مولانا عبد العلی قاسمیؒ میں اپنے وطن عبداللہ پور ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام نصیب علی میرٹھی تھا آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی اس کے بعد اعلی تعلیم حاصل

WWW.KITABISTAN.COM

کرنے کے لیے دیو بند تشریف لائے اور 1294ھ میں مولانا احمد حسن امروہویؒ کے ساتھ ہی دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی اور چونکہ آپ بے حد ذکی طلباء میں شمار ہوتے تھے اور تعلیم بھی بہت محنت سے حاصل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی لہٰذا اکابر دارالعلوم نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ فرمایا اور دارالعلوم ہی کی مسند تدریس پر آپ کو فائز کر دیا جس پر آپ 1397ھ تک فائز رہ کر تشنگان علوم کو سیراب فرماتے رہے۔ اسی دوران جامع قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد میں صدارت تدریس کے لیے ایک تبحر عالم اور شیخ الحدیث کی ضرورت پیش آئی تو ارباب جامعہ قاسمیہ کے اصرار پر اکابر دارالعلوم دیو بند نے حضرت مولانا کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد بھیج دیا جہاں آپ نے پورے 9 سال قیام فرما کر 6-13ھ تک اپنے علوم سے اہلیانِ مراد آباد کو فیضاب فرمایا۔

پھر جب آپ کے خسر مولانا عبدالرب مرحوم نے مدرسہ عبدالرب) جو دہلی کی ایک مشہور و قدیم دینی اور علمی درسگاہ ہے) کی بنیاد ڈالی اور اس کے لیے ایک لائق شیخ الحدیث کی ضرورت پیش آئی تو مولانا عبدالرب سہارنپوری کی نظر انتخاب مولانا عبدالعلی قاسمی پر پڑی اور مولانا کو مدرسہ عبدالرب کی صدارت درس کی مسند سونپ دی جہاں آپ نے بقیہ زندگی گزار کر باشندگان دہلی پر خوب خوب فیضان علم فرمایا اور دہلی والے بھی فیضاب ہوئے۔

زہد وورع:

مولانا عبدالعلی قاسمیؒ بڑے متقی، پرہیز گار اور گوشہ نشین قسم کے بزرگ تھے آپ زہد وورع میں اپنی نظیر آپ تھے اور لوگ بیان کرتے ہیں آپ کی تہجد کی نماز اور تکبیر اولیٰ ترک نہیں ہوئی۔

آخر عمر میں فالج کی وجہ سے جب معذر ہو گئے تو آپ کے تلامذہ آپ کو جماعت کے وقت اٹھا کر صف اولیٰ میں رکھ دیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالعلی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ تھا جس میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ شیخ الاسلام مولانا محمود انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنی جیسی عبقری شخصیتیں شامل تھیں۔

مدرسہ عبدالرب کے سالانہ جلسوں میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے استاد محترم کی وجہ سے بڑی پابندی سے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے سفر سے معذور ہو جانے پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیو بند کو پابندی سے بلاتے رہتے تھے اور حضرت مہتمم صاحب بھی اپنے شیخ کے اتباع میں مدرسہ عبدالرب کے جلسے کی شرکت ضروری خیال فرماتے اور ہر حال میں شرکت کی سعی فرماتے۔

عادات وخصائل:

مولانا عبدالعلی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ بڑے متواضع، منکسر المزاج، بے تکلف مہمان نواز اور شفیق انسان تھے۔ آپ طالب علموں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان تھے آپ ہر ایک کے ساتھ اور خاص طور پر طلباء کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کی ذات مرجع خلائق بنی ہوئی تھی۔

مولانا عبدالعلی قاسمیؒ کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا اور آپ کو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپ اکثر اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے۔

”قاسمی ہو جاؤ بھوکے ننگے نہ رہو گے، مجھ اپاہج کو دیکھو رزق کی بہتات یہ ہے کہ میرا حجرہ ہمہ قسم کی نعمتوں سے ہر وقت بھرپور رہتا ہے“ (مشاہیر علماء دارالعلوم دیو بند ص ۴۳)

حضرت نانوتوی کے علاوہ دیگر علماء ومشائخ سے بھی آپ تعلق رکھتے تھے اور آپ سے بھی ہر طبقہ کے علماء ومشائخ عقیدت ومحبت رکھتے تھے غرضیکہ آپ ایک ہر دلعزیز انسان تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے انتقال کے بعد جنازے میں اس قدر ہجوم تھا کہ گویا پوری دہلی امنڈ آئی تھی آپ کا جنازہ مدرسہ عبدالرب ہملٹن روڈ کشمیری گیٹ سے قبرستان مہندیان میں لایا گیا اور شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ اور ان کے علمی وروحانی خانوادہ کے بزرگوں کے قریب ہی دفن کر دیئے گئے آپ کا انتقال 13 جمادی الاول 1347ھ میں ہوا۔

❋ …… ☆ …… ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

عبدالرزاق انصاریؒ

حکیم عبدالرزاق انصاری قصبہ یوسف پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عبدالرحمٰن انصاری تھا۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی کا نام حکیم عبدالوہاب نابینا تھا اور سب سے چھوٹے بھائی مشہور قومی رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے۔

عبدالرحمٰن انصاری ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں ضلع بلیا میں صدر امین تھے اور 1857ء کی بغاوت کے دنوں میں دوسرے سرکاری ملازمین کی طرح انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن ان کے تینوں صاحبزادگان نے تحریکات آزادی میں حصہ لے کر اس کا کفارہ ادا کر دیا۔

حکیم عبدالوہاب انصاری نابینا سب بھائیوں میں بڑے تھے اور فقیہہ الامت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مخلص شاگرد اور جان نثار مرید تھے ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہندوستان کے ممتاز اور چوٹی کے قومی لیڈروں میں تھے مہاتما گاندھی' جواہر لال نہرو' مولانا محمد علی جوہرؔ' مولانا شوکت علی مولانا حسرتؔ موہانی' مولانا آزاد اور حضرت شیخ الہندؒ جیسے قائدین آپ کی عظیم الشان کوٹھی میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اور کانگریس کی بہت ہی ہنگامہ خیز میٹنگیں اور فیصلہ کن نشستیں آپ ہی کی تاریخی کوٹھی دارالسلام دریا گنج میں ہوتی تھیں یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ آج یہ تاریخی کوٹھی آریہ سماجیوں کے قبضے میں ہے کاش ہماری سرکار اس کوٹھی کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ کر دیتی۔

سلسلہ نسب:

حکیم عبدالرزاق انصاری کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے، جن کا نام ہر مسلمان جانتا ہے آپ رسول اللہ اکرم ﷺ کے جان نثار صحابی اور مدینہ میں آنحضور ﷺ کے میزبان اول تھے۔

تعلیمی سفر:

حکیم عبدالرزاق انصاری نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور طبابت کا

پیشہ اختیار کیا حکیم عبدالرزاقؒ کا شمار ہندوستان کے حاذق اطباء میں ہوتا تھا انہوں نے حیدرآباد میں برسوں طبابت کی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست شفاء سے نوازا تھا بیماروں' مریضوں کے ساتھ بڑی ہمدردی اور غمگساری کے ساتھ پیش آتے تھے ڈاکٹر انصاری ہی کی طرح آپ بھی طبعاً شفیق ومہربان تھے۔

بیعت وارادت:

حکیم عبدالرزاق انصاری شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے مرید خاص اور عاشق زار تھے۔ موصوف ہی کی وجہ سے ڈاکٹر انصاری بھی حضرت شیخ الہند سے قریب ہوئے تھے ان تینوں بھائیوں کو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی قربت حاصل تھی۔

ڈاکٹر انصاری بھی حضرت شیخ الہند سے بیعت تھے حکیم عبدالرزاق انصاری کا پورا خاندان حضرت شیخ الہند کا عاشق اور فدائی تھا۔ خصوصاً حکیم عبدالرزاق انصاری کو حضرت شیخ الہند سے خصوصی تعلق تھا۔ اور حضرت پر سب کچھ نچھاور کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ لہٰذا جب حکیم صاحب کو معلوم ہوا کہ تحریکات کے سلسلہ میں حضرت کی گرفتاری یقینی ہے تو آپ نے ہی حضرت شیخ الہند کو سفر حجاز پر آمادہ کیا اور پھر خود ہی بمبئی جا کر انتہائی رازداری کے ساتھ سفر کی تیاریاں مکمل کیں یہاں تک کہ گورنمنٹ کو بھی حضرت کی روانگی کی اطلاع اس وقت ہوئی جبکہ حضرت کو گرفتار کرنا مشکل ہو گیا اور آخر کار شیخ الہند بخیریت حجاز مقدس پہنچ گئے۔

چنانچہ مولانا مدنیؒ لکھتے ہیں کہ:

"ڈاکٹر انصاری جو اس سفر کے محرک تھے انہوں نے ٹکٹوں کا انتظام بھی کیا ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی حکیم عبدالرزاق انصاری حضرت سے پہلے ہی بمبئی پہنچ گئے اور فراخدلی سے سفر کی جملہ ضروریات مہیا کر دیں" (سفرنامہ اسیر مالٹا ص ۹)

ریشمی خطوط کیس میں کون کیا ہے؟ میں لکھا ہے کہ:

"حکیم عبدالرزاق انصاری مولانا محمود حسن کا پکا مرید ہے ان کو ہجرت کے لیے اکسانے والے خاص لوگوں میں ہے محمود حسن کے سفر عرب کے تمام انتظامات کیے اور ان کو رخصت کرنے بمبئی تک گیا" (ریشمی خطوط کیس ص30)

WWW.KITABISTAN.COM

حضرت مولانا حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''ڈاکٹر انصاری صاحب اور ان کے بھائی حکیم عبدالرزار انصاری صاحب رحمہما اللہ کو خیال ہوا کہ حجاز شریف میں گرانی زیادہ ہے حضرت شیخ الہند تنہا نہیں ہیں بلکہ آپ کے ساتھ اور رفقاء بھی ہیں ویسے بھی حضرت موصوف کا حوصلہ فراخ اور دستر خوان وسیع ہے لہٰذا حضرت کے پاس جو اثاثہ ہوگا وہ ختم ہو گیا ہوگا۔ اب کوئی اور رقم بھیجنی چاہیے! حج کا زمانہ تھا حجاج جارہے تھے کسی معتمد حاجی کے ذریعہ رقم بھیجی جاسکتی تھی۔ لیکن ان دونوں رہنماؤں کی غیر معمولی ہمدردی کا فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت کے کسی قریبی عزیز کو جو خانگی حالات سے پوری طرح واقف اور خانگی امور میں بے تکلف ہو بھیجا جائے! تا کہ رقم کے ساتھ حضرت کو اپنے متعلقین کے حالات بھی تفصیل سے معلوم ہو جائیں چنانچہ حضرت کے ایک خاص عزیز کو (جن کا نام لینا مناسب نہیں معلوم ہوتا) اس خدمت کے لیے (جو ان کے لیے سراسر سعادت تھی کیونکہ حضرت کی زیارت کے ساتھ حج بیت اللہ کی زیارت کا شرف بھی مفت حاصل ہورہا تھا) نامزد کیا گیا مزید براں تار کے ذریعہ جہاز میں سیٹ بھی متعین کرالی اور روانگی کے لیے ایسا وقت مقرر کیا کہ بمبئی پہنچ کر جہاز کا انتظار نہ کرنا پڑے بلکہ فوراً ہی جہاز پر سوار ہو جائیں چنانچہ یہ عزیز دفعتاً دیو بند سے روانہ ہوئے اور بمبئی پہنچتے ہی بندرگاہ پر چلے گئے۔

''اس عجلت اور رازداری کا یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ حکومت کو رکاوٹ پیدا کرنے کا موقع نہیں مل سکا یہاں تک کہ عزیز موصوف کی روانگی کا علم بھی حکومت کو اس وقت ہوا جب جہاز روانہ ہو چکا لیکن اس طرح روانگی سے حکومت کو شبہ بھی ہو گیا۔ اس لیے حکومت ہند کی طرف سے عدن تار دیا گیا کہ جہاز پر تلاشی لے جائے اور مشتبہ کاغذات وغیرہ قبضہ میں کر لئے جائیں چنانچہ جہاز جب عدن پہنچا تو پولیس کی جمعیت جہاز پر آئی اور عزیز موصوف کی تلاشی پوری سختی کے ساتھ لی مگر کوئی چیز ایسی برآمد نہ ہو سکی جس پر شبہ کیا جاسکے۔ لہٰذا عزیز موصوف بخیریت جدہ اور پھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے حضرت کو اہل وعیال کی خیریت معلوم ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے عزیز موصوف نے ڈاکٹر انصاری اور عبدالرزاق انصاری کا بھیجا ہوا ایک ہزار روپیہ پیش کر دیا۔ (نقشِ حیات ص ۲۲۹)

تحریک شیخ الہند میں مولانا محمد میاں صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

''زمانہ قیام حجاز میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری' حکیم عبدالرزاق انصاری مولانا محمد ابراہیم رازیری وغیرہ نے حضرت کی جو خدمت کی وہ ان کے حسنات عالیہ کا گران بہا حصہ ہے'' (تحریکِ شیخ الہند ص 73)

گرفتاریاں:

تحریک شیخ الہند سے وابستہ لوگوں کی ہندوستان میں گرفتاری شروع ہوئی تو حکیم عبدالرزاق انصاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بلایا گیا پولیس نے ان سے پوچھ تاچھ کی تو سوائے مالی امداد کے اور کوئی ثبوت حکومت کے پاس نہیں تھا۔

''حکام نے کہا کہ شیخ الہند حکومت کے باغی ہیں اور آپ ان کی اعانت کرتے ہیں اور یہ جرم ہے تو اس کا جواب ڈاکٹر انصاری نے یہ دیا کہ میں نے ان کو ایک مذہبی پیشوا اور مرشد ہونے کی بنا پر مالی تعاون دیا ہے اگر گورنمنٹ ایسا ہی سمجھتی ہے تو میں حاضر ہوں جو چاہے سزا دے اس صاف گوئی اور بعض اور دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی'' (تحریک آزادی اور مسلمان ص 124)

وفات:

حکیم عبدالرزاق انصاری کی وفات دہلی میں ہوئی' موصوف کی تدفین قبرستان مہندیان میں ہوئی آپ کی قبر مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کی قبر سے قریب تھی لیکن مرور زمانہ کی وجہ سے قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

مولانا محمد عثمان صاحب نبیرہ شیخ الہند اپنے انتقال سے کچھ دن پہلے مہندیان میں تشریف لائے تھے اور راقم الحروف سے فرمایا کہ مہندیان میں حضرت شیخ الہند کے جاں نثار حکیم عبدالرزاق انصاری دفن ہیں ان کا میرے خاندان سے بڑا گہرا تعلق تھا یہ جملہ کہ کر زار و قطار رونے لگے۔

مولانا محمد عثمان صاحب مرحوم ہی نے اس جانب کی نشاندہی کی تھی۔

ترا نشان نہ رہا اور بے نشان نہ ہوا

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا امین الدین رحمتہ اللہ علیہ

مولانا امین الدین اورنگ آبادی بانی وموسس مدرسہ امینیہ اسلامیہ کشمیری دروازہ دہلی دار العلوم دیوبند کے مشاہیر علماء وفضلاء میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔

سن پیدائش:

آپ 1287ء میں اورنگ آباد دکن میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم گھر پر رہ کر اپنے ماں باپ کے زیر سایہ حاصل کی اور 17 سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تعلیم کے لیے شمالی ہند کا رخ کیا اور ایشیا کی عظیم اسلامی درسگاہ دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر اکتساب فیض شروع کیا مگر نہ معلوم وجوہ کی بناء پر یہاں تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1307ھ میں ضلع شاہجہانپور چلے گئے اور مدرسہ اعزازیہ میں داخل ہو گئے حسن اتفاق سے وہاں مولانا نادر الدین جیسا نادرۂ روزگار منطقی وفلسفی استاد ملا ہو سکتا ہے کہ شوق فلسفہ ہی یہاں آمد کا باعث بنا ہو۔

مولانا نادر الدین مشہور خاندانی منطقی وفلسفی شمس العلماء مولانا عبد الحق خیر آبادیؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔ اور منطق وفلسفہ کے امام تسلیم کیے جاتے تھے لہٰذا مولانا امین الدین نے مولانا نادر الدین صاحب مرحوم سے بھرپور استفادہ کیا۔ اور اس بحر ذخار سے سیراب ہونے کے بعد علوم تفسیر وحدیث وفقہ کی تکمیل کے لیے پھر دیوبند کا رخ کیا اور شاہجہانپور سے دار العلوم دیوبند آ گئے اور اساتذہ دار العلوم دیوبند جو اس زمانہ کے علماء میں قرآن وحدیث کی مہارت میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ ان یگانہ روزگار ہستیوں سے خوب خوب سیراب ہوئے اور 1314ء میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ اس آٹھ سالہ دور قیام میں شمالی ہند اور خصوصاً دوآبہ کی علمی اور دینی فضا نے آپ کو بے حد متاثر کیا۔ اور آپ نے قرآن وحدیث کی خدمت کے لیے اسی علاقہ کو اپنا میدان کار تجویز فرمایا اور دہلی قیام کا ارادہ فرما لیا۔ اور چونکہ 1857ء کے بعد دہلی کے ساتھ اس کے دینی مراکز ومدارس بھی اجڑ گئے تھے۔ اس لیے آپ نے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے قدیم رفقاء سے صلاح و

مشورے شروع کیے، جس میں سب نے آپ کے جذبہ کو بہت سراہا اور ہر طرح کے تعاون کے لیے آمادگی ظاہر فرمائی لہٰذا بالآخر 1315ھ 1897ء میں مدرسہ امینیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے اہتمام کی ذمہ داری تو حضرت مولانا نے خود سنبھالی۔ اور صدارت تدریس کے لیے یکتائے زمانہ، فخر روزگار شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا ضیاء الحق دیوبندی کو منتخب فرمایا اور اس طرح یہ تاریخی مدرسہ ان دو عبقری شخصیتوں کے زیر سایہ جاری ہو گیا اور طالبان علم نبوت اطراف وجوانب سے جوق در جوق آنے لگے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے وطن کشمیر جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو انہی کے ہم درس عالم دین و محدث کبیر مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ کو 1327ھ میں شاہجہانپور سے بلایا اور حضرت کشمیریؒ کے کشمیر تشریف لے جانے پر 1330ء میں مسند صدارت حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد فرمادی جس پر حضرت مفتیؒ آخر عمر تک فائز رہے۔

تبحر علمی:

مولانا امین الدین موسس مدرسہ امینیہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے اجل تلامذہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری ومفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کے رفیق درس تھے۔

مولانا امین الدین صاحب اپنی فطری ذہانت وذکاوت کی بناء پر تمام علوم وفنون میں تو ید طولیٰ رکھتے ہی تھے مگر خاص طور پر حدیث، تفسیر اور فقہ میں مہارت تامہ کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ معاصرت کے باوجود مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مولانا ضیاء الحق دیوبندی اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی جیسے صاحب فضل وکمال علماء نے ہمیشہ آپ کی علمی صلاحیت حدیث، تفسیر میں مہارت کا برملا اعتراف کیا ہے۔

زہد وتقویٰ:

مولانا امین الدین متبحر عالم دین ہونے کے ساتھ زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور اخلاص وللّٰہیت میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ پر حضرت شیخ الہندؒ کا روحانی رنگ غالب تھا۔ اور اسی بناء پر دہلی جیسے شہر میں آپ کے ارادتمندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور دہلی کے بڑے بڑے روساء آپ کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے تھے۔

WWW.KITABISTAN.COM

عادات واخلاق:

مولانا امین الدین صاحب مرحوم بڑے خلیق وملنسار، متواضع منکسر المزاج اور شریں گفتار تھے۔آپ سے جو کوئی بھی ایک مرتبہ ملتا وہ آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔اس وجہ سے پورے ملک میں خصوصاً دہلی میں آپ کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع تھا۔جو ہر وقت آپ کے لیے جان تک دینے کے لیے تیار رہتے تھے مولانا امین صاحب اپنے شاگردوں پر بھی بڑے شفیق و مہربان تھے۔ان کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ طلبہ عزیز ہی مستقبل کے معماران قوم اور مصلحین ملت ہوں گے ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

عملیات:

مولانا امین الدین اورنگ آبادی ماہر عملیات بھی تھے آپ مخلوق خدا کی راحت رسائی اور فیض رسائی کی غرض سے بلا معاوضہ تعویذات بھی دے دیا کرتے تھے آپ کوئی پیشہ ور عامل نہیں تھے۔اکابر کی طرح آپ بھی آیات قرآنی اور احادیث نبوی پڑھ کر اور لکھ کر دیا کرتے تھے لوگوں کا اس سے بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا۔

سیاسی مشاغل سے اجتناب:

مولانا امین الدین صاحب اس عہد کی پیداوار ہیں جس عہد کے علماء ومشائخ پر سیاسی رنگ غالب تھا اور علماء انگریز دشمنی کو جزء ایمان تصور کرتے تھے حضرت شیخ الہند کی انگریز دشمنی حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں بطور ورثہ کے آئی تھی۔مولانا عبیداللہ سندھیؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہ دہلویؒ یہ بھی اکابر انگریزوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ مولانا امین الدین مرحوم خاموش تماشائی بنے رہتے اور اس میدان کے شہسواروں میں آپ کا حصہ نہ ہوتا مگر چونکہ مولانا طبعاً یکسو اور ہنگاموں سے گریزاں رہنے کے عادی تھے اس لیے مولانا اگرچہ میدان میں تو کبھی نہ آئے مگر خاموشی کے ساتھ طلبہ کی ایسی فوج تیار کرتے رہے جو آگے چل کر انگریزوں کے لیے زہر قاتل ثابت ہوئے۔لہٰذا مولانا امین الدینؒ اس حیثیت سے بھی ان بزرگوں سے کسی بھی درجہ کم نہیں رہے۔

نکاح:

مولانا امین الدین کی شادی 1318ھ میں سید عابد علی دہلویؒ کی صاحبزادی محمودی بیگم سے ہوئی۔آپ کی اہلیہ محترمہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور شب گزار خاتون تھیں۔آپ کی چھ اولاد تھیں۔سب سے بڑے صاحبزادے سعید الدین مرحوم تھے جو تقسیم ملک کے بعد کراچی چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا موصوف بڑے نیک طبع انسان تھے مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ سے بہت ہی قریب اور تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے دوسری اولاد کے حالات معلوم نہیں ہوسکے ہیں۔

وفات:

مولانا امین مرحوم 19 رمضان المبارک 1338ء میں 6 جون 1920ء میں بعمر اکیاون سال وفات پائی۔

مولانا امین الدین صاحب اور آپ کی اہلیہ وصاحبزادی ام سلمٰی کی قبریں مہندیان میں ایک ہی لائن میں ہیں ان تینوں قبروں پر خوبصورت کتبے لگے ہوئے ہیں مگر چونکہ یہ قبریں پس دیوار واقع ہیں اس لیے اکثر زائرین ان پر فاتحہ خوانی سے محروم رہتے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبدالرحمٰن راسخؒ

ولادت:

مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلوی 1284ء میں دہلی کے ایک علمی روحانی خانوادہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام مولانا محمد حسین فقیر دہلوی تھا جو اپنے وقت کے مشہور زاہد اور درویش انسان تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن راسخ نے معقولات ومنقولات کی مروجہ کتابیں اپنے با کمال والد سے پڑھیں اور آپ اپنی خداداد ذہانت اور عبقریت کی بنا پر بہت جلد جملہ علوم وفنون پر حاوی ہوگئے اور آپ کا شمار دہلی کے سر برآوردہ علماء اور فضلاء میں ہونے لگا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

عوامی درس قرآن مجید:

مولانا عبدالرحمٰن راسخ ایک بالغ نظر عالم دین، باشعور مفسر قرآن اور شیوا بیان واعظ تھے۔ آپ فارغ التحصیل ہونے کے بعد عوامی درس قرآن مجید کا آغاز کردیا آپ کا تحریک ولی اللہی سے گہرا تعلق تھا۔ موصوف نے درس قرآن مجید کے ذریعہ مسلم عوام وخواص کے اندر روحانی انقلاب برپا کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی اور عوام وخواص میں آپ کا شستہ وشگفتہ ترجمہ قرآن بڑا ہی مقبول تھا۔

دہلی میں آج جو تفسیری ذوق کسی نہ کسی عنوان سے باقی ہے دراصل یہ مولانا عبد الرحمٰن راسخ جیسے بے لوث ومخلص بزرگوں کا کارنامہ ہے۔

دارالحکومت جلد دوم ص 189 پر لکھا ہے کہ:

''مولانا راسخ مرحوم گلی نواب قاسم جان کی مسجد میں روزانہ ترجمہ قرآن مجید بیان کرتے تھے اور بازار مچھلی والان کی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد وعظ بیان کرتے تھے۔ آپ کا وعظ نہایت دلکش اور دلچسپ ہوتا تھا ایک روز مولانا راسخ نے اپنے وعظ میں ماہ شعبان کی پندرھویں شب کا ذکر کیا چونکہ اس رات کو لوگ عموماً قبرستان جایا کرتے ہیں لہٰذا اس مناسبت سے آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

تم چلے آؤ کسی دن گیسوئیں کھولے ہوئے — کاش تربت پر کسی دن سائبان ابر ہو
آرزو یہ ہے کہ پھٹ جائے زمین ہم دفن ہوں — فاتحہ جس پر پڑھو تم وہ ہماری قبر ہو

مولانا کا وعظ انتہائی اثر انگیز اور مفید ہوتا تھا چنانچہ بڑے بڑے علماء وفضلاء آپ کے وعظ میں شریک ہوکر اکتساب فیض کرتے تھے اور آپ جو کچھ بیان فرماتے تھے اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا تھا جب آپ جنت وجہنم کا ذکر فرماتے تو معلوم ہوتا کہ جنت اپنی تمام نعمتوں اور جہنم اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ سامنے ہے......

''چنانچہ ''1857ء کے بعد کی دہلی'' کے مصنف مرحوم لکھتے ہیں ''مولانا کے وعظ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء شامل ہوتے تھے مولانا کا طرز بیان کچھ ایسا تھا کہ جو سماں باندھتے تھے اس کا نقشہ آنکھوں میں کھینچ جاتا تھا ایک مرتبہ وعظ کے دوران میں کچھ بیان جزاء وسزا کا تھا یا میدان حشر کا نقشہ کھینچ گیا لوگوں میں آہ وبکاء تھی ایک شخص کی چیخ نکلی اور وہ اسی وقت جان

WWW.KITAABISTAN.COM

بحق ہوگیا''

شعروشاعری:

مولانا عبدالرحمٰن راسخ دہلویؒ اپنے والد مولانا فقیر دہلوی کی طرح اردو فارسی اور عربی تینوں زبان کے قادرالکلام شاعر تھے آپ کی طبیعت کی موزونی خداداد تھی صرف طبیعت کی موزونیت کی بنا پر زمانہ طالب علمی سے ہی برجستہ شعر کہنے لگے تھے اور تازندگی آپ نے کسی سے اصلاح نہیں لی۔

ایک زمانہ میں آپ کا کلام عاشقانہ رنگ لئے ہوئے تھا لیکن آپ کے والد ماجد کی دعاؤں کی وجہ سے جب آپ کی توجہ تصوف کی طرف مائل ہوئی تو وہ رنگ بھی بدل گیا اور آپ عشق مجازی سے عشق حقیقی میں مشغول ہوگئے۔

پروفیسر مولانا زبیر صاحب قریشی لکھتے ہیں کہ:۔

''ابھی علم دین سے فراغت نہیں پائی تھی کہ ذوق شاعری دامنگیر ہوگیا اور کیوں نہ ہوتا علم دین ہی نہیں بلکہ علم ادب اور شاعری باپ دادا سے ورثہ میں لی تھی سینئے مکتب دین سے مکتب عشق میں پہنچنے کی کہانی خود مولانا راسخ مرحوم کی زبانی زمانہ طالب علمی جہاں دیگر کتابوں کے سبق ہوتے تھے وہاں بعض رسائل تصوف کے بھی دو ایک ورق ہوتے تھے مگر وہ زمانہ کم فہمی کا تھا تاہم صوفیائے کرام کی باتوں میں بہت دل لگتا تھا رفتہ رفتہ جب عمر بڑھی، سمجھ بڑھی شوق بڑھا تو کمبختی کے دن آگئے یعنی سر پر شاعری کا جنون سوار ہوگیا۔

ہنوز تعلیم ربانی کا سلسلہ ناتمام تھا کہ شعرگوئی کا شوق مدرسہ عقل ونقل سے اٹھا کر مکتب عشق میں لے گیا پیر مغاں سے بیعت ہوئی اللہ کی رحمت ہوئی دست سبو دعا کے لیے اٹھا۔ ساقی کی عنبریں زلفوں کا سلسلہ سند املائے عشق کے تلوار کے گھاٹ اتارا اور کسی کافر ادا کی ترچھی نگاہ اور بانکی چتون نے ایک سیدھے سادھے مسلمان کا کام تمام کردیا۔ خاکسار کو شوق شاعری کیوں نہ ہوتا مراۃ الخیال (یعنی دیوان اوّل) اور آئینۂ کمال یعنی دیوان دوم لکھنا تھا نیز مثنوی مولانا روم کا اردو میں ترجمہ نظم کرنا تھا اس شاعری کا ازلی نتیجہ تھا الحمدللہ یہ منصوبہ پورا ہوگیا'' (کتاب مرقوم جلد اول ص 312)

مولانا راسخ اعلیٰ درجے کے فصیح وبلیغ شاعر تھے آپ کے کلام سے آپ کی شوخی طبع

ظرافت جدت پسندی بلند پروازی مضمون تلاش الفاظ مانوس برجستہ کلام اور شستگی زبان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کلام راسخ ملاحظہ ہو۔

عشق راسخ سے زمانے میں نہیں ہے بہتر
کوئی مشرب، کوئی ملت، کوئی مذہب یارب

......☆......

حسینوں کے گلی کوچوں سے میں ہرگز نہیں ملتا
کہیں نکلی ہوئی جان ہوں کہیں آیا ہوا دل ہوں

......☆......

چین لینے نہ دیا عشق بتاں نے راسخ
عمر بھر روگ رہا، عمر بھر آزار رہا

......☆......

عشق مژگاں نے مجھے خون رلایا راسخ
خار ہیں دل میں مرے لخت جگر خاروں میں

......☆......

راسخ کی فاقہ مستی سے اللہ کی پناہ
کھاتا ہے سوکھے ٹکڑے بھگو کر شراب میں

......☆......

چھایا ہوا ہے آنکھوں میں راسخ خمار سا
گزری ہے میکدے میں مقرر تمام رات

......☆......

وہ رند ہوں، ہوتی ہیں نمازیں مرے پیچھے
بچھتا ہے شب و روز مصلّی مرے آگے

......☆......

وہ تر دامن واعظ، پاک دامن جسکو کہتے ہیں
نمازیں پڑھتے رہتے ہیں فرشتے میرے دامن پر

......☆......

یا الٰہی حشر میں رسوا نہ ہوں
کہتے ہیں راسخ کی شہرت ہے بہت

......☆......

وہی راسخ تو ہیں کل تک جو بتخانے کے درباں تھے
بنے بیٹھے ہیں حضرت چار دن سے دیں پناہوں میں

......☆......

بعد مردن مجھ کو رو کر حسرتیں — کہہ رہی ہیں مر چلے کیا کر چلے
سچ تو ہے راسخ سفر تھی زندگی — شکر ہے مرکر ہم اپنے گھر چلے

تلامذہ:

مولانا راسخ کے نمایاں شاگرد سحبان الہند مولانا احمد سعید فقیر دہلوی تھے مولانا احمد سعید صاحب فقیر دہلوی مولانا راسخ مرحوم سے اصلاح سخن لیتے تھے اور مولانا احمد سعید صاحب کو مولانا عبدالرحمن راسخ کے خاندان سے جذباتی تعلق تھا۔ موصوف اپنی تقریروں اور واعظوں میں بھی مولانا راسخ کے اشعار پڑھتے رہتے تھے مولانا احمد سعید صاحب بھی ایک بہترین شاعر تھے۔

اردو صحافت:

مولانا عبدالرحمن راسخ صاحب، اپنے عہد کے ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ بالغ نظر اور ایماندار صحافی بھی تھے۔ اردو صحافت اپنے محسنوں کو یاد نہیں رکھتی ہے لیکن آج مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ اگر مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا ظفر علی خانؒ شورش کاشمیریؒ، مولانا عبدالمجید سالکؒ غلام رسول مہر مولانا محمد علی جوہر مولانا عثمان فارقلیطؒ اور مولانا عبدالباقیؒ نے اردو صحافت کو بہت کچھ دیا تو مولانا عبدالرحمن راسخ نے بھی ایک نیا رنگ اور نرالہ انداز اور سب سے بڑھ کر ایک مذہبی مزاج دیا تھا۔

آپ ''دہلی پنچ''، ''افضل الاخبار''، ''مذاق سخن اور'' زبان دہلی'' جیسے موقر جرائد و مجلات کے کامیاب مدیر رہے اور مولانا کی ادارت میں یہ تمام جرائد مقبول عوام وخواص رہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

وضع وقطع:

مولانا راسخ سادہ مزاج، تصنع وتکلف سے کوسوں دور بھاگنے والے انسان تھے آپ بناوٹ اور کروفر کو ناپسند کرتے تھے اور ہمیشہ معمولی لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ اکثر غور وفکر میں ڈوبے رہتے تھے لکھنا' پڑھنا اور غور وفکر کرنا' ہی آپ کا شغل خاص تھا آپ نے اگرچہ سیاسی زندگی کبھی اختیار نہیں کی مگر انگریز دشمنی میں آپ ہمیشہ نمایاں اور ممتاز رہے۔

وفات:

مولانا راسخ دہلوی 1325ھ میں اکتالیس سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوئے اور اپنے والد ماجد کے قریب ہی مہندیان میں آرام فرما ہیں آپ کی قبر جامعہ رحیمیہ کی مسجد کے صحن سے تقریباً 12 میٹر کے فاصلے پر پورب میں واقع ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا مفتی محمد ابراہیم واعظ رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد ابراہیم دہلویؒ کا شمار ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور فقہاء میں ہوتا ہے وہ اپنے والد ماجد مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ کی طرح جامع العلوم والفنون عالم دین تھے۔

وعظ وارشاد:

مفتی محمد ابراہیم دہلویؒ دہلی کے مشہور واعظ اور شیوا بیاں خطیب تھے آپ ذکر ووعظ میں بے نظیر تھے جس وقت آپ وعظ فرماتے تھے کیا مجال کہ سامعین میں سے ایک فرد بھی اپنی جگہ سے ہلتا۔ بسا اوقات بعض لوگوں کے سر پر بوجھ بھی ہوتا تھا تو بھی سننے کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے آپ کی مجلس وعظ میں بلا امتیاز غریب و امیر سب ہی شریک ہوتے اور اپنے ایمان ویقین کو مضبوط کرتے۔

مناظرہ:

مولانا مفتی محمد ابراہیم ایک باشعور اور باہوش مناظر تھے آپ نے عیسائیوں اور

آریہ سماجیوں سے خوب جم کر مناظرہ کیا اور اپنی قوت استدلال اور وسعت معلومات کی بنا پر ان کو متاثر اور مرعوب کیا اور ان کے اوپر اسلام کی حقانیت ثابت کی۔

طب روحانی:

مفتی محمد ابراہیم مرحوم ایک بہترین مصنف بھی تھے آپ کی مشہور تصنیف ''طب روحانی'' ہے جو عوام وخواص میں بہت ہی مقبول ہے آپ کی دوسری اہم تصنیفات بھی ہیں لیکن وہ آج کل نایاب ہیں۔

فقہی ذوق:

مفتی محمد ابراہیم دہلوی ایک بلند پایہ مفتی اور فقیہہ تھے مفتی صاحب فتاوی نویسی میں ید طولی رکھتے تھے آپ کی فقہی بصیرت کو بڑے بڑے معاصر علماء نے تسلیم کیا ہے آپ کے قلم سے بے شمار فتاوی نکلے ہیں بعض فتاوی راقم الحروف کی نظر سے بھی گزرے ہیں ان قیمتی فتاوی سے آپ کی بے پناہ فقہی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وفات:

مولانا مفتی محمد ابراہیم دہلوی 14 ذی الحجہ 38ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور آپ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پائین میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے صرف مسجد کی دیوار پر ''مولانا مفتی محمد ابراہیم لکھا ہوا تھا اب وہ بھی مٹ گیا ہے۔

مفتی محمد ابراہیم صاحب کے انتقال پر آپ کے برادر محترم مولانا محمد اسحٰق مرحوم نے مرثیہ لکھا...... مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

مرثیہ:۔

ساری محفل ہے مگر سردار محفل کا نہیں
طالب صادق ہیں سب مطلوب کا جلوہ نہیں

آج اس ممبر پہ کیونکر لا بٹھائیں تم کو ہم
کوئی پہلو ہم کو بس ایسا نظر آتا نہیں

اے خلیل اللہ کے ہم نام اے پیارے اخی
آپ کے بھائی کا آنسو ہے کہ وہ تھمتا نہیں

یہ در و دیوار' یہ ممبر یہ شاہین مدرسہ
چھوڑ کر رخصت ہوئے یہ آپ کا تھا یا نہیں

عمر توحید۔ ربی میں گزاری آپ نے
آپ کے پیچھے ہمیں کوئی نظر آتا نہیں

WWW.KITABISTAN.COM

آہ ابراہیم کیا شے تھی کہ ہم سے چھن گئی — دل تڑپتا ہے تمہارے واسطے کس کا نہیں

آپ کا اسحاق چھوٹا بھائی روتا ہے کھڑا

آپ کا چہرہ کہیں کسی کو نظر آتا نہیں

✻ ...... ✩ ...... ✻

ڈاکٹر سید محمودؒ

ڈاکٹر سید محمود کا شمار آزادی وطن کے ان مجاہد ڈاکٹروں، انجینئروں، وکیلوں اور بیرسٹروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی عیش ونشاط کی زندگی تج کر قید وبند کی صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کیں۔

ولادت اور تعلیم:

ڈاکٹر سید محمود صاحب کی ولادت 1889ء میں سید پور بھیتری ضلع غازی پور میں ہوئی آپ کا خاندان علمی اعتبار سے ممتاز مقام کا حامل تھا۔ آپ کے والد ایک نیک سیرت بزرگ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان تھے۔ سلوک وطریقت کے جرعہ کش تھے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب کے بچپن کا زمانہ جونپور میں گزرا۔ انہوں نے دینی تعلیم مدرسہ امامیہ حنفیہ جونپور میں جسٹس سر شاہ محمد سلیمان کے ساتھ مولانا محمد ہادی حسن مرحوم کی نگرانی میں حاصل کی دینی تعلیم کے حصول کے بعد آپ 1907ء میں محمڈن کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ آپ کے رفقائے درس میں سید راس مسعود، تصدق حسین خان شیروانی، عبدالرحمٰن بجنوری، سید حسین شہید سہروردیؒ اور سیف الدین کچلوؒ تھے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب زمانہ طالب علمی سے انقلابی رجحان کے مالک تھے علی گڑھ میں آپ اپنی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر محمود القوم سے مشہور تھے۔

ڈاکٹر صاحب 1908ء لندن گئے اور کیمبرج سے بیرسٹری کی سند حاصل کی پھر وہاں سے ایک جرمن پروفیسر کے آمادہ کرنے پر جرمنی آ گئے اور جرمنی سے تاریخ میں ڈاکٹریٹ کی آپ کا موضوع ''مغلوں کا سیاسی نظم ونسق'' تھا۔

جرمنی میں ہی آپ کی ملاقات مہاتما گاندھی سے ہوئی تھی جو ساؤتھ افریقہ سے آئے تھے پنڈت نہرو بھی اس وقت کیمبرج میں تھے۔

مشہور بزرگ صحافی شاہ محمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ڈاکٹر صاحب (بہار) آئے تو انہوں نے ایک قصہ سنایا کہ وہ جرمنی تعلیم کے لیے گئے ہوئے تھے ایک پروفیسر نے یہ جان کر کہ وہ ہندوستانی ہیں ہندوستان کے ابتدائی دور کی تاریخ پر گفتگو کی ڈاکٹر صاحب تاریخ کے طالب علم تھے۔ لیکن قدیم ہندوستان کی تاریخ سے ان کو پوری واقفیت نہ تھی اس لیے وہ کوئی جواب نہ دے سکے پروفیسر نے ان سے کہا کہ تم ہندوستانی ہو اور ہندوستان کی تاریخ سے واقف نہیں اس جملہ پر وہ شرمندہ ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ نہ مسلمان ہندو کی تاریخ سے واقف ہیں اور نہ ہندو مسلم عہد کی دونوں ایک ملک میں رہ کر ایک دوسرے سے ناواقف ہیں اسی ناواقفیت کی وجہ سے انگریزوں کو اس کا موقع ملا کہ وہ ہندوستان کی تاریخ غلط روپ میں پیش کریں اور دونوں فرقوں کو باہم لڑائیں'' (ٹوٹے ہوئے تارے ص183)

ڈاکٹر صاحب 1913ء میں جرمنی سے ہندوستان واپس آ گئے اور بانکی پور بہادر میں مقیم ہو گئے اور پریکٹس شروع کر دی اور آٹھ نو سال جم کر وکالت کی پھر جنگ آزادی میں کود پڑے!

جدوجہد آزادی:

ڈاکٹر سید محمود صاحب ہندوستان کے جلیل القدر مجاہد آزادی تھے انہوں نے وطن کو غیر ملکی پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لیے قید وبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ لبیک کہا اور ہر قسم کی جانی ومالی قربانیاں پیش کیں حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ قید وبند کی نذر ہو گیا۔

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگر

ہر طریقہ واصلِ آداب زنداں ہو گیا

لیکن یہ فخر کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ لیلائے آزادی سے ہم آغوش ہونے کے بعد لیلائے آزادی کے گیسوئے زلف کے اسیر نہیں ہوئے بلکہ ملکی استحکام اور قومی فلاح وبہبود کی خاطر اپنی جدوجہد جاری رکھی جو آپ کا اصل مشن تھا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

کانگریس سے تعلق:

ڈاکٹر سید محمود ایک نیشنلسٹ مسلمان قائد تھے آپ مدتوں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سیکرٹری اور کانگریس پارٹی کے اساسی رکن اور صوبہ بہار کے تمام معاملات کے انچارج رہے موصوف بہار کے وزارتوں میں مختلف محکموں کے وزیر کی حیثیت سے ایک مدت تک خدمات انجام دیتے رہے اور 1954ء سے 1857ء تک ہندوستان کی وزارت خارجہ کے سربراہ کی حیثیت سے ہندوستان اور عالم اسلام کے تعلقات کو ٹھوس اور حقیقی بنیادوں پر مضبوط اور مربوط بنانے کی مہم میں بڑا حصہ لیا۔

وزیراعلیٰ:

ڈاکٹر سید محمود کا شمار مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو، نیتا جی سبھاش چندر بوس، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا مظہر الحق جیسے چوٹی کے لیڈروں میں ہوتا تھا۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آزادی وطن کے بعد کانگریسی حلقہ وسعت نظری اور بلند ظرفی کا مظاہرہ کرتا تو ڈاکٹر سید محمود صوبہ بہار کے وزیراعلیٰ ہوتے لیکن کانگریس پارٹی ابتداء ہی سے ذات پات کی بنیاد پر مناصب تقسیم کرتی رہی ہے۔ لہٰذا محض ذات پات کی بنیاد پر ڈاکٹر سید محمود صاحب کو نظر انداز کر کے شری کرشن سنہا کو بہار کا وزیراعلیٰ بنایا گیا۔

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلط نظریہ اور غلط انتخاب کے خلاف آواز حق بلند کی جس کی وجہ سے ایوان سلطنت میں زلزلہ آ گیا اور بڑے بڑے کانگریسی لیڈر بھی سراسیمہ ہو گئے بالآخر راجندر پرشاد نے ڈاکٹر سید محمود صاحب سے یہ بیان دلوایا کہ:

''انہوں (سید محمود) نے خود وزیراعلیٰ بننا نہیں چاہا''

جس کی وجہ سے وقتی طور پر مسئلہ دب تو گیا لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم جیسے سیکولر اور ٹھنڈا دماغ قائد کو بھی اتنا سخت لکھنا پڑا۔

مولانا آزاد ''انڈیا ونس فریڈم'' میں لکھتے ہیں کہ:

''کانگریس نے نریمان کو صوبہ بمبئی کا اور ڈاکٹر سید محمود کو بہار کا وزیراعلیٰ اس لیے نہیں بنایا کیونکہ وہ ہندو نہیں تھے''۔ مولانا لکھتے ہیں'' بمبئی میں مسٹر نریمان کانگرس کے متفقہ

لیڈر تھے جب صوبائی حکومت بنانے کا سوال آیا تو عام توقع یہ تھی کہ اپنی پوزیشن کے مطابق نریمان کو قیادت سونپی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ایک پارسی کو وزیراعلیٰ بنایا جاتا جبکہ کانگریس اسمبلی ممبروں کی اکثریت ہندو تھی سردار پٹیل اور ان کے ساتھی اس صورتحال کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے اور محسوس کرتے تھے کہ یہ کانگریس کے ہندو حمایتوں کے ساتھ زیادتی ہوگی نتیجہ کے طور پر بی جی کھیر کو آگے لایا گیا اور بمبئی میں کانگریس اسمبلی پارٹی کا لیڈر منتخب کیا گیا''

مولانا آگے لکھتے ہیں کہ'' ہم سب جانتے تھے کہ ایسا سردار پٹیل کے فرقہ وارانہ مطالبات کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا اس سے بیچارے نریمان کا دل ٹوٹ گیا اور ان کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔''

بہار کے بارے میں مولانا آزاد غیر مطبوعہ حصہ میں لکھتے ہیں۔'' ایسی ہی صورتحال بہار میں پیدا ہو گئی جب الیکشن ہوئے تو ڈاکٹر سید محمود بہار کے چوٹی کے لیڈر تھے یہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سیکرٹری بھی تھے اور اس طرح قومی سطح و صوبائی سطح کے لیڈر تھے۔ جب کانگریس کو واضح اکثریت مل گئی تو یہ مان لیا گیا کہ سید محمود کو پارٹی کا لیڈر اور صوبے کا پہلا وزیر اعلیٰ منتخب کیا جائے گا۔ لیکن شری کرشن سنہا اور اے۔ این سنہا جو قومی اسمبلی کے ممبر تھے انہیں واپس بلا کر وزیراعلیٰ کی کرسی کے لیے تیار کیا گیا بہار میں راجندر پرشاد نے وہی کردار نبھایا جو بمبئی میں سردار پٹیل نے نبھایا تھا بمبئی اور بہار میں صرف اتنا فرق تھا کہ جب شری کرشن سنہا نے حکومت بنائی تو کابینہ میں ڈاکٹر سید محمود کو بھی شامل کیا گیا''

'' مولانا آزاد غیر مطبوعہ حصہ میں مزید لکھتے ہیں کہ۔'' ان دونوں واقعات نے میرے اوپر برا اثر چھوڑا جب میں ان واقعات پر غور کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ کانگریس اپنے نظریات پر پوری نہیں اتری۔ مجھے افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ کانگریس کی قوم پرستی ایسی سطح پر نہیں پہنچی تھی جہاں وہ فرقہ وارانہ مصلحتوں کو نظر انداز کر کے لیڈروں کو ان کے معیار پر منتخب کرتی نہ کہ اقلیت اور اکثریت کے سوال پر'' (ہفت روزہ نئی دنیا 25 نومبر 88ء)

دینی مزاج:

ڈاکٹر سید محمود صاحب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ان کی طبیعت میں مشرقی طرز کی سادگی اور تواضع تھی آپ کا مذہبی شعور بھی بڑا پختہ تھا۔ آپ جہاں ممتاز کانگریسی لیڈر

WWW.KITAABISTAN.COM

تھے وہیں ایک پختہ عقیدہ مسلمان بھی تھے۔موصوف کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل سے بڑی دلچسپی تھی اور قومی و ملی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔حتیٰ المقدور تعاون بھی کرتے تھے۔آزاد کانفرنس میں شرکت اور کل ہند مسلم کنونشن کی صدارت آپ کے مذہبی فکر و شعور کی پختگی کی نشانی ہے۔آپ نے کانگریسی حلقوں میں معتوب ہونا گوارا فرمالیا لیکن قومی وملی وفاداری سے دست بردار نہیں ہوئے۔

آزاد کانفرنس:

1948ء میں آزاد کانفرنس کے انعقاد میں جن مسلم لیڈروں، رہنماؤں نے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا بھر تعاون دیا تھا۔ان میں سرفہرست مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ ڈاکٹر سید حسین، پروفیسر ہمایوں کبیر، ڈاکٹر اشرف اور ڈاکٹر سید محمود صاحب تھے۔

ڈاکٹر صاحب تو آزاد کانفرنس کے روح رواں تھے ڈاکٹر صاحب نے کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''ہندوستان ہمارا وطن ہے ہم اس کے وفادار، خیر خواہ ہیں لیکن ہندوؤں کو ہم سے وفاداری کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے وہ ہم سے اعلیٰ ہندوستانی نہیں ہیں ہماری ہی طرح ہندوستانی ہیں وہ ہم سے مطالبہ کریں تو ہم کو چاہیے کہ کہہ دیں کہ جاؤ ہم وفادار نہیں ہیں جو کرنا ہے کرلو'' (ٹوٹے ہوئے تارے ص 180)

فرقہ وارانہ فساد:

ڈاکٹر سید محمود صاحب دبنگ، نڈر اور بے باک آدمی تھے کس کو جلتے مرتے اور پٹتے دیکھ کر خاموش تماشائی بنے نہیں رہ سکتے تھے۔وطن کے وفادار تھے لیکن کسی قوم کے ناحق طرفدار نہیں تھے جب داوڑ کیلا اور جمشید پور میں خوفناک فسادات اور اضطرابات ہوئے تو ڈاکٹر صاحب بے چین ہوگئے اور مظلوموں کو بچانے کے لیے بھاگ دوڑ کرنے لگے ڈاکٹر صاحب نے بیان دیا کہ:

''ہندو مسلم منافرت دور کرنے میں ہندو قیادت ناکام رہی ہے اس لیے اب یہ کام

مسلمانوں کو کرنا چاہیے'

ڈاکٹر صاحب نے اسی مقصد کی خاطر مسلم مجلس مشاورت کی بنیاد ڈالی اور پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور لوگوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا قائم کی ڈاکٹر صاحب اور دوسرے قائدین کے ملک گیر دوروں سے ہندو مسلم اتحاد پر اچھا اثر پڑا۔

تقسیم ملک اور ڈاکٹر صاحب کی بے چینی:

ڈاکٹر سید محمود کا شمار تقسیم ملک کے شدید مخالفوں میں ہوتا ہے وہ کسی قیمت پر تقسیم ملک کے لیے تیار نہیں تھے۔آپ نے اس وقت بھی بٹوارہ کی مخالفت کی جبکہ مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو بھی تقسیم کے حامی ہو چکے تھے اور ملک کو تباہ کرنے والی طاقتوں کے سامنے سپر ڈال چکے تھے۔

مہاتما گاندھی 1946ء میں پٹنہ آئے او ڈاکٹر سید محمود کی کوٹھی پر ٹھہرے جب گاندھی پٹنہ سے دہلی روانہ ہونے لگے تو ڈاکٹر سید محمود صاحب سے کہا کہ:

''تمہارے دوستوں نے دہلی میں پاٹیشن طے کرلیا ہے تم کیا کروگے؟ سید محمود نے اس وقت جواب دیا تھا کہ میں اس کے خلاف ہوں اور اگر چہ ایک ہاری جانے والی جنگ لڑنے جارہا ہوں لیکن اچھی ٹکر لوں گا۔ مہاتما جی نے اس وقت کہا تھا کہ مسلمانوں کو پاکستان دو ٹکڑوں میں ملے گا۔وہ شاید مان جائیں لیکن وہ تباہ ہوجائیں گے گاندھی جی نے وعدہ کیا کہ وہ دہلی سے واپس آکر ان کے گھر پر بیٹھ کر پلان بنائیں گے کہ اس صورت حال کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔الغرض گاندھی پٹنہ سے دہلی گئے اور سید محمود کے الفاظ میں چار پانچ دن ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر پھر چپ ہوگئے مولانا آزاد کے لبوں پر بھی مہر سکوت لگ گئی چند دنوں کے بعد سید محمود دہلی گئے تو انہوں نے گاندھی جی سے سوال کیا کہ آپ نے تقسیم کو کیوں مان لیا۔گاندھی نے جواب دیا کہ'' مجھے الٹی میٹم دیا گیا کہ تم خود گورنمنٹ چلاؤ تو میں کیسے یہ کرسکتا ہوں میں نئی لیڈرشپ پیدا کرسکتا ہوں مگر اس کے لیے وقت درکار ہے''

''گاندھی جی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے دوستوں کو سمجھاتے تھے جب لوگ نہیں مانتے تھے تو وہ خاموش ہوجاتے تھے اور لوگوں پر معاملات کو چھوڑ دیتے تھے کہ وہ خود اسے حل کریں اور تجربہ حاصل کریں'' (ناموران علی گڑھ ص 129)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے مہاتما گاندھی اور مولانا آزاد جیسے مضبوط و مستحکم قائدین بھی باد مخالف کے مقابلے سے عاجز اور بے بس ہو گئے تھے۔

سردار پٹیل اور جواہر لال نہرو تو ابتداء ہی مرحلہ میں تقسیم ملک کے پر جوش حامی ہو گئے تھے تعجب تو اس بات پر ہے کہ مہاتما گاندھی بھی فرقہ پرستی کی بہتی گنگا جمنا میں ہاتھ دھونے لگے ڈاکٹر صاحب جیسا نیشنلسٹ لیڈر بھی مسٹر جناح کو تقسیم ملک کا ذمہ دار قرار نہیں دیتا ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالباری مشہور صحافی اور جی ایس پی جی کالج سلطان پور میں شعبہ اردو کے صدر ہیں موصوف نے ڈاکٹر صاحب سے بڑا اہم انٹرویو لیا تھا جس سے تقسیم ملک کے مسئلے پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے اور یہاں ایک نیا رخ سامنے آتا ہے یہاں پر انٹرویو کے بعض اجزاء کو نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''انہوں (ڈاکٹر سید محمود صاحب) نے میرے ایک سوال پر کہ آپ تقسیم ملک کا اصل ذمہ دار کس کو گردانتے ہیں فرمایا تھا کہ:

''میرا خیال ہے مسلم لیگ یا جناح نے نہیں بلکہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور چرچل نے پاکستان بننے کی راہ ہموار کی۔

ماؤنٹ بیٹن جب ہندوستان آئے تو انہوں نے حکمت عملی سے ہندوؤں میں شہرت و مقبولیت حاصل کر لی مگر یہی وہ شخص ہے جس نے پنجاب و بنگال کی تقسیم کرائی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہی نے کانگریس کے کچھ لیڈروں کو سمجھا بجھا کر پاکستان دینے پر راضی کیا اور ان لیڈروں نے گاندھی کو راضی کرنے کی کوشش کی جناح شروع ہی میں پاکستان کو موجودہ صورت میں لینے کے سخت خلاف تھے انہوں نے اپنی مشہور اسپیچ میں کہا تھا (To Tak Truncated Pakistan) یعنی میں نے کٹے پھٹے پاکستان کو لینے سے انکار کر دیا۔

مگر بعد میں وہ بھی جھک گئے ڈاکٹر محمود کا خیال تھا کہ جناح اچھے مدبر و سیاستداں نہیں تھے لیکن وکیل بہت اچھے تھے مسلمانوں کے کیس کو وکیل کی حیثیت سے لے کر لڑے اور مدبر کی حیثیت سے ان کے معاملات کی پیروی نہیں کی چنانچہ تقسیم کے بعد جو بلوہ فساد اور قتل و غارت گری منظر عام پر آئی اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور ان خبروں کو سن کر تاسف کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ مجھے کیا خبر تھی کہ آزادی کے بعد یہ مشکل پیدا ہوگی۔

دراصل جناح خود تقسیم نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ کانگریس کے ساتھ عدم تعاون کی سخت روش اپنا کر مسلمانوں کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات کا سودا کرنا چاہتے تھے۔ دھیرے دھیرے کانگریسی لیڈروں کی روش کے سبب وہ اپنے مطالبہ پاکستان میں سخت سے سخت ہوتے گئے۔

میں اس زمانہ میں بانکی پور سے دہلی آیا ہوا تھا تقسیم ملک کی خبریں زوروں پر گرم تھیں۔ میں نے اس صورت حال کی سخت مخالفت کی مگر بعد میں یہ معلوم کر کے حیران رہ گیا کہ جواہر لال بھی اس پر راضی ہو گئے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہم لوگ جیل سے تھک گئے تھے اب اور دن وہاں زندگی گزارنا نہیں چاہتے تھے یا کچھ لوحکومت کا مزا چکھ چکے تھے۔ اس لیے بہ عجلت تقسیم پر راضی ہو گئے مگر میرے خیال میں جواہر لال نہرو جیسے آدمی کو اس پر راضی ہونے کے لیے کوئی اور طاقتور بات ہونی چاہیے! اس لیے کہ ان کا بدل جانا حیرت انگیز ہے چنانچہ میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ ماؤنٹ بیٹن نے ان جیسے لوگوں کو سمجھایا کہ پاکستان تو ختم ہو ہی جائے گا اس لیے کہ جو فوج وہ لے جائیں گے وہ ملک کو باقی رکھنے کے لیے اور جو ملک وہ لے جائیں گے وہ فوج باقی رکھنے کے لیے کافی نہ ہوگا (ماہنامہ دوام ٹانڈہ مئی 1970ء)

وفات:

ڈاکٹر سید محمود صاحب مظلوم لیڈر تھے وہ 82 سال تک اسلامی درد، مسلمانوں کی بہبودی، ترقی اور خوشحالی کے خواب اپنے ذہن میں بسائے مسلمانوں میں گھومتے رہے لیکن مسلمانوں نے انہیں دکھ، تکلیف اور ذہنی اذیتوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ مگر اس مرد مجاہد نے کبھی شکایت نہیں کی اور کبھی فریادوں اور گلہ مندیوں کی ضرورت نہیں سمجھی وہ ایک عظیم اور لامحدود سمندر کی طرح خاموش اور اپنی تہہ کے بیش بہا خزانوں کے تصور سے مست اور مطمئن رہے۔ خاموشی اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اپنا فرض نباہتے ہوئے دار فانی سے دار جاودانی کی طرف کوچ کر گئے اور شاہ ولی اللہ کے پہلو میں آسودہ راحت ہو گئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITABISTAN.COM

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند ومولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے نامور تلامذہ میں تھے موصوف اپنی گرانقدر علمی وسیاسی خدمات کی بناپر ہندوستان کے گنے چنے علماء اور سیاسی قائدین میں شمار کئے جاتے تھے۔

ولادت اور تعلیم:

مولانا حفظ الرحمٰن 10 جنوری 1901ء بمطابق 1318ھ میں مشہور قصبہ سیوہارہ محلہ مولویان ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔

آپ کا اصل نام معزالدین' تاریخی اسم حفظ الرحمٰن' کنیت ابوالقاسم اور لقب مجاہد ملت تھا آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی الحاج مولوی شمس الدین صدیقی تھا مولوی شمس الدین صدیقی نہایت صالح اور نیک سیرت خاندانی بزرگ تھے اور علماء حق کے قدردان وگرویدہ!

مولانا حفظ الرحمٰن کی مکتبی تعلیم وتربیت رواج زمانہ کے مطابق گھر کے بزرگوں کے زیر سایہ ہوئی اور موجودہ درس نظامی کی تعلیم وتکمیل جامعہ قاسمیہ مراد آباد اور مدرسہ فیض عام سیوہارہ میں ہوئی۔

مجاہد ملت نے سند حدیث اور علم حدیث کی خاطر دارالعلوم دیوبند کا سفر کیا حسن اتفاق سے اس وقت دارالعلوم دیوبند انور شاہ صاحب کشمیری کے نغموں سے گونج رہا تھا شاہ صاحب کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ ' حافظ محمد احمدؒ مولانا اصغر حسین اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے یگانہ عصر علماء ومشائخ مسند درس وتدریس پر رونق افروز تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب شاہ صاحب کے درس حدیث میں ایک متلاشی حدیث کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے موصوف شاہ صاحب جیسے بحر زخار کے علوم وفنون سے مستفیض ہونے لگے اور بہت جلد شاہ صاحب کی نگاہوں میں آگئے اب تو مولانا حفظ الرحمٰن کا شمار شاہ صاحب کے مخصوص تلامذہ میں ہونے لگا۔

درس وتدریس:

مولانا حفظ الرحمٰن مجاہد ملت پر وہی تحقیقی وتدریسی رنگ تھا جو مولانا انور شاہ صاحب کے شاگردوں کا تحقیقی وتدریسی رنگ ہوا کرتا تھا۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ کلکتہ' جامع اسلامیہ ڈابھیل اور دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم دینی درسگاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے موصوف میدان سیاست کی طرح درس وتدریس کے میدان میں بھی نمایاں وممتاز تھے۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم لکھتے ہیں:۔

''مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ڈابھیل آئے اور طبقہ علیا کی کتابوں کا درس دینے لگے طبیعت ایسی رسا اور ذہن پائی تھی کہ یہاں ہر فن کی اونچے درجہ کی کتاب پڑھایا کرتے تھے اور یہ کہنا مشکل تھا کہ انہیں سب سے زیادہ مناسبت کس فن سے ہے''

مشہور صحافی مولانا سید ازہر شاہ قیصر مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حدیث وتفسیر کی اعلیٰ کتابیں ان کے زیر تدریس تھیں اور خاص شفقت ومحبت سے پڑھاتے تھے طلباء کی بڑی جماعت ہوتی تھی اور سب اس شیوا بیان مدرس کی تقریر پر فدا تھے''

سیاست:

مجاہد ملت میدان تدریس میں اپنے جوہر دکھا رہے تھے اور تشنگان علوم آپ کے فیضان علم سے خوب خوب سیر ہو رہے تھے کہ اچانک ملک کو آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی ضرورت پیش آئی اور آپ کے اسلاف کی جمعیۃ علماء ہند نے آپ کو آواز دی تو آپ اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان سیاست میں کود پڑے آپ کے میدان سیاست میں آتے ہی 1930ء جمعیۃ علماء ہند کا عظیم الشان اجلاس ہوا اس اجلاس میں مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ مولانا محمد علی جوہر' مولانا شوکت علی' مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے بلند پایہ قائدین شریک تھے اور تحریک آزادی وطن میں جمعیۃ علماء ہند کے موقف ونظریہ کے تعین کا اہم سوال درپیش تھا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علیؒ کی رائے کے خلاف مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے پورے جوش وولولہ کے ساتھ اپنا نقطہ نظر واضح فرمایا کہ جمعیۃ علماء کو آزادی وطن کی راہ میں کھلے بندوں انڈین نیشنل کانگریس کا ساتھ دینا چاہیے اور بلا شرط تعاون کرنا چاہیے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی اس تجویز کی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے پرزور تائید کی اور یہی اجلاس کا متفقہ فیصلہ قرار پایا۔

قید وبند:

مجاہد ملت نے جنگ آزادی میں قید وبند کی صعوبتیں و تکلیفیں برداشت کیں وہ ایک جانباز و جانفروش مجاہد کی طرح انگریزوں سے لڑتے رہے اور فتحیاب ہوئے۔

مجاہد ملت کی زندگی خدمت خلق سے عبارت ہے لیکن ان کا تاریخی اور عہد ساز کارنامہ 1947ء کے ہنگاموں اور شورشوں کے بعد شروع ہوتا ہے جبکہ انسان نما درندے اور بھیڑیئے بے بس مسلمانوں پر بڑی بے دردی سے حملہ آور ہوتے‘ ان کو تہہ تیغ کرتے حتیٰ کہ ان کے معصوم بچوں کو دیواروں پر مار مار کر فنا کی گھاٹ اتارتے اور ان کی جوان عورتوں کو اٹھا لے جاتے‘ ان کی عصمت دری کرتے‘ زبردستی ان کو اپنے گھروں میں رکھتے‘ اور ان کے ساتھ انسانیت سوز حرکتیں کرتے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن مولانا انیس الحسن ہاشمی‘ مولانا فقیہہ الدین مولانا وحید الدین قاسمی‘ مولانا عبدالحق قادری سورت‘ مولانا محمد عاقل الہ آبادی محمد احمد ایڈووکیٹ‘ ڈاکٹر احمد حسن عثمانی‘ حافظ محمد نسیم بٹن والے‘ حاجی حشام الدین‘ قاضی اکرام اور علی محمد شیر میوات جیسے مخلص رفیقوں اور جان فروش کارکنوں کے ساتھ مسلمانوں کی حفاظت‘ اجڑے ہوئے مسلمانوں کی آبادی لٹے ہوئے قافلوں کے قدم جمانے اور اغواء شدہ عورتوں کی بازیابی کے لیے شب وروز دیوانہ وار جدوجہد فرماتے اور اس سلسلہ میں کبھی پنڈت جواہر لال اور مولانا آزاد کی کوٹھی پر ہیں تو کبھی گاندھی کی روبرو داستان درد والم سُناتے نظر آتے تھے۔

مشہور صحافی محمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مجھ سے کہا کہ ایک روز میں نے گاندھی جی سے کہا کہ مسلمانوں کی حفاظت کا نظم اطمینان بخش نہیں ہے کوئی صورت اس کے سواء سمجھ میں نہیں آتی کہ مسلمانوں کو عام ہجرت کا مشورہ دیدیا جائے جیسا کہ پنجاب میں ہوا گاندھی جی نے جواب

دیا کہ غیر معمولی حالات میں ہمت کو نہیں چھوڑنا چاہیے! کام کرتے رہنا چاہیے کچھ نہ کچھ تو نتیجہ نکلے گا ہی۔

سردار پٹیل گاندھی جی کو سمجھانے گئے جبکہ وہ مرن برت رکھے ہوئے تھے گاندھی جی لیٹے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھے اور بولے تم وہ پٹیل نہیں ہو جس کو میں اتنے زمانہ سے جانتا ہوں‘‘

(ٹوٹے ہوئے تارے ص198)

حق گوئی:

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن حق گو‘ صاف گو بہادر انسان تھے آپ بولنے پر آتے تو (خواہ پارلیمنٹ میں ہوں یا کسی دینی جلسہ میں) پورے زور کے ساتھ اور مدلل بات کرتے‘ مخالفین بھی زور استدلال سے ششدر و حیران رہ جاتے اور موافقین بھی واہ واہ کہتے!

سوچیتا کہ پلانی ممبر پارلیمنٹ نے جب یہ کہا کہ:

’’حکومت مسلمانوں کی پاسداری کرتی ہے تو مولانا حفظ الرحمٰن نے فوراً غصہ سے بھری ہوئی تقریر کی اور کہا کہ آپ کا تو یہ حال ہے کہ آصف علی گورنر اڑیسہ کے مکان کو گورنمنٹ کسٹڈی میں لے لیا کہ یہ پاکستانی کا مکان ہے۔

’’اور ڈاکٹر انصاری جیسے جلیل القدر لیڈر کے مکان کو بحق کسٹوڈین ضبط کیا گیا کہ یہ پاکستانی کا مکان ہے حالانکہ اس کے وارث شوکت اللہ انصاری ترکی میں حکومت کے سفیر ہیں‘‘ (ٹوٹے ہوئے تارے ص199)

جوش خطابت:

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایک شعلہ بیان مقرر اور ولولہ انگیز خطیب تھے آپ کی زور خطابت سے دوست اور دشمن دونوں ہی مرعوب تھے آپ بے پناہ بولتے تھے۔

لال بہادر شاستری نے ٹاؤن ہال کے تعزیتی جلسہ میں کہا تھا۔

’’مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد گزشتہ 30۔40 برسوں میں حفظ الرحمٰن سے زیادہ اچھی اور سلجھی ہوئی تقریر کرنے والا میں نے نہیں دیکھا‘‘

مشہور صحافی ماہر القادری مرحوم نے لکھا تھا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

"تقریر وخطابت میں وہ (مولانا حفظ الرحمٰن صاحب) آپ اپنا جواب تھے شعلہ نوا بھی اور شبنم افشاں بھی!

تقریر وخطابت اور ذہانت میں مولانا آزاد سے کم مگر دینی شغف اور ارکان شریعت کی پابندی میں ان سے بڑھ کر"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی زور خطابت، قوت بیان اور قوت استدلال کا صحیح تذکرہ کرنے کے لیے لکھنو کانفرنس، انڈین مسلم کنونشن اور پارلیمنٹ کی تقریروں کو ملاحظہ فرمانا ضروری ہے۔

مولانا نے 1947ء میں آزاد کانفرنس میں فرمایا۔

"جو حالات ہمارے سامنے ہیں کہ انسان خود انسان کے خون کا پیاسا ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان کو کن الفاظ سے تعبیر کریں، وحشت اور درندگی کا لفظ کافی نہیں ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وحشت اور درندگی اس حالت سے شرم کر رہی ہے۔

شیر اور بھیڑیئے جو سب سے زیادہ وحشت ناک درندے مانے جاتے ہیں وہ دوسرے جانوروں کا خون چوس کر درندگی کی پیاس بجھاتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو وہ بھی نہیں پھاڑتے یہ حضرت انسان ہی ہیں کہ خود اپنے ہم جنس بچوں اور عورتوں اور کمزور انسانوں کو ذبح کرتے ہوئے نہیں شرماتے"

آپ نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ کیا بزدلی ہے کہ تم در و دیوار سے وحشت زدہ ہو تم خود اپنے سایہ سے ڈرتے رہتے ہو"

اگر تم کل تک بہادر تھے تو آج بزدل کیوں ہو گئے اسلام اور بزدلی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بزدل نہیں ہو سکتا مسلمان حق بات کہنے میں ہمیشہ دلیر ہوتا ہے۔

خوف وہراس، بزدلی اور نامردی کو دل سے نکال دو یہاں سے عہد کر کے جاؤ کہ ہر ایک ناانصافی کا مقابلہ ڈٹ کر کریں گے بیشک ہم وفادار ہیں مگر ہم مادر وطن کے وفادار ہیں، وفاداری کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ ہم کسی کلکٹر یا کسی سرکاری افسر یا وزیر کے فعل پر کسی قسم کی نکتہ

چینی نہیں کر سکتے۔ وہ زمانہ ختم ہو گیا کہ حکام کی چاپلوسی کو وفاداری کا معیار قرار دیا جاتا تھا۔

تصنیف وتالیف:

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا خصوصی کمال یہ تھا کہ اتنی ہنگامہ خیز سیاست میں سرگرم ہونے کے باوجود ایک بلند پایا مصنف اور صاحب طرز ادیب بھی تھے۔ آپ کے قلم سے کچھ ایسی کتابیں منصۂ شہود پر آئی ہیں جو تحقیقی وادبی اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہیں اور جن کو منصۂ شہود پر لانے کے لیے انتہائی یکسوئی اور پرسکون زندگی کی ضرورت ہے حضرت مولانا کی تصنیفات میں۔

قصص القرآن:

قصص القرآن بہت ہی زیادہ خصوصیت اور اہمیت کی حامل ہے جس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم قدیم عربی مواخذ ومصادر کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی جدید تصنیفات وتالیفات کے محاسن اور عیوب سے بھی صرف آگاہ ہی نہیں بلکہ علامہ شبلی نعمانی، مولانا سلیمان ندوی اور سید امیر علی کی طرح ناقد بھی ہیں۔

موصوف اسلام اور اسلامی امور پر مستشرقین کی طرف سے کی گئیں جارحانہ تنقیدوں وتنقیصوں کا اس طرح دندان شکن جواب دیتے ہیں کہ ان کے تمام بے سروپا شکوک وشبہات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں۔

راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی میں ہی قصص القرآن کے اجمالی مطالعہ کا شرف حاصل ہو گیا تھا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ قصص القرآن مولانا عبدالمعبود صاحب قاسمی سابق استاذ مدرس ریاض العلوم ساٹھی کے مطالعہ میں رہتی تھی تو میں کبھی کبھی اس کو الٹ پلٹ کر دیکھ لیا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت کی کوئی قابل ذکر بات، یاد نہیں بس ایک نقش ماضی اب بھی ذہن پر محفوظ ہے البتہ قیام دار العلوم دیو بند میں قصص القرآن کا استعاب دیکھنے کا موقع ملا جس سے راقم الحروف متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

اسلام کا اقتصادی نظام:

اسی طرح اسلام کا اقتصادی نظام میں بھی خداوندان ملکوں کے پرفریب نعروں کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام لکھنے کی اصل وجہ۔ یہ پیش آئی کہ مولانا حفظ الرحمٰن اور مفتی عتیق

WWW.KITABISTAN.COM

الرحمٰن عثمانی ایک عرصہ تک کلکتہ میں رہے ہیں اور بنگال بھی ہندوستان کا دوسرا روس ہے۔ لہٰذا وہاں اس قسم کے مسائل اکثر سامنے آتے رہتے تھے اور مولانا مدلل جوابات سے سامعین کو مطمئن کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ مولانا شاہ محمد عثمانی لکھتے ہیں:۔

’’کلکتہ میں کمیونسٹوں کا زور بہت زمانہ سے رہا ہے اس لیے سوالات اٹھتے رہتے تھے کہ معاشی مسائل کا حل اسلام میں کیا ہے ہمارے ساتھی مولانا حفظ الرحمٰن سے پوچھتے تھے۔ مولانا اس کا تشفی بخش جواب دیتے تھے کبھی کبھی فقہ کی کتابیں نکال کر حوالے بھی دکھاتے مولانا سے ہمارے دوستوں نے کہا کہ اردو میں اسلامی نظریہ معیشت پر کوئی کتاب نہیں ہے۔ کیا اچھا ہوتا اس پر آپ کوئی کتاب لکھ دیتے۔ چنانچہ مولانا نے کلکتہ چھوڑنے کے بعد اسلام کا اقتصادی نظام کے نام سے ایک کتاب لکھی اور وہ ندوۃ المصنفین سے شائع ہوئی۔

مولانا مرحوم کی دوسری تصنیفات بھی بہت ہی اہم ہیں اور جو حسب ذیل ہیں۔

’’اخلاق و فلسفہ اخلاق‘‘، ’’نور البصر فی سیرت خیر البشر طبع طیب پبلشرز لاہور‘‘، ’’بلاغ مبین‘‘، ’’حفظ الرحمٰن المذہب النعمان‘‘۔

وفات:

مولانا حفظ الرحمٰن کینسر کے موذی و مہلک مرض میں ایک زمانہ سے گرفتار تھے ڈاکٹروں کے مشوروں سے امریکہ گئے لیکن صحت قسمت میں نہ تھی ہندوستان واپس آگئے۔ 20 اگست 1962ء کو صبح 4 بجے روح بے قرار قفس عنصری سے آزاد ہوگئی اور جسد خاکی کو حضرت شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللہ کے مزارات سے بالکل متصل دفن کر دیا گیا...... رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا محمد اکبر خانؒ

مولانا محمد اکبر خان ہندوستان کی جنگ آزادی کے جان فروش مجاہد اور لیڈر تھے آپ نے برطانوی سامراج کے خلاف زبردست جنگ کی اور قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اور آزادی وطن کے بعد بھی جلاوطنی کی زندگی گزاری۔

جائے ولادت:

مولانا محمد اکبر خان ضلع ہزارہ کے ایک کھاتے پیتے علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ 15 مارچ 1920ء میں ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولوی محمد حسن بفا تھا وہ ایک دیندار اور بلند اخلاق انسان تھے۔

مولانا محمد اکبر خان نے ابتدائی تعلیم وطن بفا میں حاصل کی پھر کچھ باشعور ہوئے تو دہلی آئے اور دہلی کے قدیم مدرسہ عالیہ فتحپوری میں داخل ہوگئے اور مدرسہ عالیہ فتحپوری کے باصلاحیت اساتذہ سے کسب فیض کرنے لگے اور دارالعلوم دیوبند کے فیض و برکات سے بھی خوب خوب سیراب ہوتے رہے آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اپنے آبائی وطن بفا واپس ہوگئے۔

علم و فضل:

مولانا محمد اکبر خان مرحوم کا شمار دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اور جید الاستعداد علماء اور فضلاء میں ہوتا ہے آپ قرآن و حدیث کے زبردست عالم دین تھے آپ کو خاص طور پر منطق و فلسفہ میں ملکہ راسخہ حاصل تھا آپ اگر درس و تدریس میں لگے ہوتے تو اپنے عہد کے مشہور اور ماہر فن استاد ثابت ہوتے لیکن آپ کی تمام تر فطری صلاحیت اور تدریسی لیاقت سیاست کی نذر ہوگئی اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں آپ کا زمانہ ہی سیاسی ہنگاموں کا عہد تھا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

کانگریس میں شمولیت:

مولانا محمد اکبر خان کو یہ امتیازی شان حاصل ہے کہ آپ نے بفا ضلع ہزارہ میں نیشنل کانگریس سے لوگوں کو روشناس کرایا آپ ابھی ابھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان مرحوم کے مشورہ سے کانگریس میں شامل ہو گئے اور اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر بہت جلد ضلع کانگریس کے صدر منتخب ہو گئے۔

سرحدی گاندھی اور خدائی خدمتگاروں پر مظالم:

مولانا اکبر خان صوبہ سرحد میں ممتاز حیثیت کے لیڈر تھے۔ سرحدی گاندھی کے قریبی سیاسی رفیق اور محرم راز کی حیثیت سے ملک اور بیرون ملک میں جانے پہچانے جاتے تھے آپ اور سرحدی گاندھی آزادی وطن سے پہلے انگریزوں کے مصائب و آلام کا شکار رہے اور تقسیم ملک کے بعد بھی اپنے ہی ہم وطنوں کے ہاتھوں تکالیف و مصائب کا شکار ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

قیام پاکستان کے بعد سرحد میں خدائی خدمتگاروں پر مصائب و آلام کی داستان محتاج تفصیل نہیں جبکہ حکومت پاکستان مختلف حیلوں اور بہانوں سے خدائی خدمتگاروں کو موت کے گھاٹ اتار رہی تھی اور خان عبدالغفار خان اور مولانا محمد اکبر خان جیسے دردمند قائد تڑپ رہے تھے۔ اور پاکستانی حکومت سے خدائی خدمتگاروں کے لیے صرف جینے کا حق مانگ رہے تھے جس کے لیے حکومت پاکستان تیار نہ تھی۔

مولانا محمد اکبر خان ان دنوں اپنے وطن بفا میں تھے اور پاکستانی حکومت آپ کی سیاسی سرگرمیوں سے خوب آگاہ تھی اور ہر وقت آپ کے تعاقب میں تھی۔ ایسی صورت حال میں آپ نے ضروری خیال کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ پاکستان سے نکل کر صوبہ سرحد میں ہونے والے واقعات اور مظالم سے دنیا کو باخبر کریں اور خدائی خدمت گاروں کے حق میں آواز بلند کریں دوسرے ممالک میں اس کا پروپگنڈہ کریں اور مجلس اقوام متحدہ تک ان کی آواز کو پہنچائیں اور پختونستان کے حق میں بین الاقوامی رائے عامہ کو ہموار کریں اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آپ بڑی ہی دانشمندی سے روپوش ہو کر بفا سے پشاور پہنچے۔ وہاں سرحدی

گاندھی خان عبدالغفار خان سے تبادلہ خیال کیا اگرچہ اس وقت پاکستان گورنمنٹ آپ کے ارادوں کو بھانپ چکی تھی اور پاکستانی پولیس بھی حرکت میں آ چکی تھی مگر کوئی چیز آپ کو نہ روک سکی اور آپ تمام خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہو گئے۔

ہندوستانی لیڈروں سے ملاقاتیں:

مولانا محمد اکبر خان مرحوم ہندوستان آنے کے بعد ہندوستان کے چوٹی کے لیڈرون سے ملاقتیں کیں اور سرحد میں خدائی خدمت گاروں پر ہونے والے مصائب والآم کی تفصیلات سنائیں اوران کی ہمدردیاں حاصل کیں۔

کل ہند پختون جرگہ:

مولانا محمد اکبر خان نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز ہندوستان ہی کو بنایا ہندوستانی لیڈروں نے بھی غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا مولانا محمد اکبر خان نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور تمام سرحدی پختونوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی جدوجہد کی۔ آپ نے اسی اہم مقصد کی خاطر ”کل ہند پختون جرگہ“ کے نام سے پختونوں کی ایک جماعت کی بنیاد رکھی ہندوستان جہاں ہزارون پختون آباد تھے وہ سبھی پختون جرگہ کی زیر قیادت جمع ہو گئے اورانہوں نے مولانا محمد اکبر خان پر بڑا اعتماد و بھروسہ کیا اور جانی و مالی تعاون دینے کی یقین دہانی کرائی۔

مختلف غیر ملکی اسفار:

مولانا محمد اکبر خان مرحوم ہندوستان میں پختون جرگہ کو مستحکم کرنے کے بعد مختلف ملکوں کے دورے کئے آپ سنگاپور' سیام' ملایا' انڈونیشیا برطانیہ' سعودیہ عربیہ اور مصر وغیرہ ممالک تشریف لے گئے اور وہاں کے سربراہوں سے گفتگوئیں کیں۔ اوران کے سامنے سرحد کے خدائی خدمت گاروں پر کئے گئے مظالم ومصائب کی تفصیلات بیان کیں اور خان عبدالغفار خان کی رہائی کی خاطر دستخطوں کی مہم چلائی آپ نے ہندوستان اور دوسرے ممالک سے بیس لاکھ لوگوں سے دستخط حاصل کئے جن میں عوام کے علاوہ ان ممالک کے سربرآوردہ حضرات بھی شامل تھے جس سے مجبور ہو کر حکومت پاکستان نے سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان اور خدائی خدمت گاروں کو رہا کیا۔

WWW.KITABISTAN.COM

صحافتی زندگی:

مولانا محمد اکبر خان اردو فارسی پشتو اور عربی کے بڑے ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ آپکی صحافتی زندگی بھی بہت ہی اہم رہی ہے۔ آپ کئی اہم اور موقر اخباروں کے مدیر رہے۔ اور آپ نے خود بھی ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار ''پختونستان'' نکالا تھا۔ جو ہندوستان اور عرب ممالک میں بہت مقبول ہوا۔ یہ اخبار صوبہ سرحد اور خدائی خدمت گاروں کا ترجمان تھا۔ اور اس کے بعد آپ نے ہفت روزہ ''صداقت' ہفت روزہ ''یقین'' اور ایک اور یومیہ اخبار نکالا۔ ان تمام اخباروں کے مالک اور مدیر آپ ہی تھے۔

مولانا محمد اکبر خان ایک ایماندار اور اصول پسند صحافی تھے۔ آپ نے تمام صحافتی ذمہ داریوں کو بحسن خوبی انجام دیا۔ اور میدان صحافت میں ایک مجاہد کی حیثیت سے کھڑے رہے اور ایمان فروشوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

عادات وخصائل:

مولانا محمد اکبر خاں موحوم بڑے خلیق ملنسار متواضع اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ آپکی ہر دلعزیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ پٹھانوں کے محبوب لیڈر تھے۔ اور پٹھان جیسی جذباتی قوم بھی آپ پر اعتماد بھروسہ کرتی تھی اور آپ کے اخلاق وکردار سے بے حد متاثر تھی۔

مولانا کی شہادت:

مولانا اکبر خان کی شہادت 1963ء میں دہلی میں ہوئی آپ دارالعلوم دیوبند جانے کے لئے دلی ریلوے اسٹیشن گئے ٹکٹ خرید لیا چونکہ گاڑی میں کافی دیر تھی۔ اس وجہ سے آپ دلی اسٹیشن سے پھاٹک حبش خاں آ گئے۔ اور وہاں اپنے کسی دوست سے ملنے کے لئے مسجد رمضان شاہ کے سامنے گلی میں ایک بڑی مکان میں داخل ہوئے اور داخل ہوتے ہی مکان گر پڑا جس میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی۔ اور آپ کیساتھ کئی لوگ شہید ہوئے اور ان میں قابل ذکر قومی ولی کارکن علیم الدین صاحب بھی تھے۔ جن کو شہادت نصیب ہوئی اور آپکو قبرستان مہندیان میں لایا گیا اور احاطہ شاہ ولی اللہ میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کا مزار شاہ ولی اللہ کے مزار سے تقریبا 60 میٹر کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے۔ آپ کے مزار کے قریب مختلف بااثر حضرات کی پختہ قبریں ہیں۔

مفتی عتیق الرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ

ولادت اور تعلیم:

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی ولادت 1319ھ میں دیوبند میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی ہیں جو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ طریقت تھے۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے 9 سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور جملہ علوم وفنون دارالعلوم دیوبند میں حاصل کئے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مولانا حافظ محمد احمد اور مولانا اصغر حسین رحمہم اللہ شامل ہیں۔

دارالعلوم سے فراغت تعلیم کے بعد دو سال دارالعلوم دیوبند میں ہی بحیثیت معین خدمت تدریس انجام دی۔ اس کے بعد دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک درس وتدریس اور فتاوی نویسی کے فرائض انجام دیئے۔

تحریک آزادی:

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی تحریک استخلاص وطن کے جلیل القدر مجاہد تھے۔ آپ کی مجاہدانہ زندگی کا آغاز ان کے اس اہم فتوے سے ہوا جو انہوں نے مہاتما گاندھی کی فرمائش پر دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل میں لکھا تھا اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ جب مہاتما گاندھی جی نے انگریزوں کے خلاف ڈانڈی مارچ شروع کیا تو مفتی صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ ڈابھیل سے ڈانڈی مہاتما گاندھی سے ملنے گئے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کا بیان ہے کہ:

''ہم گاندھی جی کے پاس پہنچے تو وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بڑی خندہ پیشانی سے کہا آؤ'' مولانا'' پھر ہم سے بیٹھنے کو بھی کہنے سے پہلے انہوں نے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آنحضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ'' پانی'' گھاس' نمک پر ڈیوٹی نہیں میں

نے اس کی تصدیق کی تو وہ اور خوش ہوئے اور دیر تک کرید کرید کر تفصیل پوچھتے رہے میں نے تفصیلات بیان کیں تو انہوں نے کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ انہیں لکھ کر بھیجیں ہم سب وہاں دن بھر رہے اور واپس آنے کے بعد لکھ کر بھیج دیا'' (مفکر ملت نمبر ص 346)

جب برطانوی حکومت نے ان مجاہدین کی جائیدادوں کو بحق سرکار ضبط کرنا شروع کر دیا جو اس وقت نمک سازی کی تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔

تو مفتی صاحب نے فتوی دیا کہ ان جائیدادوں کو خریدنا جائز نہیں اس فتوے سے جہاں تحریک میں جان پڑی وہاں حکومت بوکھلا گئی اور مفتی صاحب کے خلاف وارنٹ جاری کر دیا اور آپ کو ڈابھیل کی ملازمت ترک کرنی پڑی۔

انسانی ہمدردی:

مفتی صاحب حقیقی معنی میں انسانی اخوت اور خدمت خلق کا بہترین مجسمہ اور اور نکھرا ہوا نمونہ تھے۔ مفتی صاحب کی عظمت کا سب سے جدا اور منفرد پہلو یہ تھا کہ ان سے گفتگو کرتے وقت متکلم کو اپنی بڑائی اور عظمت کا احساس ہونے لگتا تھا حضرت مفتی صاحب مخاطب سے کچھ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ اس میں یہ اعتماد ابھرتا تھا کہ وہ بھی کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ مفتی صاحب خودستائی وخود بینی جیسی کمزوریوں میں مبتلا نہ تھے وہ اپنی ذات کے بارے میں بہت ہی کم بات کرتے تھے لیکن دوسروں کی شخصیت کے بارے میں اس قدر دلچسپی لیتے تھے جیسے وہ کسی عظیم اسکالر اور قد آور شخصیت کا مطالعہ کر رہے ہوں اپنے سے چھوٹوں کے سامنے بھی وہ اس طرح بچھ جاتے کہ شرمندگی ہوتی تھی بڑی محبت سے ہر ایک سے ملتے سب کی دکھ درد سنتے' اپنی استطاعت کی حد تک پریشانی دور کرنے کی کوشش بھی فرماتے۔ اپنے گھر میں ہوں یا کسی اجتماع میں یا سر راہ ان کی وضعداری اور محبت میں کبھی فرق محسوس نہیں ہوتا مفتی صاحب بڑے وضعدار قسم کے بزرگ تھے۔ مرحوم اپنی وضعداری مروت اور رکھ رکھاؤ کی وجہ سے زہر کے گھونٹ بھی مسکراتے ہوئے پی جاتے تھے اور ازلی دشمنوں اور سیاسی حریفوں سے اس طرح ملتے جسے ان سے ملنا خضر ومسیحا کی ملاقات سے بہتر ہو ان کی وضعداری ہی تھی کہ تادم آخر کانگریسی رہے لیکن کانگریسیت کے ساتھ ساتھ سیاسی میدانوں میں ان کا رشتہ مختلف رجحانات کے لوگوں سے رہا۔

میدان سیاست:

مفتی صاحب سیاسی لیڈر ہی نہ تھے لیڈروں کے لیڈر تھے لیکن عام کانگریسی کی طرح کسی بڑے حکمران سے گفتگو کرتے ہوئے کانپتے اور تھراتے نہیں تھے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے مجھے متعدد قومی رہنماؤں نے بتایا کہ ایک کانفرنس میں جس میں آنجہانی اندرا جی بھی شریک تھیں۔ اندرا جی نے بنگلہ دیشی مسلمانوں سے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تو مفتی صاحب نے برجستہ اسی مجلس میں اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ آج کل ہماری محترمہ وزیر اعظم کو بنگلہ دیشی مسلمانوں سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی ہوگئی ہے۔ مفتی صاحب باوجود بڑے کانگریس لیڈر ہونے کے سودے بازی اور نعرہ لگانے کے فن سے کورے تھے۔ اگر مفتی صاحب چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ ان کو بآسانی مل سکتا تھا لیکن ان کی وضعداری تھی کہ کبھی سرکاری عہدہ کا لالچ نہیں کیا۔

تحریر وتقریر:

مفتی صاحب تحریر وتقریر کے میدان کے کامیاب شہسوار تھے زبان وقلم میں بلا کی شگفتگی ودلآویزی تھی آپ کی تقریروں میں علم وروحانیت فکر وبصیرت اور تحقیق وکاوش کے جوہروں کے ساتھ ساتھ ادب کی چاشنی اور اسلوب کی دلآویزی چمکتی ودمکتی نظر آتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مفتی صاحب کو قدرت نے نثر نگاری کا جتنا صاف ستھرا ذوق دیا تھا ویسے ہی علمی حیثیت سے بھی بلند مقام عطا فرمایا تھا مگر انہوں نے اپنی زندگی کا تقریباً تمام تر حصہ چھوٹوں کو بڑا اور بڑوں کو اور بڑا بنانے میں صرف کر دیا۔

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت

بلاشبہ تاریخ میں ایسے بے لوث تعمیر پسند اور دوسروں کو ہر قدم اور ہر موڑ پر سہارا دینے والے کم ہی لوگ نظر آتے ہیں نہ جانے کتنے نوجوان ہیں جو صرف حضرت مفتی صاحب کی حوصلہ افزائی' امداد وتعاون کی بدولت صاحب قلم' صاحب تصنیف' اور علمی دنیا میں شہرت وعظمت کے حامل ہوگئے۔ اور مفتی صاحب نے خود کو انشاء پردازی کے میدان میں پیچھے رکھنے

WWW.KITABISTAN.COM

کی سعی کی اور شاذ و نادر ہی اور انتہائی مجبور کن حالات میں ہی کچھ لکھا خود ہی ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"1937ء کے اوائل میں جب ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا دوسرے رفقائے کار کے ساتھ میں بھی ایک بڑھیا قسم کی بلوری دوات اور عمدہ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام شروع بھی کر دیا تھا علامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" تشریحی نوٹوں کے ساتھ اور علامہ ابن الجوزی کی "صید الخاطر" کا ترجمہ ان ہی دنوں کی یادگار ہیں۔ لیکن جلد ہی یہ طے کر لیا کہ لکھنے پڑھنے والوں اور تصنیف و تالیف کے شہسواروں کی کمی نہیں۔ کمی جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ادارے کا انتظام کون چلائے اور کس طرح چلائے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کوتاہ قلم اور کم سواد انتظامات کے خرخشوں میں پھنس کر رہ گیا اور شروع کیے ہوئے کام یوں ہی ناتمام رہ گئے گزرے ہوئے دن واپس نہیں آتے اور اب افسوس کے علاوہ چارہ کار ہی نہیں ہے۔ (انتہی منار صدا ص 9)

مفتی صاحب ایک عظیم المرتبت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب ترین منتظم بھی تھے ان کی بے پناہ اور محیر العقول انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں ادارہ ندوۃ المصنفین ان کی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں اور حیرت انگیز کاوشوں کا ثمرہ ہے خدا حضرت مفتی صاحبؒ کے قائم کردہ اس ادارہ کو پروان چڑھائے۔

وفات:

مفتی عتیق الرحمان عثمانی 12 مئی 1984ء میں داعی اجل کو لبیک کہا اور مہندیان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر دار المدرسین سے چند قدم آگے بائیں جانب سر راہ ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

علامہ المامون الدمشقیؒ

مختصر تعارف:

• علامہ محمد المامون الارزنجانی الدمشقی" کا شمار اسلام کے مخلص مبلغوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ ارزنجان دمشق میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور نہ آپ کے ابتدائی حالات معلوم ہوئے اور نہ ملک شام چھوڑنے کی وجہ معلوم ہو سکی۔ خدا معلوم کس وجہ سے اہل وعیال کے اصرار کے باوجود کبھی وطن نہیں گئے اور مختلف ممالک جیسے جرمن، اٹلی اور ہندوستان میں مقیم رہے ہندوستان میں تقریباً بیس سال رہے۔ حیدر آباد میں زیادہ قیام رہا حیدر آباد میں محلہ نامپلی میں قیام رہا لیکن کوئی خاص مشغلہ نہیں تھا کبھی کبھی نشرگاہ حیدر آباد سے نشریاتی پروگرام میں عربی اناؤنسر بھی رہتے تھے۔ 1948ء میں چند سال جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں پروفیسر رہے پھر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں عربی کے استاد رہے وہاں سے دہلی کالج میں آئے اور عربی کے استاد رہے۔

ادبی ذوق:

علامہ محمد المامون عربی زبان کے ادیب تھے اور وہ ان کی مادری زبان تھی لغت فصحیٰ بولتے اور لکھتے تھے اور اس کے مبلغ تھے لغت عامیہ کے بہت خلاف تھے عربی زبان کے قادر الکلام شاعر بھی تھے آپ کے بہت سے قصائد غیر مطبوعہ اور مطبوعہ تھے عربی زبان کے علاوہ فارسی انگریزی جرمنی، اردو اور جاپانی زبان سے بھی بخوبی واقف تھے۔

تصنیف وتالیف:

علامہ مرحوم ایک بلند پایہ مصنف تھے آپ نے سیرت الرسولؐ پر ایک رسالہ رسول الثقلین کے نام سے لکھا تھا اور ادب میں المقامات الدکنیہ کے نام سے ایک مختصر مطبوعہ کتاب تھی ان کا غیر مطبوعہ ایک دیوان بھی تھا۔

WWW.KITABISTAN.COM

آخر میں مہاتما گاندھی کی سوانح عمری عربی میں لکھ رہے تھے معلوم نہیں یہ سوانح عمری مکمل ہو سکی یا تشنہ تکمیل رہی' مولانا آزاد کے انتقال پر بڑا پُر درد مرثیہ لکھا جو الجمعیۃ کے مولانا آزاد نمبر میں شائع ہوا ہے۔

ذوق تصوف:

علامہ محمد مامون الشامی علم روحانیت میں درک رکھتے تھے اور غیر مسلموں سے میل جول اور ان سے مذہبی اور خاص طور پر روحانیت واخلاقیات پر تبادلہ خیال کرتے تھے ان کو اسلام کی دعوت بھی دیتے تھے۔

روزانہ اپنی قیام گاہ سے گیارہ بجے نکل کر شہر کے مختلف علاقوں میں مختلف لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔

آپ مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی' مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی اور مولانا مفتی حفیظ الرحمن واصف مرحوم سے ملنے جاتے تھے یہ حضرات بھی آپ کے اخلاص ومحبت کی بڑی قدر کرتے تھے۔

مولانا آزاد اور مولانا ملیح آبادی سے آپ کا بڑا گہرا تعلق تھا مولانا ملیح آبادی جب آل انڈیا ریڈیوں کے شعبہ عربی سے وابستہ ہوگئے تو علامہ المامون سے بھی گاہ بگاہ تقریر کراتے تھے۔

عادات وخصائل:

علامہ المامون الشامی بڑے سادہ مزاج اور مجاہد انسان تھے آپ اپنے ساتھ فوجیوں کی طرح تھیلے رکھتے تھے جس میں چنے' ڈبل روٹی وغیرہ معمولی خورد ونوش کا سامان رکھتے سوکھی روٹی سے بھگو کر گڑ سے بھی کھاتے تھے حفظان صحت کے اصول کیمطابق خاص طور پر ہوا خوری کا ہر جگہ اہتمام رکھتے تھے۔ خوش مزاج اور باوضع انسان تھے بلا کے ذہین تھے بہت جلد ہر بات کو تاڑ لیتے تھے۔

وفات:

علامہ محمد المامون الشامی دہلی میں بیمار پڑے اور ان کو ارون ہسپتال میں داخل کرایا گیا 19 فروری 1960ء میں داعی اجل کو لبیک کہا غریب الوطنی کی موت ہوئی قبرستان مہندیان میں باب حفظ الرحمن کے قریب ہی دفن ہوئے خدا جزائے خیر دے شیر میوات کو کہ انہوں نے بڑا خوبصورت کتبہ لگا دیا ہے آپ کی قبر سے قریب ہی دائیں بائیں دو غیر معروف قبریں ہیں۔

چودھری مختار احمد خان

ولادت وتعلیم:

چودھری صاحب کی پیدائش 1916ء میں قصبہ ڈھلہ مراد آباد کے ایک صاحب ثروت زمیندار گھرانہ میں ہوئی۔ ان کے والد حاجی عبدالمجید صاحب مرحوم سی پی ڈبلیو ڈی میں انجینئر تھے اور لکھنو میں تعینات تھے۔ اس لیے چودھری صاحب کی تعلیم وتربیت لکھنو میں ہوئی اور وہیں سے گریجویشن کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم ایس سی 1937ء میں اعلیٰ نمبرات سے پاس کیا دور طالب علمی نہایت سادگی سے گزارا۔

ملازمت:

مزاجاً بہت سخت مگر طبیعت کے بے حد نرم واقع ہوئے تھے اگرچہ برطانیہ کی ملازمت مرغوب نہ تھی مگر والد صاحب کے اصرار پر یونین پبلک سروس کے اسسٹنٹ گریڈ کے امتحان میں شرکت کی اور پہلی ہی مرتبہ اعلیٰ و امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کرکے 1938ء میں سنٹرل بورڈ آف ریونیو میں اسسٹنٹ کی حیثیت سے جوائن کیا۔

اس دور میں ترقی کا معیار انگریز حکومت سے وفاداری تھا مگر مرد مومن کی طرح ڈٹے رہے اور کسی انگریز کو خاطر میں نہ لائے اپنی ایمانداری' شرافت اور اپنے کام پر مکمل عبور ودسترس ہونے کی وجہ سے 1942ء میں سپرنٹنڈنٹ پھر ڈی جی ایس اینڈ ڈی میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر' 1965ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر اور 1969ء میں ڈائریکٹر کمپلینس مقرر ہوئے اور 1974ء میں اسی عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

دینی مزاج:

بچپن سے ہی مذہبی ماحول میں پرورش ہوئی تھی چنانچہ باشرع ڈاڑھی کرتا پائجامہ شیروانی ہی وضع قطع تھی یہاں تک کہ علی گڑھ میں مولوی کی حیثیت سے پہچانے جاتے رہے۔

WWW.KITABISTAN.COM

آزادی سے پہلے مرکزی دفاتر شملہ میں چھ ماہ رہے شملہ کے قیام کے زمانے میں سرکاری ملازمین کی ایک تنظیم جمعیۃ انصار المسلمین کے نام سے قائم کی اور اس کے ماتحت شملہ کی پہاڑیوں پر دینی مکاتیب قائم کیے اور ان کی تمام ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لے کر بحسن خوبی نباہتے رہے۔

تحریک انکار حدیث:

چودھری صاحب کے مقابلہ میں مشہور منکر حدیث پرویز نے ایک انجمن، انجمن اسلامیہ کے نام سے قائم کی اور اس کے ذریعہ اپنے مخصوص خیالات کا پرچار کرنا اور مسلمانوں کو حدیث کے خلاف بھڑکانا اور احادیث کے خلاف ذہن سازی کی جدوجہد شروع کردی یہ لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے اور حدیث رسول اللہ ﷺ کا صریح انکار بلکہ حدیث کے بارے میں نازیبا کلمات تک کہنے سے نہ چوکتے تھے مگر بدقسمتی سے یہ سیکٹریٹ کی مسجد (جامع مسجد دہلی) میں خطیب اور امام جمعہ تھے جمعیۃ انصار المسلمین کے ذریعہ چودھری صاحب نے کافی جدوجہد کی اور ان کو اس منصب اور اس مسجد سے ہٹانے میں کامیاب ہوئے اور ان کی جگہ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی علیہ الرحمہ کو امام وخطیب مقرر کرایا۔ اور ان تحریکات وجمعیۃ کے سلسلہ سے حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب وغیرہ سے قریب ہوئے اور ندوۃ المصنفین قرولباغ میں پھر گلی قاسم جان اور آخر میں علاقہ جامع مسجد میں قائم کرنے میں ان اکابر کے معاون ومددگار رہے۔

جب 1940ء کے دوران ان کے دفاتر سنٹر اسٹریٹ سے شاہجہاں روڈ پر منتقل ہوئے تو وہاں مسجد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے۔ ہمایوں روڈ پر ایک خستہ مسجد کے آثار نکلے اس کی صفائی وغیرہ کرائی امام وخطیب مقرر کیا جمعہ کے لیے قاضی سجاد حسین صاحب کو تیار کیا اور اس مسجد کو دوبارہ نہایت خوبصورت انداز میں تعمیر کرایا۔

اردو نوازی:

1947ء میں مسلمانوں کی بربادی اور اردو تعلیم کے خاتمہ سے بہت کبیدہ تھے اور چاہتے تھے کہ اردو پھر سے زندہ ہو مشاعرہ میں کبھی شرکت نہ کرنے کے باوجود درپردہ اردو کی

بہبودی وفروغ کے لیے کوشاں رہے۔

موصوف نے ذاتی طور پر اردو اکادمی قائم کی اور وہ تمام کتابیں جن کو پبلشر نہیں چھاپتے تھے ان کتابوں کو اردو میں ترجمہ کرا کر اکادمی سے شائع کرائیں۔

وسیع النظری:

ان کی زندگی ایک مسلسل جدوجہد تھی اور بلا فرق مذہب وملت اپنے ماتحتوں کی برابر مدد کرتے تھے اور اس حد تک اس معاملہ میں فراخ دل تھے کہ وہ جنھوں نے ہمیشہ مخالفت کی ان کے ساتھ بھی وقت ضرورت تعاون کرنے سے نہ چوکتے یہی وجہ تھی کہ ان کے دفتر کے لوگ آخیر تک ان کے پاس اپنے کاموں کے سلسلہ میں آتے رہے۔ آپ ہی کے نقش قدم پر آپ کے بڑے صاحبزادے جناب چودھری حکیم صغیر احمد خان انچارج شوروم ہمدرد آصف علی روڈ ہیں جو بڑے مخلص اور ہمدرد انسان ہیں ملی کاموں میں برابر دلچسپی لیتے ہیں۔

اوقاف کی حالت زار:

اوقاف کی حالت ایک زمانہ میں خراب ہوگئی تھی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ڈیپوٹیشن پر مقرر کردیا چودھری صاحب نے اوقاف کا ایک ضابطہ بنایا اور اوقاف سے مسلمانوں کی مدد وتعاون کا منصوبہ بنایا اور مسلم تنظیموں کے آپسی اختلافات کو ختم کرانے کے سلسلہ میں مسلسل کوشاں رہتے جبل پور کے فسادات کے بعد حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا ابو اللیث صاحب اور مولانا مسعودی صاحب کے درمیان جو مشاجرات کی شکل پیدا ہوگئی تھی ان کو ختم کرا کر ایک ساتھ کام کرنے پر آمادہ کیا اور کسی حد تک اپنی کوشش میں کامیاب رہے اور جبل پور میں ریلیف کا کام دونوں جماعتوں نے مل کر کیا مشاورت بننے کے بعد بھی مشورے دیتے رہے اور اس سلسلہ میں پہلا میمورنڈم اکابرین کے مشورے سے اس کو تیار کر کے دیا۔

وفات:

اکثر زیادہ محنت اور دینی حالات کی وجہ سے پریشانیوں کے باعث بیمار رہتے تھے مگر اکتوبر 1983ء میں شدید فالج اور پھر دل کا حملہ ہوا ہمدرد نرسنگ ہوم میں داخل کئے گئے، اس دوران بھی جب طبیعت کچھ بحال ہوئی تو اینگلو عربک اسکول کے سلسلہ میں ایک طویل ڈرافٹ

WWW.KITABISTAN.COM

تحریر کرایا اگرچہ ڈاکٹروں نے سختی سے منع کیا تھا مگر ان کی لگن کاموں میں اس طرح تھی کہ اس میں کوئی چیز آڑے نہ آئی۔

موصوف اینگلو عربک اسکول کے منیجر بھی تھے اور نہایت ہی خلوص کے ساتھ اسکول کی تمام ذمہ داریوں کو نبھایا آخر 4 جنوری 1982ء کو دوسرا حملہ ہوا اور چودھری صاحب اس دارفانی سے کوچ کر گئے مرحوم کی تدفین مہندیان میں ہوئی۔

خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

ہندوستان کے مشہور مجاہد آزادی علامہ انور صابری مرحوم نے قطعہ تاریخ کہی ہے۔

جن کے اوصاف حمیدہ تھے سروسامان خلد — ہاتف غیبی سمجھتا ہے جنہیں عنوان خلد
کہہ بھی دو تاریخ تم، مختار احمد جان خلد — شکر ہے بعد فناوہ ہوگئے مہمان خلد

(1986ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

حکیم محمد الیاس خان

ولادت اور تعلیم:

صدر الاطباء حکیم محمد الیاس خان 1880ء میں اپنے آبائی مکان قصبہ سہاور ضلع ایٹہ کے ایک معزز چودھری خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد چودھری محمد امجد علی خان مرحوم کا انتقال ان کی صغرسنی میں ہی ہوگیا۔ آپ کی والدہ محترمہ جو بہت ہی رعب اور دبدبہ کی مالک تھیں اور آپ بھی اپنی والدہ محترمہ کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے۔ انہوں نے چودھری صاحب کے وصال کے بعد صاحبزادہ کو حصول علم کے لیے مدرسہ امینیہ دہلی میں داخل کرایا جہاں آپ نے بہت ہی کم مدت میں تمام علوم کی تکمیل کرنے کے بعد مدرسہ طبیہ سے حکیم عبد المجید خان کی نگرانی میں طب کی تعلیم حاصل کی۔ 1901ء میں مدرسہ طبیہ سے سند طب حاصل کر کے اپنے آبائی وطن قصبہ سہاور واپس چلے گئے۔

مطب:

اور وہاں اپنے گھر پر ہی پریکٹس (مطب) شروع کردی خداوند تعالیٰ نے جہاں قابلیت اور ذہانت سے نوازا تھا وہیں دست شفاء بھی عنایت فرمایا تھا اتفاق سے 1901ء میں ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چندے کی مہم پر جب قصبہ سہاور تشریف لائے تو افلاطون وقت حکیم محمد الیاس خان سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم آپ سے مل کر بے حد متاثر ہوئے اور حکیم صاحب کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب کی دعوت پر علی گڑھ تو تشریف لے آئے مگر ملازمت کے لیے تیار نہ ہوئے اور شہر علی گڑھ میں اوپر کورٹ پر اپنا مطب شروع کردیا۔ حکیم محمد الیاس خان صاحب اس وقت جو حکیم صاحبان وہاں موجود تھے ان میں نہایت ہی کم عمر تھے اور اس واسطے لوگ ان کو اکثر "بچہ حکیم" کہہ کر پکارتے تھے اور جب مریض ان بزرگ حکیموں کے علاج سے شفایاب نہ ہوتے تو پھر "بچہ حکیم" کو بھی آزماتے اور اللہ تعالیٰ اس بچہ حکیم کے ہاتھوں بڑے بڑے لاعلاج مریضوں کو شفاء عطا فرماتا تھا کچھ عرصہ علی گڑھ میں قیام کر کے 1920ء کے اوائل میں دہلی آگئے اور بارہ ٹوٹی (صدر بازار) میں اپنا مطب شروع کردیا۔

طبیہ کالج:

اور 1920ء میں ہی مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم کی دعوت پر طبیہ کالج قرولباغ کی خدمت قبول فرمائی جہاں آپ ہاؤس فزیشن اور پروفیسر معالجات کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ 1926ء میں مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم نے ایک مجلس تحقیق (ریسرچ کمیٹی) قائم کی جس کے چیئرمین خود حکیم محمد اجمل خان مرحوم رہے اور سیکریٹری حکیم محمد الیاس خان مرحوم کو بنایا۔

جامعہ طبیہ کا قیام:

1927ء طبیہ کالج آپسی اختلافات کا مرکز بن گیا تو حکیم محمد الیاس خان مرحوم نے

WWW.KITAABISTAN.COM

اختلافات سے کنارہ کش ہو کر قرولباغ کے نزدیک ہی شیدی پورہ کے چوراہے پر ایک نئے طبیہ کالج بنام جامع طبیہ کی بنیاد ڈالی اور بہت جلد یہ جامعہ طبیہ اپنے اعلیٰ کارکردگی اور فنی تحقیق کی وجہ سے بام عروج پر پہنچ گیا۔

1947ء تک یہ ادارہ پوری شان و شوکت کے ساتھ چلتا رہا مگر 1947ء کی ہولناکیوں کی تاب نہ لا سکا اور ان ہولناکیوں نے اسے تباہ کر دیا اور بلوائیوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ جس دور میں جامع طبیہ وجود میں آرہا تھا اسی دور میں حیدر آباد میں ایک طبیہ کالج کا خاکہ بھی مرتب کیا جارہا تھا جس میں طبی ماہر کی حیثیت سے حکیم محمد الیاس خان مرحوم بھی بلائے گئے اور وہاں بھی ایک طبیہ کالج نظامیہ طبیہ کالج کے نام سے وجود میں آیا۔ وہاں کے ناظم طبابت حکیم مقصود یار جنگ نے جامع طبیہ دہلی کے اساتذہ کو دعوت دی کہ وہ یہاں آکر اپنی خدمات سے نوازیں۔ لہٰذا حکیم محمد الیاس خان کے رفقاء کار میں سے علامہ حکیم کبیر الدین مرحوم اور حکیم فضل الرحمٰن مرحوم حیدر آباد دکن تشریف لے گئے اور اب جامع طبیہ دلی میں صرف حکیم محمد الیاس خان ہی موجود رہ گئے۔

حکیم محمد الیاس صاحب کو بھی انتہائی کوشش کی گئی کہ وہ بھی حیدر آباد چلے آئیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت چاہی کہ میں اپنی ذاتی و خانگی مجبوری کی وجہ سے دہلی نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ذاتی اور خانگی مجبوری صرف جامع طبیہ ہی تھا۔ جس کے لیے وہ اپنے آپ کو وقف کر چکے تھے۔

موصوف اپنی تمام تر توجہ اور ذاتی سرمایہ جامعہ طبیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف فرما چکے تھے۔

جامعہ طبیہ گلی قاسم جان میں:

حکیم محمد جمیل خان صاحب بن مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان پرنسپل طبیہ کالج آپ کے کرب و بے چینی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور پیش کش فرمائی کہ آپ جامعہ طبیہ گلی قاسم جان میں منتقل فرمالیں اور میں ہر طرح سے آپ کا تعاون کروں گا۔ لہٰذا اب تن تنہا اس جامع کی نشاۃ ثانیہ کی فکر میں لگ گئے۔

لہٰذا حکیم محمد جمیل کی درخواست پر گلی قاسم جان کے ایک مکان میں جامعہ طبیہ کی نشاۃ

ثانیہ کر دی گئی۔ اس میں کالج دہلی کے ان طلباء کو بھی داخلہ دیدیا گیا جن کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی۔ تاکہ وہ اپنی تعلیم پوری کر کے سند حاصل کر سکیں بہرحال آپ نے آخر وقت تک اس ادارہ جامع طبیہ کو اپنا سرمایہ حیات قرار دیکر اس کی خدمت کرتے رہے اور اس ادارہ کی خدمت کرتے کرتے ہی 1963ء میں اپنے مولیٰ حقیقی سے جاملے اور قبرستان مہندیان میں سپرد خاک کر دیئے گئے مگر مرتے مرتے بھی اس جامع کا فکر حکیم محمد الیاس صاحب کو دامن گیر رہا۔

حکیم عبدالحمید صاحب کی تولیت:

انتقال سے قبل آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد یہ ادارہ محترم حکیم عبدالحمید صاحب چیئر مین ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن و صدر آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کی تولیت میں دیدیا جائے۔ لہٰذا آپ کی وفات کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق 1963ء میں یہ ادراہ حکیم حاجی عبدالحمید صاحب کی تولیت میں دیدیا گیا اور اب یہ ادارہ حضرت حکیم حاجی عبدالحمید صاحب کی سرپرستی میں ہمدرد طبیہ کالج کے نام سے تغلق آباد میں روز افزوں، دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے پدم بھوشن حکیم عبدالحمید صاحب کی مخلصانہ جدوجہد کی وجہ سے ہمدرد طبیہ کالج ہندوستان کے چوٹی کے اداروں میں شمار ہونے لگا ہے۔

حکیم صاحب معاصرین کی نظر میں:

آپ کے پرانے رفیق و ہمدم علامہ حکیم کبیر الدین صاحب نے علی گڑھ سے انتہام موثر و پر درد الفاظ میں مرحوم کو خراج تحسین پیش کیا تحریر فرماتے ہیں:۔

"کشتی فن کا آزمودہ کار ملاح، تجربہ کار ناخدا، اجمل خان کا جانباز سپاہی چل بسا بڑا بہادر، بڑا دلیر، بڑا جنگجو، دہلی رو رہی ہے۔ حیدر آباد اشکبار ہے کراچی میں آنسو بہہ رہے ہیں حکیم الیاس خان کہنے کو 86 برس کے تھے مگر ان کے سینہ کے اندر دل جوانوں کی طرح اچھلتا تھا۔ مرتے دم تک آواز میں پستی اور ارادوں میں شکستگی نہیں آنے پائی۔ ان پر جوانی آئی تو پھر واپس نہیں گئی مرے تو جوان ہی مرے قدرت نے ان کو امتیازی شان عطا فرمائی تھی جب طالب علم

WWW.KITAABISTAN.COM

تھے تو ممتاز تھے۔ علی گڑھ کے علمی ادارہ میں بحیثیت طبیب آئے تو سر بلند رہے جب دہلی بلائے گئے تو طبیہ کالج میں نہ صرف برگزیدہ رہے بلکہ "ہمہ اوست" کی حیثیت انہیں حاصل تھی حکیم الیاس خان کی خدمت کی مدت بھی بڑی طویل ہے۔ 82 برس میں سے بیس بائیس سال نکال دیجئے تو ساٹھ سال ان کی خدمت کی مدت ہے۔ اور اس مدت میں ان کی خدمت کی مقدار اتنی بڑی ہے کہ اگر اسے شرح
وتفصیل سے لکھا جائے تو ایک بڑا دفتر بن جائے"

حکیم عبدالحمید صاحب نے مرحوم کے بارے میں اپنے دلی تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

"وہ میرے شفیق رہنما اور خیر خواہ تھے، طبی مسائل کو حل کرنے میں ان کی شخصیت جو کام کر جاتی تھی وہ ہماری بہت سی تدبیریں بھی نہیں کرتی تھیں۔ وہ غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے گلی قاسم جان کے ایک کونے میں بیٹھ کر ملک کی تمام طبی سیاست پر نظر رکھتے تھے اور اپنے پچھلے تعلیمی تجربہ اور قابلیت کی بناء پر جامع طبیہ کو جس حسن خوبی سے چلا رہے تھے وہ انہیں کا حصہ تھا مجھے کبھی یہ سوچنا ہی نہیں پڑتا تھا کہ وہاں کا کام کس طرح ہو رہا ہے"

اولاد:

حکیم محمد الیاس خان مرحوم کی اولاد میں تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں بڑے فرزند حکیم محمد الیاسین خان کا آپ کی زندگی میں ہی انتقال ہوگیا تھا آپ کے منجھلے صاحبزادے ڈاکٹر محمد اخلاص پاکستان ہجرت کر گئے جو الحمدللہ تاہنوز بقید حیات ہیں اور ان کے چھوٹے صاحبزادے محمد عباس خان منسٹری آف ایجوکیشن کے پراجکٹ بال بھون میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے ریٹائر ہوگئے ہیں آج کل گھر پر اپنی کھیتی باڑی میں مصروف ہیں۔

حکیم صاحب کے چھوٹے داماد پروفیسر سید نقی حسین جعفری صاحب ہیں جو کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبہ انگلش میں ریڈر کے عہدہ پر مامور ہیں۔

مولوی محمد یوسف فقیر رحمۃ اللہ علیہ

مفسر قرآن مولانا مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی کی ولادت 1903ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ ایک معزز اور جدید تعلیم یافتہ گھرانے کے چشم و چراغ تھے آپ کے والد ماجد علی محمد مرحوم بمبئی کی کسی فیکٹری میں انجینئر تھے۔

تعلیم وتربیت:

مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی کی ابتدائی تعلیم کا آغاز قرآن مجید سے ہوا مکتبی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اینگلو عربک اسکول میں داخل ہوئے اور اینگلو عربک اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان دیا امتحان دینے کے بعد عروس البلاد بمبئی چلے گئے۔ آپ کے والد آپ کو اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے یورپ بھیجنا چاہتے تھے لیکن بمبئی میں آپ کا جی نہیں لگا اور دہلی واپس آ گئے آپ کی والدہ مرحومہ بڑی نیک اور فرشتہ صفت خاتون تھیں آپ کو دینی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کرانا چاہتی تھیں۔ والدہ محترمہ کے اشارہ پر آپ 1922ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور 1924ء تک وہاں رہ کر علم دین حاصل کیا اس کے بعد برصغیر کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور 1929ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

علم وفضل:

مفسر قرآن مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی کا شمار دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر علماء وفضلاء میں تھا آپ کو شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی علامہ محمد ابراہیمؒ بلیاوی اور مولانا حسین احمد مدنیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا آپ اپنی خداداد ذہانت وفطانت کی وجہ سے تمام علوم وفنون پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ دہلی کے ممتاز مفسر قرآن بالغ نظر مفتی اور شگفتہ بیان واعظ تھے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مدرسہ کریمیہ:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی، دہلی کے مشہور ادارہ مدرسہ کریمیہ کے صدر مدرس رہے اور آپ کے دور صدارت میں مدرسہ نے اچھی نیک نامی اور شہرت حاصل کی کہ دہلی کے مسلم رؤسا اور شرفاء اپنے بچوں کو یہاں داخل کرانا فخر سمجھنے لگے تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحب بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیتے تھے یہاں کے پڑھے ہوئے بچے بڑے شائستہ اور مہذب ہوتے تھے مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی صاحب نے انتظامی مصروفیات کے باوجود مدرسہ میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی باقی رکھا تھا آپ ایک نبض شناس اور طالب علموں کی نفسیات سے واقفیت رکھنے والے مدرس تھے۔

تفسیری ذوق:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی صاحب مشہور مفسر قرآن تھے موصوف نے پوری زندگی حوض والی مسجد چوڑیوالان میں ترجمہ قرآن مجید بیان فرمایا آپ کا ترجمہ قرآن دہلی میں بڑا ہی مقبول تھا۔ مولانا محمد یوسف فقیر صاحب خاندان ولی اللٰہی کے تراجم خاص طور پر امام المفسرین شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن مجید سے بے حد متاثر تھے۔ جب آپ ترجمہ قرآن بیان فرماتے تو شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ضرور سامنے رکھتے محترم فیروز دہلوی صاحب لکھتے ہیں۔

”مولوی صاحب شاہ عبدالقادر صاحب کے اردو ترجمہ کو قرآن کا مستند ترجمہ سمجھتے تھے اور تفسیر بیان کرنے سے پہلے عربی متن کے بعد شاہ صاحب کا ترجمہ پڑھ کر سناتے تھے“

فتاویٰ نویسی:

مولانا مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی دہلی کے ایک بلند پایہ فقیہ اور مفتی تھے آپ کو فقہی جزئیات پر بڑی گہری نگاہ تھی آپ کو فتاویٰ نویسی میں بھی بڑا درک وکمال حاصل تھا آپ کی زبان وقلم سے سینکڑوں فتاوے نکل چکے ہیں اگر آپ کے تمام فتاوے کی نقلیں رکھی جاتیں تو کئی فتاوے کی ضخیم جلدیں مرتب ہوجاتیں۔

تصنیف وتالیف:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھنے پڑھنے کا بڑا عمدہ مذاق ملا

تھا۔ آپ کی زبان وقلم میں بلا کی شگفتگی ودلآویزی تھی آپ اگر تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ کا شمار ہندوستان کے عظیم مصنفین میں ہوتا۔ مولانا محمد یوسف صاحب فقیر نے مشہور عالم دین اور محدث کبیر امام عبدالوہاب شعرانیؒ کی تصنیف ”الیاقوت والجواہر“ کا ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔

خدا کو معلوم کہ وہ ترجمہ مکمل ہوا یا تشنہ تکمیل ہی رہا اگر یہ مکمل ہوجاتا تو یہ ترجمہ ہی آپ کی بہترین یادگار ہوتا اور آپ کو علمی حلقوں میں زندہ وتابندہ رکھنے کے لیے کافی ہوتا۔

دعوت وارشاد:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی صاحب مشہور مبلغ اور واعظ تھے آپ نے اپنی پوری زندگی دعوت وارشاد اور واعظ ونصیحت میں گزار دی دہلی میں آپ کا وعظ مردوں اور عورتوں میں یکساں طور پر مقبول تھا آپ دہلی کے ہر دلعزیز واعظ اور مقرر تھے آپ ساری زندگی اصلاح معاشرہ کے آرزومند رہے اور اپنی استطاعت بھر کوشش کرتے رہے۔

مولانا تھانویؒ سے عقیدت:

مفسر قرآن مولانا مولوی محمد یوسف فقیر دہلوی کے مشہور روشن ضمیر اور قلندر مزاج بزرگ تھے آپ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیدائی اور مرید خاص تھے مولانا فقیر مولانا تھانویؒ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے تھے آپ کو مولانا تھانویؒ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی دراصل مولانا تھانویؒ سے آپ کا یہ تعلق روحانی تھا جو ساری زندگی قائم رہا۔

اصول پسندی:

مولانا مولوی محمد یوسف دہلوی کی اصول پسندی کو بعض حضرات اجلال اور غصہ سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض لوگ اس سے ناراض بھی ہوتے اور اعتراض بھی کرتے مگر آپ پر یہ اعتراض کوئی نیا نہیں تھا۔ خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اسی قسم کا اعتراض ہوا کرتا تھا حالانکہ یہ دونوں بزرگ اصول پسند تھے نہ کہ متشدد اور سخت مزاج۔

شعر وشاعری:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی اردو زبان کے بہترین شاعر تھے آپ کے اشعار بڑھے

WWW.KITAABISTAN.COM

اچھے ہوتے تھے میرے کرم فرما اور دہلی کے مشہور ادیب فیروز دہلوی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''مولوی صاحب نرے مولوی نہیں تھے وہ ادب کا بڑا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے اور ان کا تخلص فقیر تھا مولوی صاحب کی شعری تخلیقات حمد ونعت اور غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ذوق شعری کس قدر بلند تھا جگر مراد آبادی اور مولوی صاحب نے ایک مرتبہ ساتھ ساتھ حج کیا' مکہ میں دوران قیام مولوی صاحب نے ایک غزل جگر صاحب کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کی جگر صاحب نے پہلے تو غزل دیکھنے سے انکار کیا جب مولوی صاحب کا اسرار بڑھا تو انہوں نے غزل پڑھی پھر مودبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے مولوی صاحب میں اور آپ کی غزل پر اصلاح مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہوگا آپ تو تلمیذ الرحمٰن ہیں آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں'' (قومی آواز مورخہ 21 جنوری 1986ء)

مولانا محمد یوسف فقیر مرحوم اردو کے ایک ممتاز نعت گو شاعر تھے موصوف نعت گوئی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے بڑے والہانہ انداز میں کہتے تھے مولانا فقیر کے نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بگڑی ہوئی تقدیر کو کس طرح بنالوں — روٹھے ہوئے محبوب کو کس طرح منالوں
اے فخر رسل' راحت جاں' روحِ دو عالم — دل چاہتا ہے کہ آپ کو مہمان بنالوں
جبرئیل نہیں' خلد نہیں' عرش نہیں یاں — ہاں اگر آپ آئیں تو آنکھوں میں بٹھالوں
ایک لمحہ ٹھہر جاؤ' چلے جانا میری جان — میں درد محبت کا فسانہ تو سُنالوں
رکھ دیجئے ذرا پائے منور مرے سر پر — پاپوش مبارک کو آنکھوں سے لگالوں
کیا لطف ہو گر حشر میں سردار دو عالم — فرمائیں فقیر تجھے دامن میں چھپالوں

انتقال:

مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی نے 16 جنوری 1986ء کو داعی اجل کو لبیک کہا آپ کی خواہش کے مطابق حضرت شاہ ولی اللہ' شاہ عبد القادر اور دیگر خاندان ولی الٰہی کے بزرگوں کے قدموں میں دفن کئے گئے آپ کی لوح تربت پر آپ کا ہی یہ شعر درج ہے۔

نہ یہ گلشن رہے گا اور نہ اس کا رنگ و بو باقی
فنا ہے ذرّے ذرّے کو رہے گا تو ہی تو باقی

مولانا حفیظ الرحمان واصفؔ رحمتہ اللہ علیہ

ولادت:

مولانا مفتی حفیظ الرحمان واصفؔ دہلوی کی پیدائش 1332ھ۔1910ء میں دہلی کے چہل امیران (کوچہ چیلان) میں ہوئی یہ کوچہ زمانہ قدیم سے وزراء' امراء اور علم و ہنر کا مولد و مسکن رہا ہے مثلاً حکیم مومن خان مومن دہلوی' خواجہ میر درد' منشی ذکاء اللہ دہلوی' سرسید احمد خان مرحوم' مصور غم مولانا راشد الخیری' بیرسٹر آصف علی' ملا واحدی' مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ اور سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی جیسی ممتاز ہستیاں اسی کوچہ میں رونق افروز رہ کر پوری دنیا کو اپنے علم وفن سے منور کرتی رہیں اور حضرت مولانا مفتی حفیظ الرحمان واصفؔ دہلویؒ بھی اسی کوچہ کے مایہ ناز فرزند تھے مولانا اس زنجیرِ علم وفن کی آخری کڑی تھے مولانا واصفؔ صاحب دہلوی دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہؒ کے فرزند ارجمند تھے۔

شجرۂ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب شیخ عنایت اللہ بن شیخ فیض اللہ بن شیخ خیر اللہ بن شیخ عباد اللہ کے واسطوں سے شیخ جمال یمنی سے جا کر مل جاتا ہے جن کا وطن جزیرۃ العرب کا جنوبی خطہ یمن ہے۔

یہ لوگ بحرین سے موتی خرید کر ہندوستان اور لنکا وغیرہ میں لا کر فروخت کرتے تھے بعد میں آپ کے خاندان نے ہندوستان کے مختلف گوشوں مثلاً بھوپال' دہلی' اتر پردیش اور پنجاب وغیرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ اور انہیں مقامات کو اپنا وطن بنالیا جن میں آپ کے جد امجد شیخ عنایت اللہ نے شاہجہاں پور یوپی کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں اپنی زندگی کے آخری لمحات گزار کر اپنے مولیٰ سے جا ملے اور آپ کے والد ماجد حضرت مفتی کفایت اللہ نے دہلی کو ہی اپنا میدان عمل بنایا اور ساری زندگی دہلی میں رونق افروز رہے۔

مولانا حفیظ الرحمان واصفؔ دہلی میں اپنے والد محترم کے ساتھ رہے اور یہیں نشو ونما پائی۔

تعلیم وتکمیل:

حضرت مفتی حفیظ الرحمان واصفؔ دہلوی نے علوم قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم اپنے فخر روزگار والد مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کے زیر سایہ مدرسہ امینیہ میں ہی حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک فرض شناس والد کی شایان شان بلکہ اپنی بساط سے کہیں زیادہ اپنے فرزندار جمند کی تعلیم وتربیت کا انتظام واہتمام فرمایا اور اس لائق فرزند نے بھی حضرت مفتی اعظم کی محنت کو رائیگاں نہیں جانے دیا اور حضرت مفتی اعظم اس جوہر آبدار کو جتنا نکھارنے کی سعی فرماتے وہ ''جوہر'' اپنی آب وتاب میں اسے سوا اضافہ کرتا اور آخر کار یہ ''جواہر آبدار'' ماہتاب تابناک بن کر دنیا کو روشن کرے گا۔

درس وتدریس:

مفتی واصفؔ صاحب رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً ہی درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ لہٰذا 1933ء میں محکمہ تعلیم دہلی نے آپ کو اپنے محکمہ میں استاد عربی مقرر کیا جہاں آپ نے اپنی غیر معمولی علمی لیاقت وصلاحیت کی بنا پر انتہائی پروقار طریق پر تشنگان علوم کے سینوں کو نور علم سے منور فرمایا مگر 1937ء میں خانگی مصروفیات کی وجہ سے آپ کو یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا اور آپ محکمہ تعلیم سے مستعفی ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کی ایماء پر کتب خانہ رحیمیہ کا انتظام سنبھالا اور آپ نے کتب خانہ کو بڑی ترقی دی حالانکہ آپ کا مزاج علمی ہونے کی بنا پر کاروباری الجھنوں کا متحمل نہ تھا۔ مگر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور انتھک جدوجہد کی بنا پر کتب خانہ کو اتنا بام عروج پر پہنچایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں کتب خانہ رحیمیہ کا شمار دہلی کے صف اول کے کتب خانوں میں ہونے لگا۔

مدرسہ امینیہ کا اہتمام:

1952ء میں حضرت مفتی اعظم کی وفات کے بعد مدرسہ امینیہ کے پہلے نائب مہتمم اور پھر مہتمم بنائے گئے آپ نے مدرسہ امینیہ کے نظم ونسق کو بڑی دانشمندی اور دوراندیشی کے ساتھ چلایا اور آپ کے زمانہ اہتمام میں مدرسہ نے کافی ترقی بھی کی مگر بعض ذمہ داران کے طرز عمل سے آپ بدل ہوگئے اور 1399ھ۔1989ء میں آپ نے استعفیٰ دے کر مدرسہ

سے علیحدگی اختیار کرلی اور گوشہ نشیں ہوگئے۔

تصنیف وتالیف:

مولانا حفیظ الرحمان واصفؔ صاحب دہلوی مایہ ناز ادیب اور بلند پایہ محقق تھے آپ کو دہلی کی زبان اور محاورات پر بڑی قدرت حاصل تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے پڑھنے کا بڑا صاف ستھرا ذوق ومذاق عطا فرمایا تھا آپ کا شمار کثیر التصانیف مصنفین میں ہوتا ہے آپ کی شاہکار تصانیف حسب ذیل ہیں۔

اردو مصدر نامہ، ادبی بھول بھلیاں، زرگل، تذکرہ سائلؔ، سہ لسانی مصدر نامہ، قرآنی پند نامہ اور کفایت المفتی۔

آخر الذکر کتاب اصلاً آپ کے والد ماجد حضرت مفتی اعظیم محمد کفایت اللہ صاحب کے فتاوی کا مجموعہ ہے نہ صرف یہ کہ آپ نے بڑی عرق ریزی وجانفشانی کے ساتھ والد محترم کے فتاوی کو مرتب فرما کر 9 جلدوں میں شائع کیا بلکہ آپ نے بعض اہم فتاوی پر نہایت ہی قیمتی حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں جن سے آپ کی فقہی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شعر وسخن:

مولانا مفتی حفیظ الرحمان واصفؔ دہلوی مرحوم اردو کے مایہ ناز شاعر تھے آپ کو ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خان سائلؔ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا حضرت سائل مرحوم سے شاگردی کی نسبت اور تعلق کی بنا پر واصفؔ مرحوم ادبی وعلمی حلقوں میں بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور واصفؔ مرحوم کو بھی اپنے استاد حضرت سائلؔ مرحوم پر فخر وناز تھا واصفؔ فرماتے ہیں۔

دعویٰ نہیں واصفؔ کسی فن میں مجھ کو حاصل نہیں شہرت بھی وطن میں مجھ کو
قدر اس لیے کرتے ہیں سخنور میری سائلؔ سے تلمذ ہے سخن میں مجھ کو

گوشہ گمنامی یا کسر نفسی:

حضرت واصف مرحوم دہلی میں گمنام نہیں تھے یہ آپ کی کسر نفسی تھی ورنہ آپ غالبؔ اور میرؔ کے شہر دہلی میں سند کی حیثیت رکھتے تھے اور ارباب زبان وادب آپ کی روزمرہ

WWW.KITABISTAN.COM

کی گفتگو میں داغؔ اور سائلؔ کی زبان کی لذت و شیرینی محسوس کرتے تھے اور آپ کو داغؔ و سائلؔ کی یادگار تصور کرتے تھے۔ اور یہ بھی اپنی جگہ تلخ حقیقت ہے کہ دوسرے باکمال ادیبوں وشاعروں اور فنکاروں کی طرح آپ بھی اپنوں اور غیروں کی قدر ناشناسی کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے جس کا مفتی واصف صاحب کو شدید احساس تھا اور اس کا اظہار واصفؔ مرحوم ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

گمنام و کم آمیز ہوں معدوم نہیں ہوں — حیرت ہے کہ اپنوں کو بھی معلوم نہیں ہوں
ہے ذرہ ناچیز بھی ایک پارہ خورشید — دیکھو تو سہی! نقطہ موہوم نہیں ہوں
کیونکر میرا گھر تم کو ملے کون بتائے
القاب و خطابات سے موسوم نہیں ہوں
(واصفؔ دہلوی)

مفتی واصف صاحب مرحوم کے اشعار بڑے شستہ اور فصیح و بلیغ ہوتے تھے آپ اکثر دہلی کی سادہ زبان اور حضرت سائلؔ و نوحؔ کی زمینوں میں اشعار کہتے تھے بقول خواجہ احمد فاروقی صاحب

"واصف صاحب بڑے بامزہ اور بے عیب شعر کہتے تھے"

غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

مجھے جام مئے جو عطا ہوا یہ تری نوازش عام ہے — مجھے ایک نظر سے نواز دے کہ جنوں مرا ابھی خام ہے
تجھے ابتداء کی خبر نہیں تجھے انتہا میں کلام ہے — تو سمجھ رہا ہے کہ زندگی یہی صبح ہے یہی شام ہے
کسی رہنما کا نہ کر گلہ ترا عزم ہی خام ہے — جو سنبھل سنبھل کے بڑھا چلے وہی رہنما ہے امام ہے
تری جستجو میں چلا تھا میں مجھے ست زیست کی کیا خبر — یہ مقام کون سا آ گیا نہ سفر ہے اب نہ قیام ہے
یہ ہمارے عشق کا اتقا کہ نکھر نکھر کے نظر بنے — نہ سوال ہے نہ جواب ہے نہ کلیم ہے نہ کلام ہے
سر راہ رات کو محتسب جو ملا نشے میں تو یہ کھلا — پیو چھپ کے مے تو حلال ہے کوئی دیکھ لے تو حرام ہے
کہے کیا یہ واصفؔ بینوا کہ ہے زندگی کا نظام کیا — وہی داغ ہجر کی تابشیں وہی اختر سر شام ہے

عادات وخصائل:

حضرت مفتی حفیظ الرحمان صاحب واصفؔ مرحوم بڑے بااخلاق، وضعدار کم آمیز کم

گو اور منکسر المزاج انسان تھے نہ صرف یہ کہ آپ دہلی کی تہذیب و ثقافت کا نکھرا ہوا نمونہ تھے۔ بلکہ آپ کو دہلی کی تہذیب و روایت سے والہانہ تعلق تھا آپ کو دہلی اور دہلی کے مرحوم مشاہیر سے بھی بڑی محبت تھی آپ بڑی حسرت کے ساتھ کہتے ہیں۔

اب کہاں واصف ملیں گی وہ گذشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سر بسر خواب پریشاں ہوگئیں

مفتی صاحب کی زیارت:

مولانا حفیظ الرحمان صاحب واصفؔ مرحوم بلاشبہہ فقیہہ باپ کے فقیہہ بیٹے تھے لیکن راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ بلند پایہ ادیب بلکہ آپ کا ادبی ذوق تمام دوسرے مزاقوں پر غالب تھا۔ آپ میدان وادب کے شہسوار تھے راقم الحروف نے جب کبھی آپ کی زیارت کی تو آپ کو لغات ومحاورات کی تحقیق وتدقیق اور الفاظ کے حسب ونسب کی تلاش وجستجو میں ہی محو اور سرگرداں پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو جس ادبی ذوق و مہارت سے نوازا تھا اس کے مثیل اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں جیسا کہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"وہ بلاشبہہ عربی فارسی اور اردو تینوں علوم میں خاک دہلی کے آخری فرزند تھے ان کے بعد ان علوم کے جوہر شناس اور جامع شاید ہی اٹھیں"

فن خطاطی:

مفتی صاحب اپنے عہد کے عمدہ خطاط اور خوشنویس بھی تھے آپ کو خوشنویسی میں سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر سے فخر انتساب حاصل تھا۔

آپ نے خط نسخ میں استاد عبدالغنی دہلوی سے اصلاح لی ہے جو اپنے والد اور استاد منشی ممتاز علی کے واسطہ سے اعلیٰ حضرت کے شاگرد تھے مفتی صاحب کے ہاتھ کے بنائے ہوئے بیش قیمت طغرے آج بھی دیواروں پر آویزاں ہیں ان طغروں سے واصف صاحب کے فنی کمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

WWW.KITABISTAN.COM

مشہور صحافی جمیل مہدی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

"جگر مرادآبادی کے بعد مولانا واصف ہی اردو کے ایسے شاعر تھے جو خوشنویسی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور جن کے بارہ میں کہا جاسکتا تھا کہ اگر وہ شاعر نہ ہوتے تو بہت بڑے خطاط اور خوشنویس ہوتے انہوں نے خوشنویسی نہ صرف اپنے والد سے ورثہ میں پائی تھی بلکہ مشق ومحنت کے ذریعہ اس میں استادانہ مہارت بھی حاصل تھی"

نکاح واولاد:

مولانا حفیظ الرحمان صاحب دہلوی کا پہلا عقد 1933ء میں دہلی کے مشہور عالم اور مجاہد آزادی مولوی سمیع اللہ قاسمی صاحب کی بہن سے ہوا تھا۔ یہ نہایت ہی نیک اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں ان کے بطن سے ایک صاحبزادی اور چار صاحبزادے تھے یہ بھی بقید حیات ہیں۔ مولوی سمیع اللہ قاسمی صاحب کی بہن کے انتقال کے بعد 1947ء میں مولانا امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ کی نواسی اور سید اجلال الدین مرحوم کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ثانی ہوا جن کے بطن سے 6 صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہیں الحمد اللہ سبھی صاحبزادیاں اور صاحبزادے بقید حیات ہیں۔

انتقال پُرملال:

مولانا حفظ الرحمان واصفؔ دہلوی صوفی اور مرد حق آگاہ بزرگ تھے آپ کے کلام میں تصوف کا رنگ غالب تھا واصف صاحب کا آخری کلام وہ دعائیہ مناجات ہے اس کے مقطع میں وہ کس خوبی سے دنیائے فانی سے بیزاری مولیٰ حقیقی کے وصال کی آرزو کرتے ہیں۔

یہ وسیع صحن گلشن ہے قفس سے بڑھ کے واصفؔ
وہ سواد کوئے جاناں وہ فضاء کہاں سے لاؤں

واصفؔ صاحب کی یہ آرزو وصال پوری ہوئی اور آپ یہ کہتے ہوئے 13 مارچ 1987ء کو واصل بحق ہوئے۔

کیوں یکایک اہلِ محفل پر اداسی چھاگئی
ہمدمو! دل تھام لو واصفؔ کی باری آگئی

آپ کو مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے قریب ہی قبرستان مہندیان میں سپرد خاک کردیا گیا۔

مولانا امداد صابریؒ

سن پیدائش:

مولانا امداد صابری 16 اکتوبر 1914ء میں جمعہ کے دن دہلی کے ایک مشہور علمی او مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا شرف الحق تھا مولانا شرف الحق مرحوم شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ اور اپنے عہد کے مشہور ومعروف مناظر تھے۔

مولانا شرف الحق صاحب عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے زوردار انداز میں مناظرے کرتے اور ان پر اسلام کی حقانیت ثابت کرتے تھے مولانا شرف الحق صاحب مرحوم مطالعہ کے بہت ہی شائق اور علم نواز انسان تھے اور شوق مطالعہ نے آپ کو ہر علم وفن کی کتب جمع کرنے پر مجبور کیا اور آپ نے اتنی کتابیں جمع فرمائی کہ آپ کی ذاتی کتب کا ذخیرہ ایک مختصر سی لائبریری کا درجہ رکھتا ہے آپ تمام عمر کتابوں سے اکتساب فیض کرتے رہے اور اس دنیا سے رخصت ہونے کے وقت یہ بیش بہا خزانہ اپنے ہونہار اور علم نواز فرزند مولانا امداد صابری مرحوم کے لے چھوڑ گئے اور مولانا مرحوم نے بھی اس کی قدردانی کا حق ادا کردیا اور نہ صرف یہ کہ اس خزانہ بیش بہا کی حفاظت فرمائی بلکہ اس ترکہ پدری سے ساری زندگی بھرپور استفادہ کرتے رہے اور اس میں جدید جواہر پاروں کا اضافہ بھی فرمایا۔

اب تو مولانا امداد صابری مرحوم کے عزیزوں اور صاحبزادوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے آباواجداد کی علمی امانت کی نگہبانی کریں اور اس آبائی ترکہ سے استفادہ کریں اور اس کی حفاظت سے قاصر ہوں تو کسی عمدہ لائبریری کے حوالہ کردیں تاکہ خلق خدا اس سے فیضیاب ہو اور آپ کے والد مرحوم اور دادا جان کے لیے صدقہ جاریہ بن جائے ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ کہیں ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی لائبریری کی طرح مولانا شرف الحق صاحب کا یہ علمی ذخیرہ بھی ضائع نہ ہوجائے۔

WWW.KITABISTAN.COM

تعلیم وتربیت:

مولانا امداد صابری نے دستور زمانہ کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر رہتے ہوئے حاصل کی اس کے بعد علوم دینیہ قرآن وحدیث کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مظاہر العلوم تشریف لے گئے جہاں اس وقت ظاہری و باطنی علوم کے ماہرین کا اجتماع تھا لہٰذا ان کے فیوض و برکات سے خوب خوب مستفیض ہوئے اور اکثر کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں اور ادیب فاضل اور منشی کامل وغیرہ کے امتحانات میں شرکت کر کے اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

مولانا شرف الحق صاحب مرحوم نے اپنے ہونہار صاحبزادے کی تعلیم وتربیت کا بہت عمدہ نظم فرمایا اور آپ کی ایسی تربیت کی جو دہلی کی قدیم تہذیب وثقافت کی نمائندگی کرتی تھی لہٰذا بلاشبہ مولانا امداد صابری مرحوم دہلی کی روایتی تہذیب وثقافت کا نکھرا ہوا نمونہ ثابت ہوئے اور جن لوگوں نے مولانا کو قریب سے دیکھا ہے وہ اس اعتراف پر مجبور ہیں۔

عادات وخصائل:

مولانا امداد صابری انتہائی خلیق، ملنسار اور دوست و دشمن سب کے ہمدرد وغمگسار تھے مگر مولانا کبھی بھی مصلحت پسندی کا شکار نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ کی سب سے بڑی خوبی یا کمزوری یہی تھی کہ آپ ناجائز وناحق بات پر ہرگز مصالحت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی بنا پر بعض ناواقف لوگ آپ کو متشدد اور سخت مزاج تصور کرتے تھے حالانکہ موصوف اپنی ذات کی حد تک بڑے ہی متواضع، منکسر المزاج اور نرم طبیعت انسان تھے البتہ باطل کے مقابلہ میں یقیناً انتہائی متشدد تھے۔

تصنیف وتالیف:

مولانا امداد صابری بیسویں صدی کے نامور محقق، بہترین ادیب اور ایماندار صحافی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کثیر التصانیف عالم بھی تھے آپ نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا اور بہت سی معرکۃ الآراء کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں چند اہم اور ناقابلِ فراموش کتابیں یہ ہیں۔

"تاریخ اردو صحافت" (6 حصے) "فرنگیوں کا جال"، "تاریخ جرم و سزا"، "(4 جلدیں)" نیتاجی سبھاش چندر بوس"، "آزاد ہند فوج کا مقدمہ"، "امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد" اور "دہلی کی یادگار شخصیتیں"، وغیرہ وغیرہ۔

تاریخ اردو صحافت:

مولانا امداد صابری مرحوم کے بے شمار علمی و تحقیقی اور سیاسی ایسے کارنامے ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن راقم الحروف کے خیال میں آپ کی 80 سالہ علمی وادبی زندگی کا سب سے بڑا روشن وتابناک کارنامہ "تاریخ اردو صحافت" کی ترتیب و تدوین ہے جس کے کئی حصے ہیں۔ غالباً ان میں سے ابھی تک صرف تین ہی حصے منصۂ شہود پر آسکیں ہیں جن میں 1900ء تک کے اخبارات وجرائد کا حال درج ہے۔ اس کتاب کی تدوین مولانا کو کن کاوشوں کا سامنا کرنا پڑا اس کو ہندوستان کے نامور صحافی اور اس صدی کے انتہائی کثیر الاشاعت روزنامہ قومی آواز کے ایڈیٹر عشرت علی صدیقی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ کتابیں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہیں اور اردو زبان کا اتنا بڑا خزانہ کہیں اور دستیاب نہیں مولانا نے یہ خزانہ تن تنہا اکھٹا کیا اس کے لیے دردر کی خاک چھانی، دور دور کا سفر کیا کباڑیوں کی دکانیں دیکھیں، لائبریریوں میں گئے جہاں کہیں کسی اخبار یا رسالے کے فائل پر پرانے پایرچے ملنے کی امید ہوئی وہاں پہنچ گئے۔ ان کی فہرست مرتب کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس طرح ان کی "تاریخ اردو صحافت" زبان وادب کی تاریخ اور سماجی ومعاشی وسیاسی حالات کی معلومات افزا دستاویز بن گئی۔" (قومی آواز 24 اکتوبر 88ء)

شعروشاعری:

مولانا امداد صابری کو شعروشاعری سے بھی دلچسپی رہی ہے ابتداء میں انہوں نے چند غزلیں بھی تخلیق کیں لیکن مولانا صابری کا شعری مجموعہ یا تو مرتب نہ ہو سکا اور اگر مرتب ہوا تھا تو تلف ہو گیا بہر حال اب موجود نہیں ہے۔

مولانا امداد صابری صاحب کو مولانا حسرت موہانی اور سائل دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا مولانا امداد صابری کا شروع میں چمن تخلص تھا بالکل شروع کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

لاکھ جلوے کئے پیدا تیری یکتائی نے — زینت ہر دو جہان کی تیری زیبائی نے
آنکھ سے آنکھ ملی اور نہ ہوئی بات کوئی — صبح کردی ہے شب وصل کی انگڑائی نے

WWW.KITAABISTAN.COM

بل سے بل کھاتی ہے اندھیر مچا رکھا ہے — زلف کو چھیڑ دیا ہے کسی سودائی نے
آج ہر شہر میں ہے حسن کا چرچا تیرے — ایک عالم کو لبھایا تیری رعنائی نے
اے چمن دیکھ تو فرعون کا کیا حشر ہوا — قعر دریا میں ڈبویا ہے من مائی نے

غزل کے چند اشعار اور ملاحظہ فرمائیں۔

چمن میں بادصبا مدتوں میں آئی ہے — بہار روٹھ گئی تھی منا کے لائی ہے
ہمیں نے دار ورسن کے طلسم توڑے ہیں — ہمیں نے ظلم وستم کی جبیں جھکائی ہے
نہ ہونے دیں گے چراغ وفا کی لو مدھم — قسم لہو کی شہیدوں کی ہم نے کھائی ہے
وہ راہرو جنہیں منزل سے اپنی پیار نہ تھا — نئی حیات انہیں رستے میں چھوڑ آئی ہے
لہو سے دل کے بنائے ہیں اس کے نقش ونگار — عروس عہد وفا ہم نے جب سجائی ہے

سیاسیات:

مولانا امداد صابری کامیاب سیاست دان تھے، آپ کی سیاسی زندگی بڑے طوفانی ادوار سے گزری موصوف کانگریس سے لے کر سوشلسٹ پارٹی، جنتا پارٹی اور بھارتیہ جنتا پارٹی تک بہت ساری جماعتوں سے وابستہ رہے مولانا مرحوم نے آخر میں بھارتیہ جنتا پارٹی سے استعفیٰ دیدیا تھا اور مسلم لیگ سے وابستہ ہوگئے تھے۔

مولانا امداد صابری 1967ء میں سب سے پہلی بار دہلی میٹروپولیٹن کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد 77ء میں جنتا پارٹی سے حلقہ مٹیا محل سے کارپوریشن کے ممبر چنے گئے اور ڈپٹی میئر کے عہدہ پر فائز رہے 1983ء میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے ٹکٹ پر دوبارہ میونسپل کارپوریشن کے ممبر منتخب ہوئے۔

نیتاجی سبھاش چندر بوس کی رفاقت:

مولانا امداد صابری اصلاً نیتاجی سبھاش چندر بوس کے نظریات کے پرجوش حامی تھے۔ موصوف نے نیتاجی کو بہت قریب سے دیکھا تھا سبھاش چندر بوس بھی مولانا امداد صابری مرحوم کے مکان (چوڑیوالان) آیا کرتے تھے اور گھنٹوں سیاسی معاملات پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ مولانا صابری کو نیتاجی سے کس قدر تعلق تھا کہ جب 1939ء میں نیتاجی نے کانگریس

سے استعفیٰ دیا تو مولانا صابری مرحوم بھی کانگریس سے مستعفی ہوگئے۔ مولانا امداد صابری ایک مرتبہ علی محمد شیر میوات صاحب سے ملنے مہندیان تشریف لائے اتفاق سے راقم الحروف بھی موجود تھا۔ موقعہ کو غنیمت تصور کرکے مولانا مرحوم سے وہی گھسیا پٹا سوال کردیا' جو عام طور پر سبھاش چندر بوس کے متعلق کیا جاتا ہے کہ سبھاش چندر بوس زندہ ہیں یا مرگئے مولانا امداد صابری مرحوم نے کہا میاں! اب نیتاجی اس دنیا میں کہاں رہے؟

اردو اخبارات کے بارے میں مولانا کی بیباک رائے:

اردو صحافت کے بارے میں مولانا کا ٹھوس اور بے لاگ فیصلہ یہ ہے کہ اردو صحافت پر یہ الزام دینا کے وہ فرقہ پرست ہے۔ سراسر افتراء و بہتان ہے لہٰذا اس سلسلہ میں سہیل وحید صاحب نے مولانا امداد صابری مرحوم سے دریافت کیا کہ واقعی اردو صحافت فرقہ پرست ہے؟ تو مولانا صابری نے بلا کسی پس وپیش کے جواب دیا کہ:

''اردو اخبارات کا رویہ ہے وہ فرقہ پرست نہیں ہے بلکہ مدافعت کا ہے میں نے پوچھا وہ کیسے کہنے لگے اردو پریس جس طبقے کی نمائندگی کرتا ہے وہ مظلوم ہے' دس بار' بیس بار' پچاس بار، سو بار آخر کب تک حملے برداشت کے جائیں گے آخر میں مدافعت کے قدم اٹھانا ہی پڑیں گے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہندی پریس فرقہ پرست ہے کشمیر میں فساد ہوں تو ہندی پریس کا رویہ دیکھئے کیا ہوتا ہے فساد آخر فساد ہے چاہے جہاں ہو۔

مولانا صابری نے مزید کہا ہے:

''کیا کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے کہ اردو پریس نے کسی مذہب کی توہین کی ہو یا کسی مذہب کی مخالفت کی ہو'' (قومی آواز 6 نومبر 88ء)

صفات وکمالات:

مولانا گوناگوں صفات وخصوصیات کے مالک تھے مولانا ایک عالم دین بھی تھے اور ایک ماہر سیاست دان بھی مولانا عمدہ مصنف بھی تھے اور انشاء پرداز صحافی بھی مولانا مورخ بھی اور سراپا تاریخ بھی مولانا اہل حق کے لیے شیر وشکر تھے تو اہل باطل کے لیے تلوار بے نیام

WWW.KITABOSUNNAT.COM

بہر حال مولانا ان صفات کے ساتھ زندگی گزار کر آخر کار 14 اکتوبر 88 کو اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ اور قبرستان مہندیان میں شاہ ولی اللہؒ کے مزار اقدس کے قریب صرف 7۔8 میٹر کے فاصلے پر بجانب مغرب آسودہ خواب ہوگئے۔ ورحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا محمد مسلم رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد مسلم صاحب کا تعلق غازی سالار مسعودؒ کے سرفروش خاندان سے تھا غازی سالار مسعود خاندان 1857ء میں تحریک حریت میں پر جوش حصہ لیا جس کی پاداش میں خاندان کے 19 آدمیوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ اس پورے خاندان میں اس وقت ایک کمسن بچے زندہ سلامت رہ گئے تھے جو نہ جانے کس طرح چھپتے چھپاتے ریواڑی سے بھوپال پہنچ گئے یہ مولانا محمد مسلم صاحب کے دادا قمر الدین صاحب مرحوم تھے۔

قمر الدین صاحب مرحوم کے ایک صاحبزادے محمد مستقیم تھے جو نہایت جری اور ایماندار انسان تھے محمد مستقیم کے دو صاحبزادے غیور حسن اور محمد مسلم تھے۔

تاریخ پیدائش:

مولانا محمد مسلم کی پیدائش 20 ستمبر 1927ء میں بھوپال میں ہوئی آپ نے عربی، فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر پر حاصل کی گھریلو حالات نے آپ کی باقاعدہ تعلیم کو میٹرک سے آگے نہیں بڑھنے دیا آپ اپنی دلی خواہش کے باوجود اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے۔

میدان صحافت:

محمد مسلم صاحب اردو کے صف اول کے صحافیوں اور جرنلسٹوں میں تھے آپ نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز روزنامہ ''ندیم'' بھوپال کی ادارت سے کیا تھا 1956ء میں بھوپال سے دہلی آئے اور سہ روزہ دعوت کے ایڈیٹر مقرر ہوگئے اور سہ روزہ دعوت 1959ء میں روزنامہ ہوگیا تو آپ اس روزنامہ کے بھی ایڈیٹر رہے۔

محمد مسلم صاحب ایک جماعت کے نمائندے ہونے کے باوجود پوری ملت کے مسائل پر ایماندارانہ اور مخلصانہ طور پر لکھتے تھے۔ مولانا سید نظام الدین ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ لکھتے ہیں کہ:

''مسلم صاحب بڑے سلجھے ہوئے اور متوازن ذہن کے صحافی تھے اور ملی مسائل کے بارے میں ان کا نقطہ نظر ہمیشہ تعمیری ہوتا تھا جذباتی مسائل پر لکھتے وقت بھی جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے تھے مزاج میں بے حد سادگی اور انکساری تھی۔

صحافت کو صرف پیشہ نہیں بلکہ ایک مقدس مشن سمجھتے تھے اور لکھتے وقت برابر ان کو یہ احساس رہتا تھا کہ قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو آخرت کی رسوائی کا باعث ہو''

مسلم مجلس مشاورت:

مولانا محمد مسلم صاحب آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے فعال و متحرک رکن تھے۔ آپ نے ڈاکٹر عبدالجلیل فریدیؒ ڈاکٹر سید محمودؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کے ساتھ مشاورت کے پلیٹ فارم سے بڑا تعمیری کام کیا تھا مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی قاضی امارت شرعیہ پٹنہ پھلواری شریف تحریر فرماتے ہیں کہ:

''وہ (محمد مسلم) صحافتی مشغولیات کے ساتھ ملی سرگرمیوں سے بھی جڑے رہتے تھے۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور آل انڈیا پرسنل لاء بورڈ کے رکن کی حیثیت سے اہم امور میں ان کی تعمیری مشوروں سے بڑا فائدہ ہوتا تھا''

عادات واطوار:

مولانا محمد مسلم صاحب بڑے متواضع منکسر المزاج، قناعت پسند، خوش مزاج درویش صفت، غمگسار اور جذبہ خدمت گذاری سے سرشار انسان تھے استاد محترم ڈاکٹر اعجاز الدین مرحوم سابق استاد دارالعلوم دیوبند بھی مسلم صاحب کی قناعت پسندی، قلندر مزاجی اور جذبہ خدمت گذاری کے بہت زیادہ معترف اور مداح تھے اسی طرح مولانا امداد صابری مرحوم مسلم صاحب کے جذبہ خدمت سے بے حد متاثر تھے۔ لہٰذا خود اپنا ایک واقعہ ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

WWW.KITABISTAN.COM

"راقم الحروف امداد صابری انبالہ جیل میں مسلم صاحب کے ساتھ تھا انبالہ جیل میں جب میں بیمار پڑا اور کافی روزانہ دست آنے شروع ہو گئے تو مسلم صاحب اس حالت میں مجھے بیت الخلاء لے جاتے تھے۔ بعض مرتبہ جاتے جاتے اجابت ہو جاتی اور پاجامہ سن جاتا تو تہمبند باندھ لیتا تھا اور وہ سنا ہوا پائجامہ مسلم صاحب دھوتے اور میری ٹانگوں کو دھلاتے بعض مرتبہ بیت الخلاء میں گھنٹوں بیٹھنا پڑتا تو مسلم صاحب دروازہ پر گھنٹوں کھڑے رہتے تھے۔ جب میں نکلتا تھا تو اپنے سہارے مجھے کو لے کر آتے تھے رات کو کمرہ سے باہر برانڈے میں سوتا تھا رات کو کمرہ سے نکل کر نہ معلوم کتنے پھیرے لگاتے تھے۔ دستوں کی وجہ سے رات کو مشکل سے سونا ملتا تھا تو اس صورت میں مسلم صاحب کیسے سوتے ہوں گے رات کو بھی مجھ کو بیت الخلاء لے جاتے اور لاتے تھے جب انبالہ ہسپتال چلا گیا تو روزانہ کسی نہ کسی صورت سے پرچہ بھیجوا کر مولانا یوسف صدیقی کی اور میری خیریت معلوم کراتے تھے اور مشورہ بھی دیتے تھے یہ خدمت گذاری کا جذبہ صرف میرے ہی ساتھ نہ تھا بلکہ جیل کے ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا۔ بہت سے ساتھیوں کے کپڑے دھوتے تھے، ہمارے ساتھیوں میں ہندو زیادہ تھے ان کے دماغ میں خدمت کرتے کے معاملہ میں ہندو مسلمان کی کوئی تمیز نہ تھی۔"

وفات:

مولانا محمد مسلم صاحب ایمرجنسی کے تاریک دور میں 19 ماہ تک جیل کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کیں اسی وقت سے آپ کی صحت دن بدن گرنے لگی تھی باوجود معقول علاج معالجہ کے بھی آپ صحت یاب نہ ہو سکے آخر کار 4 جولائی 1986ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے! آپ کی قبر سے تقریباً مہندیان مدرسہ کے مہمان خانہ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے اور آپ کی قبر سے تقریباً 9\10 میٹر مغرب میں مشہور ادیب علامہ واحدیؒ کی اہلیہ کی قبر ہے ملا واحدی پاکستان میں مدفون ہیں اور ان کی اہلیہ ہندوستان میں اسے کہتے ہیں گردش ایام!

❋ ...... ☆ ...... ❋

محمد رشید خانؒ

مختصر تعارف:

محمد رشید خان کی پیدائش 1895ء میں بستی حضرت نظام الدین دہلی میں ہوئی آپ کے والد نظر خان ضلع بریلی کے رہنے والے تھے۔ موصوف مغل فوج میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے نظر خان مرحوم سلطنت مغلیہ کے آخری شہنشاہ ابوالمظفر بہادر شاہ ظفر کے ایک سپہ سالار کے ساتھ بریلی سے دہلی آئے اور حضرت نظام الدین میں سکونت پذیر ہو گئے۔

محمد رشید خان صاحب کی تعلیم دستکاری اسکول تیرا بہرام خان دہلی میں ہوئی آپ نے اسی دستکاری اسکول میں پرائمری تک کی تعلیم حاصل کی آپ ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ جنگ آزادی میں کود پڑے۔

جدوجہد آزادی:

خان رشید خان کا شمار دہلی کے جلیل القدر مجاہدین آزادی میں ہوتا ہے موصوف نے جنگ آزادی میں ایک بہادر باپ کے بہادر بیٹے کی طرح شرکت کی اور نہایت ہی جوانمردی، بے باکی اور جانفروشی کے ساتھ استعماری طاقت کا مقابلہ کیا اور اپنے مجاہد باپ کی روح کو خوش کر دیا۔

موصوف نے برطانوی دور حکومت میں متعدد بار قید و بند کی صعوبتوں اور تکلیفوں کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا بلکہ اس راہ کی مشکل ترین گھاٹیوں کا انتخاب اپنے لیے کیا چنانچہ جگت گوپال سودیشی لکھتے ہیں کہ:۔

"1942ء میں ہماری قومی تاریخ اور جنگ آزادی کا وہ فیصلہ کن مورچہ لگا جو انگریزوں کی "ہندوستان چھوڑو" کی تحریک کے نام سے مشہور ہے جس میں عوام کو تشدد اور توڑ پھوڑ کی بھی ترغیب دی گئی تھی اس تحریک کو کامیاب بنانے میں خان صاحب نے بڑا جان جوکھوں کا کام اپنے ذمے لے رکھا تھا" (خان صاحب رشید خان کی سیاسی زندگی ص 3)

آزاد ہندوستان:

رشید خان صاحب مرحوم آزادی وطن کے بعد ایک مخلص محب وطن سپوت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں مصروف ہو گئے موصوف کا شمار ان گنے چنے کانگریسی رہنماؤں میں ہوتا ہے جو منصبوں اور عہدوں کے لالچ سے بلند ہو کر قومی و ملکی خدمات انجام دیا کرتے ہیں اسی لیے آپ کا کانگریسی حلقہ میں بڑا وزن تھا۔ اور 1960ء تک آپ کا نگریس کی قائدانہ رہنمائی کرتے رہے جیسا کہ بھگت گوپال سودیشی لکھتے ہیں کہ:

''وطن عزیز کو غلامی کی زنجیروں سے نجات دلانے کے بعد بھی خان صاحب خاموش نہ بیٹھے اور ملک وقوم کی خدمت کرنے میں پیش پیش رہے۔ آپ 1924ء سے 1969ء تک دہلی پردیش کانگریس کمیٹی کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر رہے۔ 1948ء سے 1960ء تک آپ دہلی پردیش کمیٹی کے ممبر منتخب ہوتے رہے اور ہمیشہ ملک وقوم کی خدمت کرنے میں پیش پیش رہے لیکن اس دوران میں پارٹی کے اندر بدعنوانیوں اور کرپشن اور پارٹی کی بے ضابطگیوں اور مفاد پرستوں کے غلبے نے ایماندار اور بے لوث ورکروں کا پارٹی کے اندر رہنا دشوار بنا دیا کیونکہ خان صاحب کی زندگی کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی پارٹی سے کوئی ذاتی فائدہ نہ حاصل کیا اور ہمیشہ بلا حرص و لالچ کام کیا اور پارٹی سے اختلافات کی بنا پر باہر آ گئے۔''

کانگریس سے علیحدگی کی عجیب وغریب وجہ:

رشید خان مرحوم کانگریس پارٹی ہی سے نہیں بلکہ نہرو فیملی سے بھی گہرا تعلق تھا جواہر لال اور بیرسٹر آصف علی سے تا زندگی بڑے گہرے مخلصانہ تعلقات و مراسم قائم رہے اور اسی لیے اندرا جی سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا۔ لیکن سقوط بنگلہ دیش کے موقعہ پر جب اندرا جی نے یہ کہا کہ ہمیں ایک ہزار سال بعد حکومت ملی تو رشید خان مرحوم اس زہریلے جملہ کی تاب نہ لا سکے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور نہرو خاندان سے بددل اور مایوس ہو کر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔

اگر چہ آپ جب کانگریس سے علیحدہ ہوئے تھے اسی وقت آپ نے سیاست سے

بالکلیہ کنارہ کشی طے کر لی تھی مگر کانگریس کے ٹھیکیداروں کو یہ بتانا بھی ضروری تھا کہ رشید خان کی عزت کانگریس سے نہیں بلکہ کانگریس کی عزت رشید خان سے تھی۔

لہٰذا اس کے بعد آپ نے آزاد امیدوار کی حیثیت سے کارپوریشن کا الیکشن لڑا اور بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کر کے دنیا سے اپنا لوہا منوالیا اس کے بعد آپ نے سیاسی ہنگاموں سے بالکلیہ کنارہ کش ہو کر مساجد و مقابر کی تعمیر و حفاظت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا اور آپ اپنا زیادہ تر وقت بھی مہرولی کی اولیاء مسجد میں بسر کرنے لگے اور علاقہ مہرولی کی مساجد و مقابر کی مرمت اور صفائی میں مشغول و منہمک ہو گئے اور اللہ کے گھروں کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ہی اللہ سے جا ملے آپ کی آخری آرام گاہ مہندیان میں ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

ڈاکٹر عبدالجبارؒ

ڈاکٹر عبدالجبار سالار خاکسار کا شمار فن جراحی کے ماہرین میں ہوتا تھا وہ اعلیٰ درجہ کے معالج اور طبیب تھے لیکن سیاسی ہنگاموں کی وجہ سے وہ اس فنی کمال کو قائم نہیں رکھ سکے اور جسمانی مریضوں کے بجائے سیاسی ذہنی مریضوں کے مسیحا بن گئے۔

تاریخ پیدائش:

ڈاکٹر عبدالجبار خاکسار 1922ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عبد اللہ تھا ڈاکٹر موصوف کے ابتدائی حالات زندگی پردۂ راز میں ہیں وہ ہندوستان کے حریت پسند، نڈر اور بے باک سپوت تھے۔

خاکسار تحریک:

ڈاکٹر عبدالجبار علامہ عنایت اللہ المشرقیؒ کی انقلابی تحریک خاکسار کے ممتاز لیڈر اور قائد تھے اور 1940ء میں خاکسار تحریک میں شامل ہوئے اور دہلی ہی سے اپنی سیاسی سرگرمی کا آغاز کیا۔

خاکسار تحریک کے نظام کے مطابق تین ماہ تک بطور خاکسار سپاہی تربیت حاصل کی

WWW.KITABISTAN.COM

اس کے بعد ایک محلہ کے سالار مقرر ہوئے یہاں تک کہ درجہ بدرجہ اپنی بہتر کارکردگی کی بنا پر سالار اعلیٰ اور سالار شہر ہوئے خاکسار تحریک نے برطانوی سامراج کے خلاف حصول آزادی کا جو محاذ قائم کیا تھا اس میں وہ برابر شریک رہے اور قائدانہ رول ادا کیا۔

تقسیم ہند:

ڈاکٹر صاحب تقسیم ملک کے شدید ترین مخالفوں میں تھے انہوں نے تقسیم ملک کی ایسے وقت میں بھی شدت سے مخالفت کی جبکہ بڑے بڑے سیکولر مزاج قائدین بھی تقسیم ملک کے حامی ہو گئے تھے۔ لیکن مرحوم کسی قیمت پر تقسیم کے لیے تیار نہیں تھے وہ تقسیم ملک کے بھیانک خطرات سے باخبر تھے اور مسلمانون کے لیے نقصان دہ تصور کرتے تھے جیسا کہ خاکسار رئیس فاطمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''آزادی کے دور کا آخری محاذ دہلی کا وہ محاذ تھا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کی مجلس عاملہ کی وہ میٹنگ تھی جس میں تقسیم ملک کا فیصلہ ہونا تھا۔ چونکہ یہ محاذ مقامی طور پر دہلی کا محاذ تھا لہٰذا مرحوم پر علامہ مرحوم کے حکم کی تعمیل کی اہم ذمہ داری تھی وہ اپنے مرحوم امیر اور قائد کے حکم پر ہزاروں خاکساروں کے ساتھ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں گھس گئے اور تقسیم ملک کے خلاف اجتماعی مظاہرہ کیا اس موقع پر زبردست ہنگامہ آرائی اور ہزاروں کی تعداد میں خاکسار گرفتار ہوئے جن میں ڈاکٹر صاحب بھی شامل تھے چند روز کے بعد سب کے ساتھ آپ کی بھی رہائی ہوئی۔ (المشرق دہلی' 15 مئی 1983ء)

ڈاکٹر عبدالجبار خاکسار تقسیم ملک کے سخت مخالف تھے اور اس سلسلے میں وہ بڑے مخلص اور جری تھے لہٰذا تقسیم ملک کے مدہوش حامیوں کا آخر وقت تک مقابلہ کرتے رہے۔

صحافتی شعور:

ڈاکٹر عبدالجبار دلی کے عظیم صحافی اور انشاء پرداز بھی تھے انہوں نے میدان صحافت میں نہایت ہی جرأت مندی' بے باکی اور حق گوئی کا مظاہرہ کیا تھا آپ کا صحافتی شعور بڑا بلند تھا۔

ڈاکٹر صاحب ''ہمارا اردو'' اور ''المشرق'' کے موسس اور ایڈیٹر تھے۔ مرحوم نے العلام اور مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کے لیے اپنے پختہ شعور اور احساس قلم کو ہمیشہ بیدار اور

سرگرم عمل رکھا۔

سادگی اور شائستگی:

ڈاکٹر عبدالجبار مرحوم شریف النفس اور شائستہ ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سادہ مزاج اور بے ریا انسان تھے وہ صحیح معنوں میں سچے خاکسار تھے انہوں نے بڑی درویشانہ زندگی بسر کی۔ وہ بڑے ہمدرد' غم خوار' مخلص رہنما اور صداقت پسند تھے جناب اندر جیت گاندھی نے تین رباعیات کہی ہیں۔ ان رباعیوں سے ڈاکٹر عبدالجبار مرحوم کے اخلاق و کردار اور ان کے کام و نام اور ان کی تاریخ وفات پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

(1)

کیوں یاد نہ آئیں ہمیں عبدالجبار — ہمدرد تھے' غم خوار تھے' سب کے تھے یار
جب وہ تھے تو پت جھڑ بھی تھا گل کا موسم — اب وہ نہیں پت جھڑ نظر آتی ہے بہار

(2)

تھے وہ تو ہمارا اردو کے ایڈیٹر — لائق تھے صحافت میں بہت بڑھ چڑھ کر
آئینہ تھا کون ملے گا ہم کو — آتا ہی نہیں کوئی ہمیں اب تو نظر

(3)

پوچھو نہ کہ بیتاب ہیں کیوں اہل قرار — کس دوست کی برسی کو مناتے ہیں یار
کہنے کو تھا گاندھی کہ کہا ہاتف نے — اے آہ! یہ ہے اب غم عبدالجبار

(1983)ء

وفات:

ڈاکٹر عبدالجبار خاکسار کا انتقال پر ملال 10 مئی 1982ء بوقت شام ارون ہسپتال میں ہوا 11 مئی کی صبح قریب دس بجے قبرستان مہندیان میں ان کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا محمد زبیر قریشیؒ

پروفیسر محمد زبیر قریشی کی ولادت 10 ذی الحجہ 1321ھ بروز پیر بمطابق 29 فروری 1904ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد بزرگوار کا نام مولانا محمد اسحاق دہلویؒ تھا جو اپنے عہد کے مشہور واعظ ادیب اور شاعر تھے۔

مولانا محمد زبیر قریشیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر کے مشاہیر علماء کے زیر سایہ حاصل کی نحو صرف اور فقہ کی ابتدائی کتابیں اپنے والد مرحوم مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ اور تایا مولانا عبد الرحمٰن راسخ دہلویؒ سے اپنے خاندانی مدرسہ حسینیہ حنفیہ گڑھ گوکل شاہ میں پڑھیں، پروفیسر قریشی کا خاندانی ماحول مذہبی تھا۔ خاندان کے اکابر آپ کو مذہبی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور آپ طبعاً عصری علوم کی طرف راغب تھے نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے دینی تعلیم چھوڑ دی اور اینگلو عربک اسکول میں داخل ہو گئے اور وہاں سے 28-1927ء میں میٹرک پاس کیا۔

میٹرک پاس کرنے کے بعد سینٹ اسٹیفن کالج دہلی میں داخل ہوئے اور وہاں سے 1930ء میں بی اے آنرز فلسفے میں کیا اور اس فن میں اتنی مہارت حاصل کی کہ اکثر معاصرین پر سبقت لے گئے۔

آل انڈیا ریڈیو:

پروفیسر قریشی کا شمار ماہر لسانیات میں ہوتا تھا آپ کو اردو، فارسی عربی، انگریزی، جرمن زبانوں پر بڑا عبور حاصل تھا موصوف فراغت تعلیم کے بعد ہی آل انڈیا ریڈیو میں اناؤنسر اور مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے اور اس اجنبی میدان میں بھی ایک کامیاب انسان ثابت ہوئے۔

اینگلو عربک کالج:

نشریاتی دنیا سے کنارہ کشی کے بعد مولانا قریشی 1947ء میں اینگلو عربک اسکول میں

انگریزی کے استاد مقرر ہو گئے آپ کو افہام وتفہیم کا بڑا عمدہ سلیقہ تھا طلبہ آپ کی درسی تقریروں کو بڑی دلچسپی سے سنتے تھے آپ اسکول میں بہت ہی مقبول اور ہر دلعزیز تھے۔

دعوت ووعظ:

مولانا محمد زبیر قریشی مرحوم دہلی کے ایک بہترین واعظ اور خطیب تھے آپ نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد اپنے خاندانی مرکز مدرسہ حسینیہ میں وعظ کا سلسلہ شروع فرمایا اور چونکہ آپ دہلی کی ٹکسالی زبان میں وعظ فرماتے تھے اس لیے دہلی والے آپ کی تقریروں کو بڑی دلچسپی سے سنتے تھے آپ کا وعظ عام واعظین سے الگ صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتا تھا۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ:

مولانا محمد زبیر قریشی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اساسی رکن تھے، آپ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی میٹنگوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے اور آپ گرانقدر مشوروں سے نوازتے تھے موصوف بڑے ظریف اور خوش طبع انسان تھے موصوف اپنے ادبی چٹکلوں اور لطیفوں سے مجلس کو کشت زعفران بنائے رکھتے تھے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک معزز رکن نے بتایا کہ مدراس میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اجلاس ہوا، مولانا قریشی مرحوم بھی شریک ہوئے تھے موصوف نے اپنی تقریر کے دوران فرمایا۔

آج مسلم پرسنل لاء بورڈ کی اہمیت اور مقبولیت جو ملک میں ہے وہ محتاج بیان نہیں ورنہ ابتدائی دور میں دہلی والے کہا کرتے تھے قریشی صاحب!

ماشاء اللہ اور انشاء اللہ کی طرح مسلم پرسنل لاء کیا چیز ہے؟

سیاست:

مولانا محمد زبیر قریشی مرنجان مرنج اور بڑے باغ وبہار شخصیت کے مالک تھے آپ کا خاندان مذہبی اور علمی تھا سیاسی توڑ جوڑ سے بڑی حد تک ناآشنا تھا لیکن بعض ناعاقبت اندیش دوستوں نے پروفیسر قریشی کو اکسا کر الیکشن باز بنا دیا تھا اور اس الیکشن بازی میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے اور یہی مولانا قریشی کا فن تھا۔

WWW.KITABISTAN.COM

اولاد:

پروفیسر محمد زبیر قریشی مرحوم نہایت ہی کثیر الاولاد بزرگ تھے مشہور مزاحیہ ادیب اور شاعر فرقت کاکاروی کا بیان ہے کہ:

کل شام میں اپنے گھر سے پھلی والان تک جانے کے لیے نکلا تو جامع مسجد تک 12 بارہ لڑکوں نے سلام کیا میں نے ان کو جاننے کے لئے سب کی ولدیت معلوم کی تو بارہ میں سے سات نے اپنی ولدیت زبیر قریشی بتائی میں جامع مسجد سے واپس لوٹ آیا۔" (دہلی والے)

وفات:

پروفیسر محمد زبیر قریشی 24 ربیع الثانی 1398ھ بروز پیر 30 اپریل 1978ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جاملے آپ کی آخری آرام گاہ مہندیوں میں ہے آپ کی قبر حکیم مومن خان مومن کی پائینتی میں ہے وہیں پر مشہور مجاہد آزادی مولانا امداد صابری مرحوم بھی آرام فرما ہیں رحمہم اللہ علیہم۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حافظ محمد عرفانؒ

ولادت اور تعلیم:

حافظ محمد عرفان دہلوی کی پیدائش 25 جنوری 1925ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی تھا مولانا محمد اسحاق دہلوی کا شمار ہندوستان کے عظیم وممتاز مصنفوں، مولفوں اور واعظوں میں ہوتا ہے۔

حافظ محمد عرفان صاحب کی پرورش ایک دینی اور علمی ماحول میں ہوئی تھی آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی جیسے باکمال والد اور مولانا مفتی محمد ابراہیم دہلویؒ مولانا عبد الرحمن راسخ دہلویؒ اور مولانا حبیب الرحمن دہلویؒ جیسے فخر روزگار چچاؤں کے زیر سایہ کیا......

افسوس! آپ کی ابھی تعلیم تشنۂ تکمیل ہی تھی کہ آپ کے والد اور چچاؤں کا سایہ

شفقت سر سے اٹھ گیا اور آپ وقت کی کڑی دھوپ اور چھاؤں میں تن تنہا کھڑے ہو گئے اور خدا خدا کر کے کسی طرح حفظ قرآن کی تکمیل کی۔

صبر وتوکل:

حافظ محمد عرفان صاحب کی تمام تر زندگی آبلہ پائی کا سفر ہے وہ ہمیشہ معاشی تنگ دستیوں اور بدحالیوں میں مبتلا رہے لیکن انہوں نے کبھی بھی صبر وتوکل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا حالانکہ وہ شاہانہ زندگی سے فقیرانہ زندگی کی طرف آئے تھے اور وہ بھی دہلی جیسے بے رحم شہر میں جہاں جینا تو جینا مرنا بھی بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔

عادات وخصائل:

حافظ صاحب بڑے اخلاق مند، ملنسار، وضعدار اور شریف النفس انسان تھے موصوف بلا امتیاز امیر وغریب ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، آپ کے اندر کسی کی دل آزاری کی مطلق صلاحیت ہی نہیں تھی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شرفائے دہلی کی تہذیب وروایت کی یادگار تھے۔

وعظ ونصیحت:

حافظ محمد عرفان مرحوم بھی اپنے خاندان کے بزرگوں کی طرح بہترین واعظ اور مقرر تھے دہلی میں آپ کی تقریروں کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی۔ دہلی میں کوئی دینی مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں موصوف موجود نہ ہوں دہلی کی پیاری پیاری زبان میں وعظ فرماتے آپ کی تقریروں کی زبان کوثر وتسنیم میں دھوئی ہوئی ہوتی تھی۔

خوش الحانی:

حافظ محمد عرفان قریشی صاحب دہلی کے مشہور خوش الحان قاری تھے وہ اپنے مخصوص انداز مخصوص انداز تلاوت اور منفرد لب ولہجہ کی بنا پر دہلی میں بہت ہی مقبول اور دینی محفل کی رونق تھے، حافظ محمد عرفان صاحب مرحوم نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس، دعوت وارشاد اور اصلاح معاشرہ میں صرف کی لیکن آپ کا اصل کارنامہ اپنے والد ماجد مولانا محمد اسحاق دہلویؒ کی تصنیفات وتالیفات کی اشاعت وترویج ہے پیام عبرت، بستان اولیاء، معجزات مسیح، درود مقدس،

WWW.KITABISTAN.COM

نیکی بدی، قصہ اصحاب کہف۔

داستان یوسفؑ، معراج رسولؐ، ملت ابراہیمؑ، جلوۂ طور، تاج سلیمانی قصہ یونس ماہ صیام، شہادت حسینؓ، موت کا منظر، طوفان نوح، صبر ایوب علیہ السلام اور قصہ جرجیس وغیرہ دعوتی اور اصلاحی کتابوں کے سرورق پر ناشر اور طابع کی حیثیت سے آپ کا اور آپ کے بھائی مولانا زبیر صاحب قریشی ہی کا نام ہے۔

اولاد:

حافظ محمد عرفان قریشی کی چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے ہیں الحمدللہ مرحوم کے سارے صاحبزادے اور صاحبزادیاں بڑی شائستہ اور مہذب ہیں۔

مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے محمد عثمان خالد قریشی صاحب اور محمد رضوان عابد قریشی صاحب ہیں یہ دونوں راقم الحروف کے مخلص دوست اور علمی کاموں کے ہم سفر ہیں۔

وفات:

حافظ محمد عرفان قریشی 30 جون 1981ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے قبرستان مہندیوں میں دفن ہوئے حافظ صاحب مرحوم کی قبر جامع رحیمیہ کی دیوار سے متصل ہے آپ کی قبر سے قریب ہی ڈاکٹر عبدالجبار خاکسار کی قبر ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

عزیز الرحمٰن جامعیؒ

اجمالی تعارف:

مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی پنجاب کے ایک ایسے خانوادہ علم وعرفان کے چشم و چراغ تھے۔ جن کے علم ودانش کی کرنیں آنکھوں کو سرور اور دل ودماغ میں وطن کی محبت کا اجالا کرتی ہیں۔

وہ 1919ء میں دنیائے آب وگل میں آئے آپ کے والد ماجد کا نام رئیس الاحرار

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ تھا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی آزادی وطن کے جلیل القدر مجاہد تھے مولانا عزیز الرحمٰن جامعی نے علوم نقلیہ وعقلیہ، قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کی تعلیم دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں حاصل کی۔ 1928ء میں وہ مکہ مکرمہ سے ہندوستان آئے اور علوم عصریہ کی تحصیل کے لیے جامع ملیہ اسلامیہ دہلی میں داخل ہوئے اور وہ 1935ء تک جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مقیم رہے اسی وجہ سے اپنے آپ کو ''جامعی'' لکھتے تھے۔

جنگ آزادی:

مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی آزادی وطن کے سرفروش مجاہد اور مخلص رہنما تھے انہوں نے آزادی وطن کی جدوجہد میں متعدد بار قید وبند کی صعوبتیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔

موصوف پر 1935ء میں بغاوت کا الزام عائد ہوا جس کے نتیجہ میں دو سال تک نظر بند رہے۔

یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد وماتم کی

مولانا لدھیانویؒ نے انگریزوں سے برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ لیلائے آزادی سے ہم آغوش ہوگئے آزادی وطن کے بعد ملک کی تعمیر واستحکام میں مصروف ہوگئے موصوف ایک سچے نیشنلسٹ مسلمان تھے نہرو خاندان اور دوسرے مجاہدین آزادی سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔

مولانا محمد عثمان فارقلیط لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ مرحوم والد صاحب کے ہمراہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور پنڈت جواہر لال نہرو سے ملتے رہتے ہیں اس لیے ان کی باتیں مزے لے لے کر سناتے ہیں''

زورِ خطابت:

مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانویؒ اپنے والد مرحوم کی طرح ایک شعلہ بار مقرر اور جادو بیاں خطیب تھے جب بولتے تھے تو مولانا مرحوم اور آپ میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔

مولانا فارقلیط لکھتے ہیں کہ:

''غرض جس کو آپ کے والد مرحوم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سے ملاقات کرنی

WWW.KITABISTAN.COM

ہو وہ آپ سے ملاقات کرلے ایسا محسوس ہوگا کہ مرحوم آج بھی بقید حیات ہیں اور اپنی قادر الکلامی کا مظاہرہ کر رہے ہیں" (ضمیمہ رئیس الاحرار درحدیث دیگراں ص 574)

تصنیف وتالیف:

مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی ایک صاحب نظر صحافی اور بلند پایہ ادیب تھے آپ کی انشاء پردازی کا خاص جوہر شگفتگی اور سلاست ہے موصوف بڑے برجستہ اور برمحل اشعار استعمال کیا کرتے تھے ۔ آپ کا صحافت سے بھی گہرا تعلق تھا آپ کے مضامین و مقالات ملک کے موقر جرائد و مجلات میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ آپ خود بھی ایک دو اخبار کے مدیر رہے ہیں مولانا عزیز الرحمٰن جامعی کا تصنیفی ذوق بھی بڑا پختہ تھا آپ کی اہم تصانیف یہ ہیں رئیس الاحرار درحدیث دیگراں، مسائل امروز یکساں سول کوڈ، جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین (4 جلدیں) اور دہلی کی کہانی میر، غالب اور داغ کی زبانی۔

وفات:

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب جامعی 28 مئی 1976ء میں جان بحق ہوگئے آپ کی قبر ڈاکٹر سید محمود صاحب کی پائیتی میں واقع ہے آپ کے لوح مزار پر علامہ اقبال کا یہ مصرعہ لکھا ہوا ہے۔

آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کرے!

❋ ...... ☆ ...... ❋

عتیق الرحمٰن قدوائی

عتیق الرحمٰن قدوائی اتر پردیش کے ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ وہ 19 نومبر 1922ء میں مشہور مردم خیز ضلع بارہ بنکی میں بڑا گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حسن الرحمٰن قدوائی تھا حسن الرحمٰن قدوائیؒ کا شمار مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند میں ہوتا تھا۔

عتیق الرحمٰن قدوائی صاحب نے اپنے والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کیا ان کے

والد مرحوم خود بھی ایک بہترین حافظ قرآن تھے عصری علوم کی تحصیل اپنے برادر اکبر شفیق الرحمٰن قدوائی سابق وزیر تعلیم ہند کی رفاقت میں دہلی میں کی۔

حسن اخلاق:

عتیق الرحمٰن قدوائی خاندانی آدمی تھے آپ کے اندر خاندانی شرافت و شائستگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ اپنی اخلاق مندی، ملنساری، خاکساری وضعداری، ہمدردی، غمگساری میں عدیم المثال تھے۔

سیاسیات:

عتیق الرحمٰن قدوائی صاحب تحریک آزادی کے مشہور مجاہد کانگریسی لیڈر تھے لیکن آپ اپنے "قدوائی خاندان" کی روایت کے خلاف سوشلسٹ پارٹی میں داخل ہوگئے۔

ابرار قدوائی صاحب لکھتے ہیں:-

"جب جے پرکاش نارائن، اچاریہ کرپلانی، رفیع احمد قدوائی جیسے بڑے سیاسی بزرگوں نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کی تب ہی عتیق صاحب بھی کانگریس چھوڑ کر ان لوگوں کی بنائی ہوئی سوشلسٹ پارٹی میں عملی طور پر شریک ہوگئے"

عتیق الرحمٰن قدوائی صاحب سیاسی داؤں پیچ اور سیاسی کرپشن کے بیحد مخالف تھے ان کی اپنی شخصیت میں حق گوئی اور ایمانداری رچی اور بسی ہوئی تھی وہ صاف ستھری سیاست کے آرزومند تھے۔ موصوف اپنے سیاسی رفیقوں کے اندر بھی حق گوئی اور ایمانداری کی صفت پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن ان کو اس مہم میں شکست ہوئی تھی بالآخر انہوں نے اپنے سیاسی رفیقوں سے مایوس ہوکر سوشلسٹ پارٹی بھی چھوڑ دی اور جن سنگھ میں شامل ہوگئے اور جن سنگھ میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کی جدوجہد کی اس میں بھی آخر کار ناکام رہے مگر جن سنگھ میں اپنی شمولیت کی توضیح کرتے رہے۔

ابرار قدوائی صاحب لکھتے ہیں:-

"ان (قدوائی صاحب) پر اعتراضات ہوئے کہ یہ جن سنگھ آپ کو کیوں بھائی؟ یہ تو آر ایس ایس کا ہی روپ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان سے ہی نکالنا چاہتی ہے عتیق

WWW.KITAABISTAN.COM

صاحب ناقدین کو یہ کہہ کر چپ کردیتے تھے کہ اگر ان کی جماعت میں ایک مسلمان بھی موجود ہے تو کم از کم اس کے سامنے تو کوئی بات مسلمانوں کے خلاف نہ ہوگی یہ کیا کم ہے مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ اس طرح بھی ہو جائے۔

صحافت:

عتیق الرحمٰن قدوائی اردو کے ایک بے باک اور جری صحافی تھے "روزنامہ" اردو بازار" "روزنامہ "نئی دنیا" اور روزنامہ "سویرا" "روزنامہ" "ہم لوگ" کی ادارت عرصہ دراز تک کرتے رہے آخر زمانہ میں روزنامہ "فیصل جدید" کی ادارت میں شامل ہوگئے تھے۔

لیکن اپنی افتاد طبع کی وجہ سے اس میدان میں بھی کامیابی حاصل نہ کر سکے دراصل آپ جیسے ایماندار صحافی اس کاروباری صحافت میں کیونکہ کامیاب ہوسکتا تھا۔

ادبی ذوق:

عتیق الرحمٰن قدوائی صاحب کا ادبی ذوق بھی بلند تھا وہ مشاعروں اور ادبی نشستوں میں بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ شریک ہوتے تھے ادیبوں اور شاعروں کی مشہور ادبی مجلس میں جو مولوی سمیع اللہ قاسمی کی دکان پر ہوتی تھی عتیق صاحب بھی بڑی پابندی سے اس میں شریک ہوتے تھے۔

ابرار قدوائی صاحب لکھتے ہیں:۔

"سلام مچھلی شہری سے تعلقات گہرے اور بے تکلفی کے تھے ایک شام اردو ہال اردو بازار میں گلزار دہلوی کے منعقدہ مشاعرہ میں سلام مچھلی شہری نے عتیق صاحب کو دیکھتے ہی جیب سے سگریٹ کی ڈبیہ نکال کر اس میں سے ایک حصہ پھاڑ لیا اور اس پر لکھا عتیق! تم مجھے دس روپے دیدو' شدید ضرورت ہے عتیق صاحب نے ان کی ضرورت اور وہ بھی شام کے وقت کی شدید ضرورت سمجھ لی بطور ایک دوست کے انہوں نے وہیں دس روپے دیدیئے اور اس کے بعد اکثر وہ دس روپے کا تقاضہ پورا کرتے رہے۔"

وفات:

عتیق الرحمٰن قدوائی صاحب کی جیسی باغ و بہار شخصیت 26 فروری 1989ء کو

قبرستان مہندیون میں قیامت کی نیند سوگئی...... آپ کی قبر نواب مولوی احسان الرحمٰن اور خان بہادر علامہ محمد حسن خان کی قبروں سے قریب ہی نچلے حصہ میں واقع ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حکیم محمد شریف خانؒ

ولادت:

حکیم محمد شریف خان دہلی کے مشہور شریفی خاندان کے چشم و چراغ تھے وہ 1915ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے مکتبی تعلیم دہلی میں حاصل کی اور باضابطہ تعلیم کا آغاز حیدرآباد میں ہوا آپ حیدرآباد سیٹی اسکول میں داخل ہوئے اور سیٹی اسکول سے میڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد طبیہ کالج دہلی میں داخل ہوئے اور یہیں سے فن طب کی تکمیل کی آپ کے اساتذہ میں آپ کے والد محترم حکیم محمد ظفر خان پرنسپل طبیہ کالج اور تایا حکیم محمد احمد خان جیسے مسیحائے وقت اطباء شامل تھے۔

نسخہ نویسی:

حکیم محمد شریف خان کو امراض کی تشخیص اور ادویہ کی تجوز میں بڑا ملکہ حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست شفاء سے بھی نوازا تھا آپ ابھی 12 سال ہی کے تھے کہ مریضوں کو دیکھنے لگے تھے آپ کے مربی اور مخلص استاد حکیم محمد احمد خان کو آپ کی تجویز کردہ دواؤں اور تشخیصوں پر بڑا اعتماد تھا۔

عادات واطوار:

حکیم شریف خان کے اندر ایک بہترین حکیم کی جملہ شرطیں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں وہ بڑے نیک' منکسر المزاج' خوش طبع' ملنسار' سادہ مزاج اور شریف النفس انسان تھے۔ اور بیماروں پر بڑے مشفق و مہربان تھے آپ بڑوں میں بڑا' چھوٹوں میں چھوٹا ہو جایا کرتے تھے دراصل یہ آپ کی بلند ظرفی تھی۔

WWW.KITABISTAN.COM

کارپوریشن کی ممبری:

حکیم محمد شریف خان صاحب دہلی کے مشہور عوامی لیڈر تھے آپ کا سیاسی شعور بلند تھا موصوف نے 1962ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر کارپوریشن کا الیکشن لڑا اور اپنے سیاسی حریف کو شکست دے کر کامیاب ہوئے۔

اور اسی طرح دو دفعہ اور کانگریس ہی کے ٹکٹ پر کارپوریشن کا الیکشن لڑے اور اپنے سیاسی حریف کو شکست دے کر کامیاب ہوئے چوتھی مرتبہ کانگریس نے آپ کو ٹکٹ نہیں دیا جس کی وجہ سے آپ بددل ہو کر سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

حکیم محمد شریف خان صاحب کا انتقال 1979ء میں ہوا آپ کی قبر مولانا مملوک علی نانوتوی کے مزار اقدس کے پورب میں تقریباً 20 میٹر کے فاصلے پر لب سڑک مسجد احاطہ مہندیان میں واقع ہے۔

شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ اور مولوی سمیع اللہ خان کے پہلو میں آپ آسودہ راحت ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

رفیق احمد رحمانیؒ

مختصر تعارف:

مولانا رفیق احمد رحمانی ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ولی احمد تھا۔ جو ایک شریف اور محنتی انسان تھے۔

مولانا رفیق احمد رحمانی صاحب اپنی نوخیز عمری میں تحصیل علم کے لئے دہلی آ گئے تھے اور دہلی کے دینی مدارس میں مروجہ علوم فنون کی تحصیل شروع کر دی تھی اور ان علوم و مضامین سے فراغت کے بعد آپ مشہور دینی درسگاہ مدرسہ مولوی عبدالرب کشمیری گیٹ میں مدرس ہو گئے لیکن افسوس! یہ تدریسی سلسلہ کوئی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکا۔ آپ مدرسہ عبدالرب سے مستعفی ہو گئے۔

مولانا رحمانی مرحوم نے اکابر جمیعتہ العلماء اور کانگریس کے سرگرم کارکن ہونے کی

حیثیت سے ہر محاذ پر تحریک آزادی میں پر جوش حصہ لیا اور جمیعتہ العلماء اور کانگریس کے ساتھ شانہ بشانہ کام کیا۔

آزادی وطن کے بعد 1947ء میں دلی کے ہولناک حالات میں اپنے علاقہ کشمیری گیٹ کے مسلمانوں کی دلجوئی اور ہمت افزائی کی اور پوری قوت سے فرقہ وارانہ جنون کا مقابلہ کیا۔

آج علاقہ کشمیری گیٹ میں جو چند گنے چنے مسلمان اور چند تاریخی مساجد و مدارس نظر آ رہے ہیں وہ مولانا مرحوم کی مخلصانہ کوششوں اور محنتوں کا ثمرہ ہے۔

وفات:

مولانا رفیق احمد رحمانی مرحوم 3 دسمبر 1985ء میں خدا کو پیارے ہو گئے آپ کی قبر باب الولی کے بائیں جانب مختلف قبروں کی قطار میں ہے۔

لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے۔

﴿ان المتقین فی جنت ونعیم روضة الخله﴾

آخری آرام گاہ ہمدرد خلائق خدمتگذار ملک وملت مولانا الحافظ رفیق احمدؒ رحمانی

❋ ...... ☆ ...... ❋

عبدالرحمٰن شاکرؒ

ولادت:

مولانا عبدالرحمٰن شاکر مرحوم دلی کے مشہور عالموں شاعروں اور ادیبوں میں تھے۔ وہ 1925ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا عبدالسبحان تھا۔ موصوف اپنے عہد کے مشہور و ممتاز عالم دین تھے۔

مولانا شاکر نے حفظ قرآن دلی کے مشہور قاری محمد سلیمان صاحب کے مدرسہ تجوید القرآن میں کیا۔ فارسی اور صرف ونحو کی تعلیم مدرسہ سبحانیہ دہلی میں اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی مولانا عبدالمنان صاحب سے حاصل کی۔ حدیث وتفسیر کی کتابیں مدرسہ امینیہ میں مفتی

WWW.KITAABISTAN.COM

اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی اور محدث کبیر مولانا ضیاء الحق دیوبندی سے پڑھیں۔

فضل وکمال:

مولانا عبدالرحمٰن شاکر علوم قرآن وحدیث کے ممتاز عالم دین تھے۔ اگر وہ درسی میدان میں قدم رکھتے تو ایک صاحب طرز اور باکمال مدرس ہوتے' لیکن شاکر صاحب نے درس وتدریس سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ جس کی وجہ سے آپ کا علمی فیض عام نہ ہوسکا۔

خوش الحانی:

مولانا عبدالرحمٰن شاکر دلی کے بڑے خوش الحان قاری تھے۔ آپ کی قرات کا انداز بڑا منجھا ہوا رس بھرا اور البیلا تھا۔ آپ بڑے سوز وساز اور درد وکسک کے ساتھ پڑھتے تھے آپ خود بھی جھومتے اور سامعین کو بھی جھوماتے تھے۔

قلندرانہ مزاج:

مولانا عبدالرحمٰن شاکر بڑے باغ وبہار' خوش اخلاق وصعدار ملنسار اور قلندر مزاج انسان تھے۔ انھوں نے بڑی درویشانہ زندگی گزاری ہے شاکر صاحب صحیح معنوں میں قلندر اور صوفی منش انسان تھے۔ موصوف نے اپنے ایک شعر میں اپنی قلندرانہ زندگی کا بڑا خوبصورت نقشہ کھینچا تھا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دل 'ایک نظر 'اِک تبسم
کس قدر مختصر ہے فسانہ

شعر وشاعری:

شاکر صاحب اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کی روایات کو برقرار رکھا۔ وہ اصلاً غزل کے شاعر تھے۔ اگر چہ ان کی تخلیقات میں حمد منقبت غزل رباعی اور سہرا بھی کچھ موجود ہے۔

شاکر صاحب کہتے ہیں:۔

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑگئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستان بنا دیا

نمونہ کلام:

ناز سے چلنے والے ساقی اک قدم مستانہ بھی / آج صراحی جھوم رہی ہے وجد میں ہے پیمانہ بھی
الفت کا آغاز فنا ہے' الفت کا انجام بقاء / اس محفل میں لودیتی ہے خاک پر پروانہ بھی
آج نہ جانے کالی گھٹا کے ساتھ ہی کیوں آنسو آئے / ورنہ کہیں ایسے میں کوئی روتا ہے دیوانہ بھی
اپنا اسی کو کہتے ہیں جو وقت پہ کام آجاتا ہے / یوں تو رسماً پرسش غم کر لیتا ہے بیگانہ بھی
دیوانہ دیوانہ ٹھہرا دیوانے کا ذکر ہی کیا / تیری چال کے صدقے ساقی بہک گیا فرزانہ بھی
فرق حق و باطل کرنا آپ کا فرضِ اوّل ہے / میں نے حقیقت بھی رکھی اور پیش کیا افسانہ بھی
تیری محفل میں دیوانے مجبوراً آجاتے ہیں / یعنی ان بیچاروں پر ہے تنگ رہِ ویرانہ بھی
شکوۂ دوراں کرنے والے کیا تجھکو معلوم نہیں / گردش دوراں توڑ چکی ہے شاہوں کا پیمانہ بھی

حسن نیت' حسن کے واسطے' شرطِ اوّل ہے
ورنہ شاکر کعبہ دل سے دور نہیں بتخانہ بھی

وفات:

شاکر صاحب 4 دسمبر 1982ء کو اپنے مولیٰ سے جا ملے آپ کی آخری آرام گاہ مہندیوں میں بالکل سرراہ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے سرہانے ہے آپ کی قبر کتبہ ونمائش سے بالکل بے نیاز ہے۔

مرزا شریف اللہ بیگ

ولادت:

مرزا شریف اللہ بیگ شہرت دہلوی کی پیدائش 1903ء میں کوچہ پنڈت دہلی میں ایک متوسط خاندان میں ہوئی آپ کے والد کا نام مرزا عزیز اللہ بیگ دہلوی تھا۔

مرزا شہرت کی مکتبی تعلیم گھر پر ہوئی مالی تنگی وعسرت کی بناء پر اعلیٰ تعلیم کی تحصیل سے

WWW.KITAABISTAN.COM

محروم رہے موصوف کے اندر نوعمری ہی سے شعروشاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ ابوالمعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خان سائل دہلوی کا چہیتا شاگرد تھے حضرت سائل دہلوی کے انتقال کے بعد مشہور شاعر فرخ دہلوی مرحوم سے اصلاح لی۔

اردو کے بزرگ شاعر عزیز وارثی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مرزا شہرت دہلی والے تھے انہوں نے اپنی زندگی دہلی کے مشہور علاقے پنڈت کے کوچے میں گزاری انہیں شعروشاعری سے بے حد دلچسپی تھی اور یہی دلچسپی اس وقت کے استاد ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی کی صحبت میں انہیں لے گئی اور وہ ان کے عزیز ترین شاگردوں میں شامل ہو گئے مرزا شہرت کو سائل سے برسوں نیاز حاصل رہا۔

ان کے استاد بھائیوں میں نہال سیوہاروی، رتن موہن خار زرتشتی دہلوی سرفہرست ہیں۔

شعری مقام:

مرزا شہرت ایک گمنام لیکن سائل اسکول کے ممتاز و بلند پایہ شاعر تھے آپ کی طبیعت ایسی ہمہ گیر تھی کہ جملہ اصناف سخن پر استادانہ کمال و عبور کے ساتھ طبع آزمائی فرماتے تھے۔ موصوف کے کلام میں غزلیات، رباعیات، مخمس حمد، نعت، منقبت غرض سبھی کچھ موجود ہے مرزا شہرت مرحوم کے کلام میں شعراء قدیم کا رنگ جھلکتا ہے شعراء دہلی کی طرح آپ کے کلام میں بھی سادگی، برجستگی، معنویت، درد اور تاثیر کی چاشنی بدرجہ اتم موجود ہے۔

عزیز وارثی صاحب لکھتے ہیں:۔

''مرزا شہرت نے اردو شاعری کی روایات کو برقرار رکھا ان کے کلام میں طرز فکر، انداز نظر بالکل دہلوی ہیں ان کی تخلیقات میں حمد، نعت، منقبت، غزل اور رباعی سبھی کچھ موجود ہے۔

صوفیانہ رنگ:

مرزا شہرت علماء اور صوفیاء کے صحبت میں زیادہ رہتے تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں صوفیانہ رنگ بھی بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ مرزا شہرت حضرت شاہ سلطان عالم صاحبؒ سے

سلسلہ چشتیہ میں بیعت بھی تھے۔

مرزا مرحوم کو بزرگان دین سے گہرا تعلق تھا آپ دہلی کے دینی جلسوں میں بھی شامل ہوتے تھے اور اپنی پرکشش آواز اور موثر کلام سے سامعین کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔

میرے پلے میں عصیاں کے سوا حسنِ عمل کیا ہے
بروز حشر رکھ لیجو الٰہی تو بھرم میرا

اسی طرح نعت شریف بھی بڑے والہانہ انداز میں کہتے ہیں۔

یاد نبیؐ مٹے نہ میرے دل سے عمر بھر
دولت یہی ہے میرے دلِ ناصبور کی

مرزا شہرت اصلاً غزل کے شاعر تھے آپ کی غزلوں میں عشقیہ مضامین زیادہ ہوتے ہیں مثلاً آپ فرماتے ہیں۔

ہوس وخرد سے گم ہے دیوانہ زندگی کا
بس مختصر یہی ہے افسانہ زندگی کا

پینے کو پی رہا ہوں جام شراب الفت
خالی پڑا ہے لیکن پیمانہ زندگی کا

کیوں چاک ہو نہ جائے کیونکر نہ موت آئے
دستِ اجل میں ہے جب پروانہ زندگی کا

یہ اس کو چھوڑ دے گی وہ اس کو چھوڑ دے گی
نبھتا نہیں اجل سے یارانہ زندگی کا

چلمن تو وہ اٹھائیں صورت ذرا دکھائیں
کردوں گا پیش فوراً نذرانہ زندگی کا

وعدہ کی رات آ کر صورت مجھے دکھا کر
دستِ اجل نے چھینا پروانہ زندگی کا

اب ہو گیا ہے شہرت، سائل کا نام لیوا
ہوگا نہ دور کیونکر شاہانہ زندگی کا

جرأت مندی:

مرزا شریف اللہ بیگ شہرت دہلوی ایک شریف، زندہ دل، جری بے باک اور حق گو انسان تھے۔ مگر آپ ہمیشہ مفلوک الحال رہے اور آپ کی مفلوک الحالی ہی آپ کی شہرت کے لے سد راہ بنی رہی اور تذکرہ نگاروں کے تذکروں کی زینت نہ بن سکے۔

لہٰذا تذکرہ نگاروں سے مجھے اس شکایت کا حق ہے کہ وہ صرف ان شاعروں اور

WWW.KITAABISTAN.COM

ادیبوں پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں جو دنیاوی وجاہت اور ظاہری ٹیپ ٹاک کے مالک ہوں مگر مرزا شہرت جیسے باکمال لیکن گمنام شاعروں اور ادیبوں پر چند سطور لکھنا بھی گوارا نہیں فرماتے اور یہ باکمال شخصیتیں اپنے فن وکمال کے ساتھ گمنامیوں کے پردوں میں چھپ جاتی ہیں جو ان شخصیتوں کا نہیں بلکہ فن وکمال کا عظیم نقصان ہے۔

وفات:

مرزا شریف اللہ بیگ شہرت دہلوی نے 23 مارچ 1980ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان مہندیان میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

فرید احمد دہلویؒ

ولادت اور تعلیم:

قاری فرید احمد دہلوی دہلی کے قلندر مزاج اور درویش صفت انسان تھے وہ 1928ء دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد عمر خان تھا۔

قاری فرید احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم دہلی کے مشہور معروف مدرس حافظ فیروز صاحب مرحوم سے حاصل کی اور مولانا زید ابوالحسن فاروقی صاحب سے بھی قرأت کی مشق کی۔

نعت خوانی:

قاری فرید احمد صاحب دہلی کے معروف صاحب دل نعت خواں اور نعت گو تھے آپ کی آواز میں بڑی دلکشی اور دلآویزی تھی آپ بڑے سوزِ دل اور درد وکسک کے ساتھ پڑھتے تھے آپ خود بھی جھومتے تھے اور سامعین کو بھی جھوماتے تھے۔

مظہر گوالیاری لکھتے ہیں کہ:۔

"قاری فرید احمد دہلوی صاحب کو نعت پڑھتے دیکھ کر وجد کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے اس کا بیان ممکن نہیں۔

نعت گوئی اور نعت خوانی بہت عظیم فن ہیں نعت اگر دل کی گہرائی سے پڑھی جائے تو اس کی عظمت نہ صرف پڑھنے والے بلکہ سننے والے سے بھی ظاہر ہوتی ہے قاری فرید ان نعت خوانوں میں سے ایک ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ نعتِ مصطفےٰ کو دل کی گہرائی اور خلوص نیت سے پیش کرتے ہیں یہی وجہ ہے ان کے کلام کو سن کر جی چاہتا ہے کہ۔

مصروف ہیں لب مدحتِ شاہِ دوسرا میں
اے کاش! یہیں وقت کی رفتار ٹھہر جائے

آل انڈیا ریڈیو سے وابستگی:

قاری صاحب ایک بہترین خوش الحان قاری تھے وہ 27 سال تک آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ رہے اور اپنی دلکش آواز سے لوگوں کو متاثر کرتے رہے۔

قاری صاحب نے غیر معمولی اسفار بھی کئے ہیں عالمی محفل قرأت ملائیشیا میں آپ نے ہندوستان کی نمائندگی کی اور انعامات حاصل کئے اور اسی طرح عالمی نعت کانفرنس پاکستان میں بھی شرکت کی اور اعزاز واکرام سے نوازے گئے۔

عادات واطوار:

قاری صاحب بڑے مرنجان مرنج، باغ وبہار قسم کے آدمی تھے آپ کا تعلق ہر مکتبہ فکر کے لوگوں سے تھا سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری اور مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب اپنی دینی محفلوں میں بلاکر آپ کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔

وفات:

قاری فرید احمد صاحب، مداح رسول 1405ھ میں راہی ملک عدم ہوگئے محترم مولانا غیاث الحسن صاحب مظاہری مدیر "دینی مدارس" نے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

قاری بے مثال و خوش الحان — کہ در آفاق مقبول زماں گشت
صدا افسوس و ملال و حسرت و غم — کہ از دار فنا سوئے جنان رفت
غیاث بے نوا تاریخ می گفت — قاری فرید احمد از جہاں رفت
(1405)ھ

WWW.KITAABISTAN.COM

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین اوشی بختیار کا کیؒ سلسلۂ چشت کے جلیل القدر شیخ طریقت اور درویش کامل تھے۔

خواجہ صاحب کی ولادت باسعادت ۵۶۹ھ میں ترکستان کے شہر اوش میں ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی خواجہ سید موسیٰؒ تھا خواجہ صاحب ظاہری تعلیم وتربیت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حکم سے دہلی میں قیام پذیر ہو کر خلق خدا کی اصلاحِ ظاہر و باطن میں مصروف ہو گئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ عشق خداوندی میں ہمہ وقت اس طرح مستغرق رہتے تھے کہ بسا اوقات دنیا کے بڑے بڑے حادثہ کی آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ:

"شیخ الاسلام قطب الدین کا ایک چھوٹا بیٹا تھا' وہ فوت ہو گیا اس کو دفن کر کے جب واپس آئے تو آپ کی زوجہ محترمہ نے رونا شروع کر دیا۔ آپ نے ایک رفیق شیخ بدرالدین غزنویؒ سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا! مخدوم زادہ فوت ہو گیا ہے' ان کی والدہ غم سے بے قرار ہو کر آہ وزاری کر رہی ہیں۔ آپ افسوس کرنے لگے اور فرمایا: کہ اگر مجھے اس کی علالت کا پتہ ہوتا تو میں ضرور اس کی زندگی کے لیے خدا سے دعا کرتا۔ یہ بیان کر کے سلطان المشائخ نے فرمایا دیکھو استغراق کس درجہ کا تھا کہ اپنے بیٹے کی زندگی یا موت کی خبر نہیں"۔ (آب کوثر ص ۲۱۳۔ص ۲۱۵)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کا انتقال ۶۳۳ھ میں ہوا اور سلطان شمس الدین التمش کے علاوہ دہلی کے فقراء مشائخ اور عوام وخواص آپ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے اور جب جنازہ تیار ہو گیا اور نماز جنازہ کے لیے امامت کا مسئلہ سامنے آیا تو مولانا ابو سعیدؒ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ کی وصیت بیان کی کہ:

"ہمارے خواجہ نے وصیت فرمائی ہے کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے کہ

جس نے کبھی حرام نہ کیا ہو اور جس سے سنتِ عصر اور تکبیر اُولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو" (سیر الاقطاب ص ۱۶۰)

جب حضرت خواجہ صاحب کی یہ وصیت لوگوں کو معلوم ہوئی تو لوگ حیران تھے کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے' جو اس شرط کو پورا کرے اور آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائے گا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا آخر سلطان شمس الدین التمشؒ روتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا:

"مجھے ہرگز منظور نہ تھا کہ کسی کو میرے حال سے آگاہی ہو' مگر قطب الاقطاب کی مرضی سے چارہ نہیں"

لہٰذا سلطان نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو مہرولی میں اسی جگہ دفن کیا گیا جس جگہ کو آپ نے اپنی زندگی میں آخری آرام گاہ کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

سلطان شمس الدین التمشؒ

سلطان شمس الدین التمشؒ ہندوستان کے خود مختار اور دیندار بادشاہ تھے۔ آپ نے تقریباً چھبیس سال تک نہایت شان وشوکت کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے۔

حوض شمسی اور قطب مینار آپ کی یادگار ہیں پروفیسر خلیق نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حوض شمسی اور قطب مینار محض تعمیری کارنامے نہیں تھے' وہ زبردست تہذیبی نشانیاں تھیں جو تمدن کے ایک نئے دور کا آغاز کا اعلان کرتی تھیں اور جن کے پیچھے عزم جہانبانی کے ساتھ ساتھ فرائض دینی اور خدمتِ خلق کے بے پناہ جذبات کارفرما تھے" (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۰۱)

سلطان شمس الدین التمش خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ سے عقیدت اور ارادت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ باضابطہ مرید بھی تھے۔ سلطان شمس الدین صاحب عادل بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ غرباء ومساکین اور شعراء کی بڑی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ مشہور شاعر ناصری شاہی دربار میں باریابی کی غرض سے دہلی' حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ کی خدمت میں حاضر

WWW.KITAABISTAN.COM

ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا:

''جاؤ بہت انعام پاؤ گے''

ناصری نے چھپن اشعار کا ایک قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھا اور دربار میں پیش کیا۔ سلطان نے کچھ التفات نہ کیا' ناصری سخت پریشان ہوا اس نے اپنے دل میں حضرت قطب الاقطابؒ سے مدد چاہی مدد کا چاہنا تھا کہ سلطان نے ناصری کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

ہاں! قصیدہ پڑھو۔

اس نے قصیدہ پڑھا۔

قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

اے فتنہ از نہیب تو زنہار خواستہ
تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

سلطان شمس الدین التمش قصیدہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ناصری کو چھپن ہزار روپے بطور انعام دیئے۔ روپیہ لے کر ناصری خوش خوش حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا سب روپے آپ کے سامنے رکھ دیئے آپ نے اس میں سے کچھ قبول نہیں فرمایا۔ وہ واپس چلا گیا۔

(جواہر فریدی ص ۱۸۱)

سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ۲ شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۶ء میں ہوا اور مسجد قوت الاسلام کے عقب میں آپ کا مقبرہ ہے' اور عام سلاطین کے مقبروں کی طرح آپ کا مقبرہ بھی خستہ حالت میں ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

قاضی حمید الدین ناگوریؒ

قاضی حمید الدین ناگوریؒ جامع کمالات معنوی وصوری تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاد تھے' آپ بہت بڑے عالم دین اور خدا رسیدہ تھے۔ آپ بخارا کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عطاء اللہ محمودؒ تھا۔ آپ بخارا کے بادشاہ تھے آپ سلطان عطاء اللہ سے مشہور تھے۔

قاضی حمید الدین ناگوری اپنے عہد کے جلیل القدر شیخ طریقت' اور روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ متجر عالم دین اور بلند پایہ فقیہہ تھے' سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو ناگور کا قاضی منتخب کیا تھا' آپ تیس سال تک منصب قضا پر رونق افروز رہے اور ہزارہا مقدمات اور قضایا کے بڑے دانشمندانہ فیصلے کیئے اور آپ نے جب حرمین شریفین جانے کا ارادہ فرمایا تو اپنے صاحبزادے مولانا ظہیر الدین صاحب کو مسند قضاء پر بیٹھایا' اور صاحبزادے محترم نے بھی منصب قضاء کی نازک ذمہ داریوں کو بڑی دور اندیشی اور دیانتداری سے نبھایا۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا وصال ۹ رمضان المبارک ۶۴۳ھ میں ہوا اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے پائینتوں' سنگِ مرمر کے مجر کے احاطے کے باہر' قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ہے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا فخر الدین دہلویؒ

مولانا فخر الدین دہلویؒ 'مولانا شیخ نظام الدینؒ اورنگ آبادیؒ کے صاحبزادے و جانشین تھے۔ آپ علوم شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ نہایت ہی سادگی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے تھے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ رسالہ مرجعیہ' رسالہ عین الیقین اور نظام العقائد

WWW.KITAABISTAN.COM

وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا فخری الدین دہلوی کا انتقال ۱۱۹۹ء میں ہوا اور درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں مدفون ہیں اور آپ کی قبر مسجد کی دیوار سے متصل ہے۔ لوح مزار پر یہ اشعار موجود ہیں۔

بگذاشت فخردین چوں مہمان سرائے فانی
بر آستانہ جادادو آں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

(خورشید دو جہانی ۱۱۹۹) ھ

✵ ...... ☆ ...... ✵

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی محدث جلیل فقیہہ کبیر اور شیخ طریقت تھے۔ آپ کی ولادت محرم الحرام ۹۵۸ میں ہوئی۔ آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ سیف الدین سیفی قادری تھا۔ وہ ایک صوفی منش شاعر اور صاحب دل بزرگ تھے۔

شیخ سیف الدین نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم و تربیت پر کافی توجہ کی اور صاحبزادہ محترم نے بھی اپنی فطری ذہانت و فطانت کی وجہ سے صرف اٹھارہ سال کی عمر میں علوم قرآن و حدیث کی تحصیل و تکمیل سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ظاہری علوم سے فراغت کے بعد آپ فتح پور سیکری تشریف لے گئے جو ان دنوں شہنشاہ اکبر کا دارالسلطنت تھا۔

شیخ عبدالحق محدث نے فتح پور سیکری میں بیٹھ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع فرمایا اور بہت جلد آپ کی تبحر علمی اور جلالت شان کا شہرہ دور دور ہو گیا اور آپ کی علمی قابلیت اور ذہنی صلاحیت کی بنا پر ابوالفضل فیضی، مرزا نظام الدین اور ملا عبدالقادر بدایونی جیسے حضرات کو بھی آپ سے قلبی لگاؤ ہو گیا اور اسی تعلق خاطر کی بنا پر ان حضرات نے حضرت

شیخؒ کو دنیا کی طرف مائل کرنا چاہا اور اکبر بادشاہ کے دربار تک رسائی کرادی لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو بچا لیا۔

چنانچہ شیخ ''زاد المتقین'' میں لکھتے ہیں:

''جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے (علم کا) خاصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہ وقت (اکبر) اور امراء کے پاس گیا۔ انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی، میرا رتبہ بلند کیا بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا'' (رود کوثر ص ۳۴۹)

۹۹۶ھ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور اسی سفر میں شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور ان کے فیوض و برکات سے کمالات باطنی میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ اور اپنے شیخ کے اشارہ پر آپ دہلی آکر رشد و ہدایت کا باضابطہ آغاز فرمایا اور ایک مدرسہ بھی قائم فرما کر قرآن و حدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بعد والوں کے لیے اکتساب فیض کا ذریعہ مہیا فرمایا اور حسب ذیل اہم و مفید تصنیفات بطور یادگار چھوڑیں' لمعات شرح مشکوۃ' مرج البحرین' اخبار الاخیار فی اسرار الابرار' لطائف الحق اور مدارج النبوۃ وغیرہ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ۲۱ ربیع الاول 1051ھ کو مولائے کریم سے جا ملے آپ کا مزار مہرولی میں حوض شمسی کے داہنے کنارے زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے علمی و روحانی جانشین حضرت شیخ محمد نور الحق محدثؒ ہوئے۔ شیخ نور الحق محدث آپ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کی قبر احاطہ درگاہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ میں ہے۔ آپ کی قبر پر جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت منقوش ہے۔ (حضرت شیخ محمد نور الحق محدث)

المتخلص بمشارق صاحب تیسیر القاری، سراج قرآن السعدین
وزبدۃ التواریخ وبیان الرویاء ومحی القلوب درمواعظ خلف اکبر
وجانشین حضرت شیخ اجل محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

WWW.KITAABISTAN.COM

نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں

نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں اردو فارسی کے مشہور و معروف شاعر اور مرزا غالب کے شاگرد خاص تھے۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص تھا۔ مرزا نیر رخشاں کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

لے خبر میری کہ اب غم کی مجھے تاب نہیں — آدمی ہوں، نہ فلک، گرچہ خور و خواب نہیں
آنکھ سے نکلے، نہیں جذب ہوئے دامن میں — بجز اشکوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں
آب شمشیر کے اک قطرے سے کیا تر ہو وہ خلق — سات دریا سے جو ہوتا کبھی سیراب نہیں
ایک قطرہ نہ ملے گا تمہیں، منہ دھو رکھو! — زاہدو! بادہ ہے، زمزم کا یہ شور آب نہیں
کن کو احباب سمجھتے ہیں یہ غم ہے رخشاں — یہ نہیں ہے کہ انہیں خاطرِ احباب نہیں

نواب ضیاء الدین احمد نیر رخشاں کا انتقال ۲۷ جون ۱۸۸۵ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے صندل خانہ میں اپنے والد نواب احمد بخش خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مرزا سعید الدین احمد خاں طالب

مرزا سعید الدین احمد خان طالب کی ولادت ۱۸۵۲ء میں ہوئی ان کے والد کا نام نواب ضیاء الدین احمد خان نیر رخشاں تھا۔ مرزا سعید الدین احمد خاں طالب اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ نومشقی کے ابتدائی زمانے میں ثاقب اور غالب سے اصلاح لی۔ ان کی وفات کے بعد چند دن سالک اور مولانا حالی سے مشورہ سخن کرتے رہے اور آخر میں اپنے والد کے کہنے پر میر مہدی مجروح کو کلام دکھانے لگے تھے، لیکن ان کی شخصیت پر مرزا غالب کا اثر

غالب تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔

یہ سب کچھ ہے طفیل حضرت غالب
وگرنہ ہم میں طالب! خاک طاقت ہے

زمانے کی حیا سے ہوگیا ہمرا قاتل بھی — اٹھا جس دم جنازہ طالب مہجورِ جاناں کا
کسی نے اس سے یوں پوچھا کہ کس کے ساتھ جاتے ہو — تو بولا: ہے جنازہ ایک بیچارے مسلمان کا

مرزا طالب کا انتقال پر ملال ۱۳ اگست ۱۹۱۹ء مطابق ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ میں ہوا اور درگاہ قطب صاحب میں صندل خانہ میں دفن ہوئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

شجاع الدین احمد خاں تاباں

شجاع الدین احمد خاں تاباں کی ولادت ۲۳ دسمبر ۱۸۶۱ء میں ہوئی ان کے والد کا نام مرزا شہاب الدین احمد ثاقب تھا، جو مرزا غالب کے شاگرد تھے۔

تاباں فارسی زبان میں کامل دستگاہ عبور رکھتے تھے۔ حضرت داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ بڑے ہی مشاق اور زود گو تھے۔

نمونہ کلام:

تاباں نے غالب کی زمین میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ کہا ہے

اس کی شانِ گونا گوں ہم پر نمایاں ہوگئیں — کیسی کیسی صورتیں پیدا و پنہاں ہوگئیں
اس کے پرتو سے ہے ان میں جلوہ ہائے رنگ رنگ — میری آنکھیں روکش رخسار جاناں ہوگئیں
دن کو مخفی تھی بنات النعش کی بازی گری — رات کے پردے میں کھل کھیلیں کہ عریاں ہوگئیں
نیر و غالب کا تاباں تو ہی ہے زلہ ربا — تجھ سے ذرے پر شعاعیں ان کی تاباں ہوگئیں

تاباں نے ۱۶ اپریل ۱۹۲۸ء میں انتقال فرمایا، مہرولی میں صندل خانہ میں آرام فرما ہیں لوح مزار پر تاریخ وفات ۲۶ اپریل کندہ ہے۔

مرزا شجاع الدین احمد خان تاباں (تاریخ وفات ۲۶ اپریل ۱۹۲۸ء)

WWW.KITABOSUNNAT.COM

نواب سراج الدین احمد خاں سائلؔ دہلوی

ابوالمعظم نواب مرزا سراج الدین خان سائلؔ دہلویؒ کی ولادت مورخہ ۲۰ شوال المکرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۷ء میں دارالسلطنت دہلی میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام نواب شہاب الدین احمد خان ثاقب تھا جو بڑے صاحب علم وفضل اور کہنہ مشق شاعر تھے۔

نواب سائلؔ اردو کے قادر الکلام شاعر اور نواب استاد داغؔ کے جانشین تھے۔ آپ دہلی کی ٹکسالی زبان میں بڑے فصیح وبلیغ اشعار کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت سیمابؔ اکبر آبادی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت سائلؔ کی زبان وہی دہلی کی ٹکسالی ہے جس کا سکہ آج تمام ملک میں جاری ہے سلاست اور روزمرہ ان کے یہاں بحداتم موجود ہے۔ محاورات کا انضباط مرزا داغؔ مرحوم کی طرح ان کے یہاں بھی ہے لیکن سائلؔ خیال کی بلندی، اسلوب کی شگفتگی اور زبان کی سلاست میں اپنے تمام برادران خواجہ تاش میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ (تذکرہ سائل ص ۱۴۴)

حضرت بیخودؔ دہلوی، آغا قزلباش دہلوی، پنڈت تربھون ناتھ زتشیؔ زار دہلوی اور حضرت سائلؔ دہلوی، حضرت مرزا داغؔ دہلوی یہ چار نامور ومستند تلامذہ تھے ان میں ہر ایک حضرت داغؔ کی جانشینی کا دعویدار تھا اور ایسی صورت میں ان کے مابین رقابت کا ہونا اور نوک جھونک چلنا ایک فطری امر تھا۔ مگر جانشینی وخلافت کے مدعی سائلؔ مرحوم ہی تھے اور وہی استاذ داغؔ کے جانشین تسلیم کئے گئے حضرت سائلؔ مرحوم فرماتے ہیں۔

ہمیں جانشین داغؔ، ہم کو ماننا ہوگا
جناب داغؔ کے داماد ہیں ہم دہلی والے ہیں

اور حقیقت یہ ہے کہ فن شاعری میں آپ کی مہارت اور قادر الکلامی بھی اسی کے متقاضی کہ آپ کو داغؔ کی جانشینی کا شرف حاصل ہو اور اس کے ثبوت کے لیے سائلؔ مرحوم کے چند اشعار ملاحظہ فرماویں۔

تمہاری یاد فرمائی سے لوں میں ہچکیاں کب تک — بچے ان لطف کے جھٹکوں سے جانِ ناتواں کب تک

ابھی چٹکی میں آیا ہے نکل کر تیر ترکش سے — خبر کیا دوش سے ہستی میں آئے گی کمان کب تک
اجازت دے کے دیکھیں تو نگہبان حرم مجھ کو — کہ کب سے میں رہا صرف سجودِ آستان کب تک
گنہگارانِ الفت ترکِ الفت کر نہیں سکتے — انہیں دے رحمتِ حق مژدۂ امن وامان کب تک
جفا کا ہو کے خوگر دیکھ لوں گا چرخ کو تم کو — کہ مل کر ظلم کر سکتے ہو تو تم پیر وجوان کب تک
پچھتر سال گزرے خاک اڑاتے دربدر پھرتے — ہوئے جائے گا سائلؔ یوں ہی رسوائے جہاں کب تک

ابوالمعظم نواب مرزا سائلؔ دہلوی اپنے اخلاق وکردار سے آخر دم تک دہلی کی تہذیب اور روایت، مروت وشرافت کی جیتی جاگتی تصویر کا نقشہ پیش کرتے رہے اور ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ء میں قدرت کی یہ حسین تصویر دہلی میں خاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئی۔

آپ کی قبر درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی میں صندل خانہ کے اندر واقع ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ ایک جلیل القدر عالمِ دین، وسیع النظر فقیہ اور شریف الطبع انسان تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی ولادت باسعادت ۱۲۹۵ھ میں شاہجہانپور صوبہ اترپردیش میں ہوئی آپ کے والد کا نام عنایت اللہؒ تھا۔

مفتی صاحب ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا عبدالعلی قاسمیؒ اور شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی سے پڑھیں اور ۱۳۱۵ھ میں سند فراغت حاصل کر کے دیوبند سے وطن تشریف لائے اور شاہجہانپور کے مشہور دینی مدرسہ عین العلم میں سلسلۂ درس جاری فرمایا مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا امین الدین بانی مدرسہ امینیہ باصرار تمام دہلی بلا کر مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس اور مفتی کے مناصبِ جلیلہ پر فائز کیا۔ اور مولانا امین الدین صاحب مرحوم کے وصال کے بعد مدرسہ امینیہ کا منصب اہتمام بھی آپ ہی کو سونپا گیا جس پر آپ مسلسل چالیس سال تک فائز رہے اور اپنی خداداد صلاحیتوں اور بے لوث خدمت اور انتھک جدوجہد کے ذریعہ معراج ترقی کے آسمانِ ہفتم تک پہنچایا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مفتی اعظم صاحب مولانا محمد کفایت اللہؒ کا شمار جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں اور چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ آپ نے سالہا سال تک جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت کو بھی رونق بخشی ہے اور اس کے علاوہ آپ استخلاص وطن کے جہاد میں بھی ہمیشہ نمایاں کردار ادا کرتے رہے اسی بنا پر آپ کا شمار جلیل القدر مجاہدین آزادی میں کیا جاتا ہے اور آپ کی عمر کا بہت بڑا حصہ انگریزوں کی مخالفت میں گزرا ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ گجرات جیل میں ڈاکٹر انصاری اور خان عبدالغفار خان کے ساتھ چھ ماہ کی قید بامشقت گزاری اور دوسری مرتبہ ڈیڑھ سال قید بامشقت ملتان جیل میں بسر کی یہاں آزادی کے مشہور لیڈر لالہ دیش بندھو گپتا آپ کے ساتھ تھے اور اسی زمانہ میں دیش بندھ گپتا نے حضرت مفتی صاحب سے گلستان پڑھی۔

کانگریس نے جب انگریزی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو حضرت مفتی صاحب نے اس کی پرزور تائید کی اور جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی تحریک کو تقویت پہنچائی اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حضرت مفتی صاحب اگر ایک طرف علم دین کی مسند پر فائز تھے تو دوسری طرف سیاست کے میدان میں بھی مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔

حضرت مفتی صاحب ایک وسیع النظر مفتی تھے مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ''ٹوٹے ہوئے تارے'' کے اندر لکھا ہے کہ:

''مفتی صاحب ایک دفعہ نواب بھوپال کی دعوت پر اسلامی قانون میں مشورہ کے لیے مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ کے ساتھ بھوپال گئے اس موقعہ پر بعض علماء نے مفتی صاحب پر اعتراض کیا کہ وہ سرکاری مہمان ہیں' جہاں میز کرسی پر کھانا کھایا جاتا ہے مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میز کرسی پر کھانا اب صرف نصاریٰ کا شعار نہیں رہا' دنیا میں ہر جگہ علماء اور دیندار حضرات میز کرسی پر کھاتے ہیں اس لیے اس کو اب ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ اس فتویٰ سے مفتی صاحب کی وسیع المشربی اور وسعت فکر ونظر کا اندازہ ہوتا ہے۔''

حضرت مفتی صاحب نے یکم جنوری ۱۹۵۳ء میں درمیانی شب میں وفات پائی اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جوار میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی قبر ظفر محل کے قریب ہی ایک مخصوص احاطہ میں ہے:

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ عالم شہیر' واعظ بے نظیر اور مفسر جلیل تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۸۳ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام محمد نواب مرزا تھا۔

مولانا احمد سعید دہلوی نے مکتبی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور سندِ فضیلت مدرسہ امینیہ سنہری' مسجد' چاندنی چوک سے حاصل کی آپ کے اساتذہ میں دہلی کے مشہور عالم دین مولانا عبدالرحمٰن راسخ اور مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔

مولانا احمد سعید جمعیۃ علماء ہند کے صفِ اوّل کے اکابر میں تھے کیونکہ آپ کا شمار جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہوتا ہے اور جمعیۃ علماء ہند کے سب سے پہلے ناظمِ اعلیٰ بھی بنائے گئے اور عرصہ دراز تک آپ ہی حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ کی زیر صدارت جمعیۃ علماء ہند کی قیادت فرماتے رہے۔

مولانا احمد سعید دہلوی نے استخلاصِ وطن میں ہمیشہ قائدانہ کردار پیش فرمایا جس کے نتیجہ میں آپ متعدد بار جیل بھی گئے اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک شعلہ بیان مقرر اور واعظ بھی تھے۔ مولانا کے مواعظ سے محظوظ ہونے والوں کا کہنا ہے کہ ان کے مواعظ ایسے دلچسپ اور پُراثر ہوتے تھے کہ سامعین نہایت انہماک کیساتھ گھنٹوں بلکہ رات رات بھر مولانا کا وعظ سنتے رہتے تھے۔

مولانا احمد سعید دہلوی ایک عظیم مصنف اور عمدہ مفسّر بھی تھے۔ آپ نے بہت سی اہم اور دلچسپ کتابیں تصنیف فرمائیں جو عوام وخواص میں بے حد مقبول ہیں جن میں سے چند یہ ہیں جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا وغیرہ۔

مولانا احمد سعید صاحب نے ترجمہ قرآن مجید مع حاشیہ کشف الرحمٰنؒ کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مقدمہ کے ساتھ شائع بھی ہو چکا ہے اور اہلِ علم کے حلقوں میں کافی مقبول بھی ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا احمد سعید ایک اچھے شاعر بھی تھے اور آپ کا تخلص اسیر تھا۔ آپ کی غزلیں خصوصیت کے ساتھ عوام و خواص میں بہت پسند کی جاتی تھیں نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

زندگی سے اپنی گھبرا کر چلے ۔۔۔ آئے تھے گھر اور پلٹ کر گھر چلے
بات میری خاک تم سن کر چلے ۔۔۔ سینکڑوں الزام مجھ پر دھر چلے
تھا خلاصہ زندگی کا اس قدر ۔۔۔ شام آئے شب سے پہلے گھر چلے
ساقیا ظاہر ہو یوں شانِ کرم ۔۔۔ میکدے سے جو چلے پی کر چلے
خشک لب میرے رہے پیش نظر ۔۔۔ میکدے میں جب مے و ساغر چلے
تیرے صدقے شہ لطف و کرم ۔۔۔ ہاتھ خالی آئے دامن تر چلے
مقصد اپنا ہوگیا پورا اسیر ۔۔۔ مرنے آئے تھے اور کسی پر مر چلے
ایسے آنے سے نہ آنا خوب تھا ۔۔۔ شام آئے تھے شب سے پہلے گھر چلے

مولانائے محترم اپنے سینے میں بہت ہی حساس اور دردمند دل رکھتے تھے، اسی وجہ سے آپ ۱۹۴۷ء کے وحشیانہ فسادات کا بہت گہرا اثر تھا اور کسی زخمی پرندہ کی طرح تلملاتے تھے، اور میر تقی میر کے یہ شعر گنگناتے تھے۔

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

خصوصاً ملک کی تباہی و بربادی سے بہت ہی افسردہ اور غمگین تھے دوسری طرف مولانا کو قلب کے عارضے نے گھیر لیا تھا اور آپ کا قلب اس درجہ متاثر ہو چکا تھا کہ جب ڈاکٹروں نے مولانا کے ایکسرے پر نظر ڈالی تو بے ساختہ کہنے لگے کہ یہ مریض اس ایکسرے میں مرچکا ہے۔ اب یہ کیسے زندہ ہیں ہم نہیں کہہ سکتے بالآخر ۴ دسمبر ۱۹۵۹ء کو جسد عنصری سے روح پرواز کرگئی، مہرولی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے باہر ظفر منزل کے قریب استاد محترم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کے دائیں جانب دفن ہوئے قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

نذر عقیدت

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی ۔۔۔ ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

۱۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کا نڈر جنرل اور عظیم رہنما
۲۔ جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں
۳۔ آفتاب فصاحت و بلاغت
۴۔ شہنشاہ خطابت
۵۔ عارف اسرار شریعت وطریقت
۶۔ مبلغ اسلام
۷۔ متوکل علی اللہ
۸۔ علم مجلسی میں یکتا
۹۔ سخن فہم اور سخن گو

مفسّر قرآن سحبان الہند حضرت علامہ حافظ الحاج مولانا احمد سعید نور اللہ مرقدہٗ تاریخ وفات ۴ دسمبر ۱۹۵۹ء بعد نماز مغرب ساڑھے سات بجے۔ (نصب کردہ محمد عاشقین ۳۸۳۹ چوڑیوالان)

محمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا حافظ محمد سعید کا شمار مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند میں ہوتا ہے آپ سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ کے فرزند ارجمند، مشہور مجاہد آزادی دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر، مکتبہ دینی بکڈپو کے بانی اور ایک اچھے اہل قلم تھے۔

امیر شریعت مولانا منت رحمانی صاحب نے ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ:

"مولانا محمد سعید مرحوم ذہانت و شرافت میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تھے اور بڑے باغ و بہار قسم کے انسان تھے"

مولانا محمد سعید کا انتقال ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء بروز بدھ ہوا اور اپنے والد ماجد مولانا احمد سعیدؒ کی پائینتی میں ظفر محل (مہرولی) کے برابر میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی قبر پر لوح لگی ہوئی ہے اور لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

(۷۸۷ مولانا حافظ محمد سعید خلف حضرت مولانا احمد سعید ولادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۱۴ء بروز بدھ وفات ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۶۵ء بروز بدھ ارشد سعید' ۲۱۱۲ کوچہ چیلان)

❋ ...... ☆ ...... ❋

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی ولادت باسعادت ۶۳۶ھ میں بدایوں اتر پردیش میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ سید احمد تھا' جو مادر زاد ولی اور جید عالم دین تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء ابھی پانچ سال کے تھے کہ باپ کا یہ سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا اور آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا پورا بار بوجھ آپ کی والدہ پر آ پڑا مگر آپ کی والدہ بڑی قانع اور باہمت خاتون تھیں۔ لہٰذا اس نیک دل خاتون نے بڑے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ اس ہونہار فرزند کو نہ صرف پالا پوسا بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی معقول نظم کیا اور اپنے اس چہیتے فرزند کو سولہ سال کی عمر تک اپنے ہی زیر سایہ بدایوں میں رکھ کر تعلیم دلائی اور جب آپ ابتدائی تعلیم اور اسلامی اخلاق سے پوری طرح مزین ہو گئے تو آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی بھیجا کیونکہ اس زمانہ میں دہلی ہی علوم اور علماء کا مرکز تھی۔

لہٰذا حضرت نظام الدین اولیاءؒ سولہ سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لائے اور مولانا شمس الدین خوارزمی جیسے متجر عالم دین (جو اس وقت شمس الملک کے لقب سے مشہور ومعروف تھے) کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت حاصل کی اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حدیث کی کتابیں مشہور محدث شیخ محمد بن احمد المباریکلی متوفی ۶۸۴ء سے پڑھیں اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔

علوم قرآن وحدیث کی تحصیل وتکمیل کے بعد آپ علوم باطن کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور بہت جلد منازل سلوک طے کر کے بابا فرید الدین سے خلعت خلافت حاصل کیا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ صحیح معنوں میں ولی کامل متبع سنت اور عاشق رسول تھے اور بدعات وخرافات سے آپ بہت ہی زیادہ متنفر رہتے تھے اسی لیے آپ اپنے مریدین و متسبین کو غیر اسلامی طریقوں سے سختی کے ساتھ باز رہنے کی تاکید فرماتے رہے تھے۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اپنے وقت کے شیخ کامل اور مصلح اعظم تھے جو بھی آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتا تو نہ صرف یہ کہ اس کی اصلاح ہوتی بلکہ وہ خود مصلح اور شیخ وقت بن جاتا لہٰذا آپ کے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں فیض یافتہ اور خلفاء ہیں جنہوں نے بیعت وارشاد اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور مخلوق خدا کو خوب خوب فیض پہنچایا جیسا کہ مولانا محمد غوث صاحب نظامی لکھتے ہیں۔

''آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلیفہ ایسے روانہ کئے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع ہوتا تھا''
(گلزار ابرار قلمی ص ۱۱۷)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی پوری ہی زندگی خلق خدا کی اصلاح وتربیت میں صرف ہوئی اور خدا کے بندوں کو خدا سے ملاتے ملاتے خود ہی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور اس طرح رشد وہدایت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ کی نماز جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی اور ظہر کے وقت آپ کو آپ کے حظیرے میں جس سے خلد بریں کی یاد تازہ ہوتی تھی' جوار رحمت میں سپرد کیا گیا۔

درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے گنبدے کے اندر سرہانے کی لوح پر سنہرے الفاظ میں لکھا ہے۔

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

شکر کہ درد روضہ حضرتِ غوث الانام — از پے تعمیر شد خانِ فلک احتشام
مہر نسب را شرف' اوج شرف را شہاب — سید عالی نسب میر فلک احترام
بانی او ہاشمی' سالمی اور ہاشمی — آنکہ بدورانِ شان ہست سخن را نظام
از پے تاریخ آن چوں متفکر شدم — کلکِ خرد زد رقم! قبلہ گہہ خاص وعام

(۹۷۰ھ-۳-۱۵۲۶ء)

WWW.KITABISTAN.COM

حضرت امیر خسروؒ

ملک الشعراء حضرت امیر خسروؒ ۶۵۱ھ میں پٹیالی ضلع ایٹہ یوپی میں پیدا ہوئے ان کے والد امیر سیف الدین محمود ہزارہ بلخ کے امیر تھے۔ وہ چنگیز خان کے عہد میں ترک وطن کر کے ہندوستان آ گئے اور پٹیالی میں سکونت پذیر ہو گئے' امیر خسروؒ وہیں پیدا ہوئے۔ امیر خسرو ابھی آٹھ سال کے تھے کہ شفقت پدری سے محروم ہو گئے آپ کے نانا عماد الملک سلطان غیاث الدین بلبن کے امراء میں تھے۔ اپنے ہمراہ دہلی لے آئے اور آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ صرف فرمائی اور آپ کو جملہ علوم وفنون سے آراستہ کیا مگر اتفاق یہ کہ ابھی جوانی میں قدم رکھا ہی تھا کہ ۶۷۱ھ میں آپ کے نانا جان عماد الملک کا بھی انتقال ہو گیا اور فکر معاش دامن گیر ہو گئی۔ مگر آپ نے کمر ہمت باندھی اور فکر معاش شروع فرما دی آپ کو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی صلاحیتوں سے نوازا ہی تھا۔ لہٰذا دہلی امراء وسلاطین نے اپنے مصاحب بنانا اور اعلیٰ مناصب دینا اپنے لیے باعثِ فخر جانا اس طرح آپ دہلی کے متعدد امراء وسلاطین کے مصاحب رہے اور کم از کم پانچ بادشاہوں کے یہاں تو بہت ہی اہم مناصب پر فائز رہے'' ملک الشعراء حضرت امیر خسرو جامع العلوم والفنون انسان تھے وہ ایک قادر الکلام' غزل گو شاعر ایک عظیم قصیدہ گو ایک باکمال مثنوی نگار' ایک بلند پایہ نثر نگار' ایک ماہر فن موسیقار اور ایک جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔

امیر خسرو اردو کے عظیم المرتبت شاعر ہیں جنھوں نے نوعمر اور نوزائیدہ اردو زبان میں شعر و شاعری کی اور بہت ہی اچھی کی مشہور واقعہ ہے کہ:

چار عورتیں ایک کنوئیں پر پانی بھر رہی تھیں امیر خسرو ادھر سے گزرے انہیں پیاس لگ رہی تھی۔ پانی طلب کیا چونکہ ہر دلعزیز تھے اور سب آپ کے کمالات شاعری کے معترف تھے۔ اس لیے ان عورتوں نے بھی کہا کہ ہم لوگ اس وقت اپنے آج کے واقعات کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کو نظم کر دیجیے تب ہم آپ کو پانی پلائیں گے۔ چنانچہ پہلی عورت نے کہا کہ

آج میں نے نہایت لذیذ کھیر پکائی تھی اور ایندھن جب کم پڑ گیا تو اس دوسری عورت نے اپنا پرانا چرخہ اپنے گھر سے لا کر دے دیا کہ ایندھن بناؤ' جب کھیر پک کر تیار ہوئی تو تیسری جو ڈھول بجا رہی تھی اس کے پاس ہم دونوں تھوڑی دیر کے لیے جا بیٹھے اور اس درمیان میں ایک کتا آ گیا۔

حضرت امیر خسرو نے فی البدیہہ ان بے ربط باتوں کو ایک شعر میں نظم کر دیا جو حسب ذیل ہے۔

کھیر پکائی جتن سے چرخہ دیا جلا
آیا کتا کھا گیا' تو بیٹھی ڈھول بجا

(دہلی کے مشائخ کی ادبی خدمات ص ۳۴)

امیر خسرو کو شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے عقیدت وارادت ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے انتقال کے بعد آپ اپنے پیر ومرشد کی تربت اطہر پر برابر جاروب کشی فرماتے رہتے تھے اور یہ شعر پڑھتے رہتے تھے۔

گوری سوئے سیج پر مکھ پہ ڈالے کیس
چل خسروؒ گھر اپنے سانجھ ہوئی جو دیس

شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک حضرت امیر خسرو زندہ رہے اور بڑے درد و الم کے ساتھ یہ شعر پڑھتے رہے اور اسی عالم میں ۲۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ بمطابق ۱۳۲۴ء میں اس دار المحن سے دار السرور کی طرف کوچ فرما گئے اور اپنے پیر ومرشد کے جوار میں دفن ہوئے۔

خواجہ ضیاء الدین برنیؒ

خواجہ ضیاء الدین برنی کا شمار اسلامی عہد کے مشہور و مستند مورخوں اور تذکرہ نویسوں میں ہوتا ہے آپ تاریخ فیروز شاہی و حسرت نامہ کے مولف ہیں۔

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مقرب اور خاص مریدوں میں تھے اور بڑھے ہی لطیفہ گو بزرگ تھے۔

آپ مجموعہ لطائف وظرافت تھے اور ہر قسم کے کلمات و حکایات یاد تھیں علماء و مشائخ و شعراء کی صحبت میں بہت رہتے تھے اور حضرت امیر خسروؒ و حسن میر سے بہت محبت تھی اور دونوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ آخر میں آپ بوجہ لطیفہ گوئی وظرافت وفن ندیمی سلطان محمد تغلق کے مصاحب ہوگئے تھے لیکن فیروز شاہ کے زمانہ میں گوشہ نشیں ہوگئے اور جو کچھ پاس تھا اس پر قناعت کی جب انتقال ہوا تو جنازہ پر سوائے بورئے کے کچھ نہ تھا۔ (مزارات اولیاء دہلی ص ۴۹)

خواجہ ضیاء الدین برنی ۷۵۸ء میں انتقال فرمایا اور اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں دفن ہوئے۔

✻ ...... ☆ ...... ✻

خواجہ نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ نور محمد بدایونیؒ مشہور اہل اللہ میں تھے۔ حضرت نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پوتے، حضرت خواجہ سیف الدین کے مرید اور خلیفہ تھے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ بانی جماعت تبلیغ بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت نور محمد صاحب کے مزار پر مراقب ہوا کرتے تھے اور روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

حضرت نور محمد بدایونی کا مزار قبرستان پنج پیران جنکپوری متصل بستی نظام الدین اولیاء

میں ایک چار دیواری میں واقع ہے۔ اسی جگہ مولانا زید میاں صاحب کی والدہ اور اہلیہ بھی آرام فرما ہیں۔

قبرستان پنج پیران میں اکثر اکابر جماعت تبلیغ آرام فرما ہیں۔ اسی قبرستان کے ایک گوشہ ہیں۔ جماعت تبلیغ کے پر جوش مبلغ خالد سیف اللہ صاحب انجینئر کی اہلیہ محترمہ اور راقم الحروف کی عزیزہ جمال النساء بھی قیامت کی نیند سو رہی ہیں۔ مرحومہ بہت ہی نیک خصلت اور مہمان نواز خاتون تھیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعت تبلیغ نے پڑھائی تھی۔ راقم الحروف بھی نماز جنازہ میں شریک تھا۔ اسی قبرستان پنج پیران کی ایک جانب میں ایک قدیم و تاریخی مسجد محمدی واقع ہے۔ اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دلی کی اور قدیم و تاریخی مسجدوں کی طرح یہ قدیم مسجد بھی بہت ہی خستہ و ویران حالت میں موجود تھی۔

الحمد للہ اسی قدیم و تاریخی مسجد میں مولانا بشیر احمد راشد الامینی صاحب کے زیر اہتمام مدرسہ معین الاسلام چل رہا ہے اور طالبانِ علوم نبوت ایک اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

ماہنامہ ''دینی مدارس'' کے مدیر مولانا غیاث الحسن مظاہری صاحب رقم طراز ہیں کہ قبرستان کا رقبہ ہزاروں ایکٹر زمین پر پھیلا ہوا تھا۔ پرانے کاغذات میں اس جگہ کو بستی غیاث پور کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس مسجد کا خسرہ نمبر ۳۶۵ ہے۔ دائیں بائیں تمام عمارتیں ناجائز طور پر اسی مسجد و قبرستان کی جگہ پر بنادی گئیں۔ اب جبکہ مسجد و قبرستان کی بچی کھچی تھوڑی سی جگہ پر تعمیر و توسیع کا کام شروع کیا گیا تو اس اس کو ناجائز کہہ دیا گیا۔ (ماہنامہ ''دینی مدارس'' مارچ ۱۹۹۰ء)

بڑی خوشی کی بات ہے کہ غیاث پور سے شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور ملک الشعراء امیر خسرو رحمہم اللہ جیسے محب وطن درویشوں کا خصوصی تعلق تھا۔ آج اسی مقدس مقام پر یہ دینی و قومی ادارہ قائم ہوا ہے اور علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے۔

✻ ...... ☆ ...... ✻

نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ

نواب محمد مصطفےٰ خان شیفتہ کی ولادت باسعادت ۱۸۰۶ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نواب محمد مرتضیٰ خاں بہادر تھا۔

نواب محمد مصطفےٰ خان شیفتہ نے فارسی اور عربی دہلی کے مشہور استاد میاں جی بالا مال سے پڑھی اور حدیث وتفسیر کی کتابیں مولانا حاجی نور محمد دہلوی سے پڑھیں نواب شیفتہ ۱۲۵۵ء میں حج بیت اللہ کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اس دولت بے بہا کے ساتھ ایک اور دولت سے بھی دامن پُر کیا کہ وہاں کے مشہور ومعروف محدثین شیخ عبداللہ سراج حنفی مکّی اور شیخ محمد عابد سندھیؒ کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر ان سے سندِ حدیث حاصل کی اور ذوق سخن کی اصلاح کے لیے حکیم مومن خاںؔ کے شاگرد بنے۔

نواب شیفتہ کا شمار اہلِ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ سلسلۂ محمدیہ میں بیعت تھے بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ آپ منہیات ومنکرات سے ہمیشہ مجتنب رہتے تھے۔ نواب شیفتہ بھی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں تھے۔ انگریزوں نے آپ کو بھی گرفتار کرلیا تھا' البتہ پھانسی کے بجائے صرف سات سال کی قید تجویز ہوئی تھی۔

نواب صدیق حسن بھوپالی مرحوم نے آپ کی رہائی کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی' نتیجہ کے طور پر کامیابی نصیب ہوئی لیکن سرکاری وظیفہ بند اور ذاتی جائیداد کا بھی نصف حصہ ضبط ہوگیا تھا اور آپ معاشی اعتبار سے نہایت تنگ دست ہوگئے تھے۔ چنانچہ شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ مرحوم لکھتے ہیں۔

''نواب شیفتہ جیسا صبر واستقلال میں نے کسی انسان میں نہیں دیکھا' تسلیم ورضا کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے کہ جب آپ گرفتار تھے تو ایک دن محافظ پولیس کے دستہ میں پاپیادہ سڑک پر جارہے تھے۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا پھر آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکا' تیری شانِ کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی میں تو اس سے بہت زیادہ مستحق تھا''

نواب محمد مصطفےٰ خان شیفتہ ایک اچھے مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ترغیب

السالک الی احق لمسالک اور تذکرہ گلشن بے خار آپ کی یادگار ہیں۔

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

☆

نہ کر خطا پہ نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

☆

بھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ آئین عشق میں ہوتا ہے کیا کیا

☆

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

نواب شیفتہ نے ۱۸۲۹ء میں انتقال فرمایا اور آپ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں اپنے آباءواجداد کے مزارات کے پاس دفن کئے گئے۔ اس احاطہ میں آپ کے صاحبزادے نواب محمد اسحاق خان سابق سکریٹری محمڈن کالج علی گڈھ کی بھی قبر ہے۔

کسی نے نواب محمد اسحاق خان کی تاریخ وفات کہی ہے۔

دردل چو اسیر فکر سال است
فانی فی الذاتہ وصال است

(۱۳۲۷ھ)

WWW.KITABISTAN.COM

مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ ۱۲۱۲ھ میں شہرہ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ عہد طفولیت میں ہی آپ کے والد مرزا عبداللہ بیگ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے چچا مرزا نصیر اللہ بیگ نے آپ کی پرورش کی۔ ۱۲۲۵ھ میں مرزا غالبؔ کی شادی نواب الٰہی بخش کی صاحبزادی سے ہوئی چنانچہ مرزا غالبؔ آگرہ سے دہلی میں منتقل ہوگئے۔

مرزا غالبؔ فارسی اور اردو کے جلیل القدر شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ کی شاعری اکتسابی نہ تھی بلکہ الہامی تھی اور نثر نگاری میں بھی آپ اپنے مخصوص اسلوب کے موجد اور خاتم تھے۔

مرزا غالبؔ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں   خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں
یاد تھیں ہم کو بھی انکی رنگارنگ بزم آرائیاں   لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں
جوئے خون آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق   میں یہ سمجھوں گا کہ شمع دو فروزاں ہوگئیں
بس کہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے   میری آہیں بخیہ چاک گریباں ہوگئیں

مرزا غالبؔ ایک عظیم مصنف بھی تھے۔ اردو وفارسی دیوان کے علاوہ آپ کے رقعات کے دو مجموعے موسوم بہ عود ہندی واردوئے معلّٰی یادگار روزگار ہیں۔

اخیر عمر میں مرزا غالبؔ پیہم حوادث وانقلابات کی وجہ سے نہایت ہی نحیف و کمزور ہوگئے تھے۔ ہروقت پلنگ پر پڑے رہتے تھے اگر کسی کو ان سے کچھ کہنا ہوتا تھا تو لکھ کر ان کو پرچہ دیا جاتا تھا جس کا جواب بھی وہ لکھ کر دیا کرتے تھے اور اکثر بیشتر یہ شعر گنگناتے رہتے تھے۔

دم واپسیں بر سر راہ ہے   عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

مرزا غالبؔ ۲ ذیعقدہ ۱۲۸۵ھ بعمر ۷۳ برس جاں بحق ہوگئے آپ کا مزار غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین اولیاء سے متصل دکھن جانب واقع ہے۔ آپ کی قبر پہلے بہت

ہی خستہ وخراب حالت میں تھی تو مشہور مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہرؔ مرحوم نے اہلِ خیر اور اہلِ ذوق حضرات سے اپیل کی اور اسے از سرِ نو تعمیر کرایا۔ ۱۹۵۵ء میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ذاتی دلچسپی سے غالبؔ سوسائٹی کے زیر اہتمام قبر کو مرمریں بنوادیا گیا اور مجر بھی مرمریں بنوادیا گیا جو جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کے مقبرے جیسا ہے۔

لوحِ مزار پر مہدی مجروحؔ کا یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

یاحی   یاقیوم

اشک عرفی و فخر طالب مرد   اسد اللہ خاں غالبؔ مرد
کل میں غم و اندوہ میں با خاطر محزوں
تھا تربت استاذ پر بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروحؔ
ہاتف نے کہا گنج معانی ہے تہ خاک
(۱۲۸۵ھ)

سر شاہ محمد سلیمان

سر شاہ محمد سلیمان الٰہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر تھے۔ سر شاہ محمد سلیمان جونپور اعظم گڈھ کے ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد حافظ محمد عثمان جونپور کے مشہور وکیل تھے۔

سر شاہ محمد سلیمان نے ولایت سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی تھی وہ اعلیٰ درجہ کے قانون داں تھے۔ قانونی گتھیوں کو سلجھانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی:

''وہ قانون میں ایسے رچ بسے رہے کہ قانون ان کی فطرت ثانیہ بن گیا تھا''

سر شاہ محمد سلیمان کو منطق و فلسفہ سے بھی بڑی دلچسپی تھی اور ریاضیات کے بھی ماہر

WWW.KITAABISTAN.COM

تھے۔وہ منطق وفلسفہ اور ریاضیات عربی کتابیں بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعے کرتے تھے اور ان فنون کے ماہرین سے استفادہ کرتے تھے، وہ عربی زبان وادب پر بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔

سر شاہ محمد سلیمان شاعر تو نہیں تھے لیکن شاعری سے دلچسپی تھی، مشاعروں میں بڑے شوق کے ساتھ شرکت کرتے تھے اور اچھے اشعار پر دل کھول کر داد دیتے تھے۔ سر شاہ محمد سلیمان بسلسلہ علاج دہلی آئے تھے اور دہلی میں ہی ان کا انتقال ہوا اور خواجہ ہال بستی حضرت نظام الدین اولیا میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر حضرت خواجہ حسن نظامی کے مزار کے قریب ہی ایک درخت کے نیچے ہے لیکن قبر پر کتبہ نصب نہیں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

شمس العلماء خواجہ حسن نظامیؒ

شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی اردو زبان وادب کے صاحب طرز ادیب اور جادو بیان مقرر وخطیب تھے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کی پیدائش ۱۲۹۰ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ عاشق علی صاحب مرحوم تھا خواجہ صاحب نے ابتدائی تعلیم بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے گنگوہ تشریف لے گئے اور وہاں فقیہہ دوراں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ گنگوہ ہی میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی زیارت کی۔ خواجہ حسن نظامی صاحب صوفی منش بزرگ تھے۔ آپ پر تصوف کا گہرا رنگ تھا، چنانچہ آپ نے تصوف کی اشاعت وترویج کے لیے دو معیاری رسالے درویش اور منادی جاری کیے۔ آخر الذکر رسالہ آج بھی آپ کے صاحبزادے خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کی ادارت میں بڑی پابندی سے نکلتا ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب مرحوم کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے اسلامیات کے علاوہ غدر دہلی کے عبرتناک واقعات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً بیگمات کے آنسو، بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ، دہلی کا آخری سانس، غدر کی صبح وشام، اصرہ غدر کے خطوط، غدر دہلی کے گرفتار شدہ

خطوط اور دہلی کی جانکنی وغیرہ کتابیں علمی وادبی حلقوں میں بہت ہی مقبول ہوئیں ہیں۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے یہ ترجمہ قرآن مجید بہت ہی سلیس اور بامحاورہ ہے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم ومغفور کے صاحبزادے جناب خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بتایا کہ خواجہ صاحب نے قرآن مجید کا ہندی ترجمہ بھی کیا ہے اور آپ کا پہلا ہندی ترجم ہے۔

خواجہ حسن نظامی کا انتقال ۱۳۷۴ھ میں دہلی میں ہوا اور آپ کی آخری آرامگاہ قوالی ہال بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں ہے۔

محترم خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بتایا کہ والد محترم نے جوانی میں ہی اپنی اور اہلیہ محترمہ کی قبریں تیار کرادی تھی اور اپنی قبر میں لیٹ کر بھی دیکھ لیا تھا اور خواجہ صاحب بڑی پابندی کے ساتھ ہر روز اپنی قبر کی زیارت کیا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی قبر کے قریب ہی آپ کی اہلیہ محترمہ سیدہ محمود خواجہ بانو نظامی کی قبر ہے۔ آپ کی قبر پر یہ کتبہ ہے۔

(حضرت سیّدہ محمودہ خواجہ بانو نظامی اہلیہ حضرت خواجہ حسن نظامی وفات چہار شنبہ ۱۷ عبان ۱۴۰۵ھ ۸ مئی ۱۹۸۶ء)

خواجہ حسن نظامی کے مزار کے قریب ایک گوشہ میں صادق شہید کی قبر ہے۔ ان کی لوح پر یہ عبارات کندہ ہے۔ (مزار صادق شہید جو ۳۰ جنوری ۱۹۲۷ء کی شام کو پستول کی گولی سے شہید کئے گئے)

شمس العلماء مصور فطرت خواجہ حسن نظامی کی لوح تربت پر یہ عبرتناک تحریر کندہ ہے۔ یہ خود خواجہ صاحب نے اپنے لئے تحریر فرمایا تھا۔ ان کی کتاب قبروں کے غیبی نوشتے میں موجود ہے۔

هو الکل ۷۸۶ یامعین

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے جانشین امام المشائخ شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ سید حسن نظامی دہلویؒ (ادیب المغفور ۱۳۷۴ھ غوث وقت بکری ۲۰۱۲)

آخری آرام گاہ حضرت کا خود نوشت کتبہ۔

''یہ قبر ایک مسلمان کی ہے اس خاک میں وہ سوتا ہے جس نے دنیا کی بیداری میں سونے والوں کو جگانے کی خاطر اچھی اور بری موت کا فرق قلم کی بجلی سے زندہ کر کے دکھایا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

چار دن کی شہرت پر گھمنڈ نہ کرنا

کہ یہ بھی بہت مشہور تھا۔ قوت تحریر و تقریر کا غرور دل میں نہ لانا کہ اس کی طاقت انشاء پردازی نے بھی تمام ہندوستان میں دھاک بٹھادی تھی مگر آج وہ ساری دھوم اس تودۂ خاک میں چپ چاپ پڑی ہے' یہ اس کی قبر ہے جس نے الواح قبور اس وقت لکھیں جب کہ دنیا کی کسی زبان میں انکی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن یہ بے مثال باتیں ایجاد کرنے والا بھی آخر مر گیا اور کہہ گیا کہ کام آخرت کی نیت سے کرنا جس کا نتیجہ لازوال ہے۔ اس کی زندگی کے لیے نہیں جہاں کا رہنا چند ساعت کا خواب خیال ہے''

(ماخوذ از'' قبروں کے غیبی نوشتے)

✵ ...... ☆ ...... ✵

بیرسٹر آصف علی

بیرسٹر آصف علی ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء۔ ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے ....

آپ ہندوستان کے بلند پایہ اور روشن دماغ قائدوں اور لیڈروں میں تھے۔ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ قید و بند میں گزارا آزادی وطن کے بعد سب سے پہلے امریکہ میں سفیر ہوئے۔ پھر اڑیسہ کے گورنر بنائے گئے' پھر سوئزر لینڈ کے لیے سفیر بنا دیئے گئے۔ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں سے ان اہم مناصب کی سخت ترین ذمہ داریوں سے بحسن خوبی عہدہ براں ہوئے اور مسلمانوں کے وقار کو بلند کیا۔

آپ کئی زبانوں کے ماہر تھے' اردو' فارسی اور انگریزی کے بہت ہی اچھے ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ اردو زبان کے قادر الکلام شاعر تھے' غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

درد اگر ہو تو سو دوا کیجئے　　تیرا بے درد ہائے کیا کیجئے
سو برا ہو اگر بھلا کیجئے　　پھیر قسمت کا ہو تو کیا کیجئے
بد دعاؤں پہ غیر جیتے ہیں　　کیونکہ مرنے کی اب دعا کیجئے
مرگ اغیار کھیل ہے یہ بھی　　رہنے بھی دیجئے بس نہ کیجئے

پا بہ زنجیر زلف بھی کب تک　　سر کا صدقہ ہمیں رہا کیجئے
بچتے ہو جان بوجھ کر یوں تو　　بھولے چوکے تو مل لیا کیجئے
نشے میں ہو یا وجد و حیرت میں　　کبھی آپے میں بھی ہوا کیجئے
بے وفائی کا بول بالا ہے　　کس سے اور کس طرح وفا کیجئے
بت پرستی بھی حق پرستی ہے　　آپ تو اپنا حق ادا کیجئے
برق جب تاک میں قفس کی ہو　　خاک صیاد کا گلا کیجئے
ہے تماشائی ہی بن کے جب رہنا　　شمع ساں بزم میں جلا کیجئے
درِ ایجاب کھل گیا آخر　　ہائے اب کون سی دعا کیجئے

گو ہے آصف دوا سے درد ضرور
اب نہ بے درد سے ملا کیجئے

آصف علی صاحب مرحوم بڑے وسیع القلب اور وسیع النظر آدمی تھے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ ارونا آصف علی کا شمار بھی آزادی وطن کے مجاہدین میں ہوتا ہے ابھی بقید حیات ہیں۔

بیرسٹر آصف علی کا انتقال 1953ء۔ ۱۳۷۳ھ میں سوئز لینڈ میں ہوا حکومت ہند نے آپ کی میت کو دلی منگا لیا اور سپرد خاک کیا۔ وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے قائدین نے تجہیز و تکفین میں شرکت کی آپ تبلیغی مرکز کی بنگلہ والی مسجد کے پیچھے قبرستان خواجہ حسن نظامی میں دفن ہوئے۔

آصف مرحوم ہی کا یہ شعر ہے۔

نظارہ جو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں مدفن آصف
غبارِ راہ پردہ دار ہے گورِ غریباں کا

قبرستان میں صفائی کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہے لیکن آصف مرحوم کی قبر بہت ہی خوبصورت ہے اور بہت ہی قیمتی سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔

لوحِ مزار پر عبارت کندہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(آصف علی ولادت ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء۔ وفات ۲ اپریل 1953ء)

WWW.KITABISTAN.COM

مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمة الله عليه

بانی تحریک تبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ضلع مظفر نگر کے مردم خیز قصبہ کاندھلہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی محمد اسماعیل کاندھلوی تھا۔ جو اپنے وقت کے متبحر عالمِ دین، خدا رشیدہ بزرگ اور ایک بہترین مدرس تھے۔

مولانا محمد الیاس صاحب نے ناظرہ قرآن مجید اپنے وطن کاندھلہ میں پڑھا حفظِ قرآن اپنے نامور والد کے پاس بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں کیا اور اس کے بعد فارسی و عربی کی ابتدائی کتابیں دہلی اور کاندھلہ میں بڑی محنت و لگن کے ساتھ پڑھیں اور ۱۳۲۶ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے درس حدیث میں شامل ہوئے اور حضرت شیخ الہند کے علوم ظاہری و باطنی سے خوب خوب سیراب ہوئے یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے اوپر حضرت شیخ الہند کا گہرا اثر تھا۔

راقم الحروم کو جناب افتخار فریدی مراد آبادی مدظلہ نے بتایا کہ:

''حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت شیخ الہند کا آدمی ہوں''

مولانا محمد الیاس صاحب کو رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مسند تدریس سپرد کی گئی، جس پر ایک عرصہ تک متمکن رہ کر آپ علم و عرفان کی بارش برستے رہے۔ اور طالبان علوم آپ کے فیضان علمی سے خوب خوب سیراب ہوتے رہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ سے دوسرا اہم کام لینا تھا، وہ تھا عوام الناس اور دین سے دور اور بے دینوں میں دین پہنچانا اور ان کے ذہنوں کو دین کے سانچہ میں ڈھالنے کا کام اگرچہ یہ کام بڑا ہی کٹھن اور دشوار ہے مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اسلام کے مخلص داعی، پیکر عمل انسان تھے۔

مولانا محمد الیاس صاحب کا شمار ہندوستان کے ان مخلص دعاۃ میں ہوتا ہے، جن کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کا چراغ روشن ہوا اور آج تک جگمگا رہا ہے، لہٰذا آپ نے

اس مقصدِ عظیم کے لیے دہلی کا انتخاب فرمایا اور بستی نظام الدین کو مرکز قرار دیکر وہاں سے اپنے کام کے آغاز کا قصد فرمایا اور سہارنپور سے دہلی منتقل ہوئے پھر اپنے اپنے کام کے لیے ایسے اصول مرتب فرمائے جو خالص الہامی ہی کہے جا سکتے ہیں، جس میں سارے دین کا احاطہ بھی ہے اور نزاعی و فروعی مسائل سے بالکلیہ اجتناب بھی اور یہ آپ کی غیر معمولی دور اندیشی اور خداداد بصیرت کی کھلی دلیل ہے اور یہی اس تحریک کی کامیابی و قبولیت عام کی بڑی اور اہم وجہ ہے۔ آپ نے اس کام کو مقصد زندگی بنالیا تھا اور اسی کام کو کرتے کرتے آپ ۲۱ رجب المرجب 1363ھ بمطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء کو اپنے مولائے غفور و رحیم سے جا ملے۔

آپ کی قبر بنگلہ والی مسجد کے ایک گوشہ میں حوض کے قریب ہی ہے اور آپ کی قبر سے متصل مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی اور مولانا محمد کاندھلوی رحمها الله کی قبریں بھی ہیں یہ تمام قبریں کچی ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

منشی سید ظہور احمد وحشی

منشی سید ظہور احمد وحشی شاہجہاں پور ضلع اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ خاندان سادات سے ان کا تعلق تھا۔ وحشی شاہجہاں پوری ندوۃ العلماء لکھنو کے فارغ التحصیل، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ہم سبق اور ''تجلی'' دہلی کے ایڈیٹر تھے۔

منشی سید ظہور احمد وحشی صاحب ایک مسلم الثبوت ادیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ وحشی تخلص تھا فارسی اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کسی کے شاگرد نہیں تھے بلکہ آپ کا ملکۂ شعر گوئی خداداد تھا اور آپ دہلی کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور مشاعرہ پر چھائے رہتے اور آپ صاحب دیوان شاعر تھے۔

ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کیوں مجھ کو ستاتے ہو کیوں خواب میں آتے ہو ۔۔۔ بھولا ہوا افسانہ کیوں یاد دلاتے ہو!
پھر کھا کے قسم جھوٹی پھر نام وفا لے کر ۔۔۔ کیوں آگ لگاتے ہو کیوں مجھ کو جلاتے ہو

WWW.KITAABISTAN.COM

اظہار تاسف سے رو رو کے تکلف سے　　کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں مجھ کو رلاتے ہو

پھر قدر ہوئی شاید وحشی کی پس مردن
کیوں اشک بہاتے ہو کیوں رنج اٹھاتے ہو

کبھی اس کی نگاہ شرمگیں اٹھتے نہیں دیکھی　　سکھایا کس نے یارب آسماں کو فتنہ گر ہونا
کوئی آیا ہے پھر دل میں ہزاروں حسرتیں لے کر　　ذرا پھر برق خرمن سوز بن کر جلوہ گر ہونا

اگر اس پردۂ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
تو وحشی اک قیامت ہے دعا کا بے اثر ہونا

وحشی صاحب کا انتقال ۱۹۴۴ء میں بعمر ۶۰ سال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے آپ کی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

پروفیسر محمد اجمل خاںؒ

پروفیسر محمد اجمل خان کی پیدائش ۲ فروری ۱۸۹۷ء میں کٹنی الہ آباد میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد اسماعیل خان تھا، جو افغانی النسل پٹھان تھے۔ محمد اجمل خان نے مکتبی تعلیم گھر پر حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم شملہ، لکھنو اور علی گڈھ میں پائی۔

موصوف ۱۹۲۸ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوئے اور صرف دو سال تک وہاں مسند تدریس پر متمکن رہے پھر ۱۹۳۵ء میں الہ آباد چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں بنگال کے مشہور دانشور رابندر ناتھ ٹیگور سے شناسائی ہوئی۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے آپ کی خداداد صلاحیت و قابلیت سے متاثر ہو کر شانتی نکیتن میں آپ کو ریسرچ اسکالر مقرر کیا۔ لیکن آپ وہاں بھی دو سال سے زیادہ ٹک نہ سکے، اتفاق سے کلکتہ ہی میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے نیاز حاصل ہوا اور پروفیسر صاحب کی باصلاحیت شخصیت سے متاثر ہو کر مولانا آزاد نے آپ کو اپنا پرائیویٹ سکریٹری بنالیا جس پر آپ آخر دم تک فائز رہے۔

پروفیسر محمد اجمل خان بڑے اصول پسند اور وضع دار آدمی تھے اور مولانا آزادؒ کے مزا

شناس بھی تھے۔ مولانا آزادؒ کو آپ کی ذات سے بڑی راحت پہنچی تھی۔ مولانا آزاد سے ملاقات کے خواہش مند حضرات کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا کرتے تھے تاکہ مولانا کے آرام و کام میں خلل واقع نہ ہو اور اگر وہ لوگ ناراض ہوتے تو ان کا سارا نزلہ آپ ہی پر اترتا تھا اور آپ ان کے جارحانہ تبصروں اور ادبی اور غیر ادبی تنقیدوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔

پروفیسر محمد اجمل خان اردو فارسی اور عربی کے بہترین ادیب اور انشاء پرداز تھے۔ غبار خاطر پر آپ کا مقدمہ آپ کی ادبی عظمت کا بین ثبوت ہے۔ آپ نے مولانا آزاد کی زبان اور رنگ میں لکھنے کی کوشش کی ہے اور اس جدجہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں۔

پروفیسر محمد اجمل خاں مولانا آزاد کے صرف پرائیویٹ سکریٹری ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مصنف بھی تھے آپ کی چند اہم تصانیف یہ ہیں۔

(۱) سیاست (۲) حیات ارسطو (۳) حیات امیر خسرو (۴) خواجہ چشتی اجمیریؒ (۵) حیات مخدوم صابر کلیری (۶) آزادی کے اصول (۷) بھگوت گیتا (اردو ترجمہ) (۸) بھگوت گیتا (فارسی ترجمہ) (۹) پس منظر اسلام (۱۰) مختصر سیرت سیدنا محمد (۱۱) ترتیب نزول قرآن کریم (۱۲) سیرت قرآنیہ رسول عربی (۱۳) مشکلات قرآن کا انقلابی حل (۱۴) چپ جی صاحب اور سیرت محمد رسول اللہ مع القرآن (غیر مطبوعہ) وغیرہ وغیرہ۔

پروفیسر محمد اجمل ہمیشہ علمی اور ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ آپ حکومت ہند کے سہ ماہی عرب جمعیہ ثقافت الہند کے بانی بھی رہے ہیں اور آپ ۱۹۶۴ء میں راجیہ سبھا کے ممبر نامزد ہوئے اور آپ انتقال کے وقت پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ آپ کا انتقال ۱۱/ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو دہلی میں ہوا اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کی آخری آرام گاہ بنگلہ والی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاء کے پیچھے قبرستان خواجہ حسن نظامی میں ہے جہاں بیرسٹر آصف علی مرحوم خوابیدہ راحت ہیں۔

پروفیسر محمد اجمل مرحوم کی قبر پر کتبہ نہیں ہے البتہ پروفیسر محمد اجمل خان مرحوم کے صاحبزادے مجاہد کمال خان صاحب کے پاس نہایت ہی خوبصورت کتبہ موجود ہے جس کو وہ اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے اب تک لگا نہیں سکے ہیں۔ یہ عبارت راقم الحروف نے وہاں سے نقل کی ہے علامہ انور صابری مرحوم نے یہ تاریخ وفات کہی ہے۔

اللّٰہ　　۷۸۶　　مُحَمَّدٌ

WWW.KITAABISTAN.COM

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾

محمد اجمل خاں

(پیدائش ۱۸۹۷ء الہ آباد)   (وفات ۱۹۶۹ء نئی دہلی)

(صاحب علم و حامل قرآن فکر ''آزاد'' آمین زبان در ریاض بہشت یافت امان روحِ دانش محمد اجمل خان ۱۳۸۶+۵۸۳=۱۹۶۹ء)

✻ ...... ☆ ...... ✻

نواب الٰہی بخش خاں معروف

نواب الٰہی بخش خاں معروف ایک معزز نواب خانوادہ کے چشم و چراغ، کہنہ مشق شاعر اور صاحب دل انسان تھے۔ آپ استاد ذوق کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کی ہی صاحبزادی امراؤ بیگم مرزا غالب کی زوجیت میں تھیں۔

نواب الٰہی بخش خان حضرت مولانا فخر الدین فخر عالمؒ کے مرید خاص تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ سے ملتا ہے۔

نواب معروف کی قبر احاطہ مرزا غالب بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں ہے۔ لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔

(مرزا الٰہی بخش خان معروف ابن مرزا عارف خان وفات کے بعد عمر اسی سال سے متجاوز تھی ۱۲۴۲ھ\۱۸۲۶_۱۸۲۷ء)

گفت تاریخ فوت او ہاتف
ساکن جنت برین معروف

(مرمت مزار زیر اہتمام اردو اکادمی، ۱۲۴۶ ۱۱ اگست ۱۹۸۵ء نساخ)

✻ ...... ☆ ...... ✻

مرزا زین العابدین خاں عارف دہلوی

مرزا زین العابدین خان عارف مرزا غالب کے متبنی، خطِ نسخ کے ماہر اور خوش گو شاعر تھے۔ مرزا عارف کی پیدائش ۱۲۳۳ھ\۱۸۱۷ء میں ہوئی ان کے والد کا نام نواب غلام حسین خان بہادر شہرت جنگ تھا۔

مرزا عارف، مرزا غالب اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے، مرزا عارف بڑے جاندار اشعار کہا کرتے تھے، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

اے فلک! خانہ خرابی کی ہے پروا کس کو — دشت میں رہتے ہیں، مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا
مت کہو وہ بات، عارف جو گراں خاطر پہ ہو — کیا مزا ہے، اگر جبینِ آشنا میں بل پڑا

مرزا غالب آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ مرزا عارف نوجوانی میں داغ فراق دے گئے تو غالب کو آپ کی موت کا بڑا صدمہ ہوا، چنانچہ غالب نے آپ کا نوحہ لکھا جس کا پہلا شعر ہے۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں، اب رہو تنہا کوئی دن اور

مرزا زین العابدین عارف ۱۲۶۸ھ\۱۸۵۱_۱۸۵۲ء میں فوت ہوئے اور اپنے استاد مشفق کے جوار میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر غالب اکیڈمی کی دیوار سے متصل ہے۔

✻ ...... ☆ ...... ✻

ساغر نظامی

سردار محمد صمد یار خان ساغر نظامی اردو کے یگانہ روزگار شاعر، ادیب اور مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ وہ ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر احمد یار خان علی گڑھ میں سرکاری ڈاکٹر تھے۔

WWW.KITABISTAN.COM

ساغر نظامی صاحب کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی نہیں تھے لیکن اردو، فارسی اور سنسکرت پر کامل دستگاہ رکھتے تھے اور نو سال کی عمر سے ہی شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں بہت ہی اچھے شعر کہنے لگے تھے اور آل انڈیا قسم کے مشاعروں میں بھی شریک ہونے لگے تھے۔

ساغر نظامی صاحب ترنم سے پڑھتے تھے اور آواز میں بلا کی کشش تھی۔ سامعین پر چھا جاتے تھے اور بقولِ شخصے مشاعرہ لوٹ لیتے تھے۔ ساغر نظامی مرحوم سیماب اکبر آبادی مرحوم کے شاگرد تھے اور سیماب اکبر آبادی ساغر نظامی کو اپنے خاص شاگردوں میں شمار کرتے تھے اور بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ ساغر نظامی ایک معنوں میں صوفی بھی تھے۔ آپ شمس العلماء مصور فطرت خواجہ حسن نظامی مرحوم سے بیعت تھے۔ اسی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ ''نظامی'' کی نسبت لگاتے تھے۔

ساغر نظامی صاحب مجاہد آزادی اور محبِّ وطن بھی تھے۔ آپ نے اپنی انقلابی تحریروں اور نظموں سے ہندوستانی عوام کو بیدار کیا اور عوام کے دلوں میں حب الوطنی کے پاک و فطری جذبات پیدا کئے۔ وہ سامراجی طاقتوں کے شدید مخالف تھے۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بھروں گا رنگ تصور وطن میں روح پر غم کا
تو پانی ہو کے رہ جائے گا خون اس ننگ عالم کا

پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ساغر کے جذبے حب الوطنی کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مولانا آزاد مرحوم اپنی افتادِ طبع کے خلاف جب ساغر نظامی کو دیکھتے تو بے تکلفانہ انداز میں یہ مصرع پڑھتے تھے۔

ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

ساغر نظامی کے پنڈت نہرو اور ان کے خاندان سے بھی بڑے اچھے تعلقات و مراسم تھے۔ چنانچہ ساغر نظامی نے ''نہرو نامہ'' لکھا اور پنڈت جواہر لال نہرو کو ایک پیکر مہر و وفا قرار دیا۔ ساغر نظامی صاحب تو آزادی وطن کے دلدادہ تھے اور مجاہدین آزادی کی قربانیوں کے بڑے قدردان تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی آخیر زندگی میں ''مشعلِ آزادی'' یعنی آزادی کی منظوم تاریخ لکھنا شروع کی۔ اس کا پہلا حصہ ۵۷ء کی جنگ آزادی تک تھا۔ ۳۲۰ صفحات پر

مشتمل تھا بدقسمتی سے مشعلِ آزادی کا دوسرا حصہ ابھی مکمل ہونے ہی والا تھا کہ 27 فروری ۱۹۸۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور مرزا غالب کے جوار میں بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں ہمیشہ ہمیش کے لیے روپوش ہو گئے لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔ (سردار محمد صمد یار خان ساغر نظامی)

ساغر نظامی

(تاریخ پیدائش ۲۱ دسمبر ۱۹۰۵ء تاریخ وفات ۲۷ فروری ۸۴)

❋ …… ☆ …… ❋

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی بانی تبلیغ کے صاحبزادے اور بڑے جید عالم دین اور مخلص داعی الی اللہ تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے ہی اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد تبلیغی کاموں کو سنبھالا اور ہندوستان سے باہر ممالک اسلامیہ اور غیر اسلامیہ میں اس دعوتی کام کو جاری فرمایا۔

مولانا محمد یوسف صاحب ایک بلند پایہ مصنف اور بالغ نظر محدث تھے۔ آپ کی یادگار حیاۃ الصحابہ (تین حصے) اور معانی الآثار کی شرح امانی الاحبار ہیں۔

مولانا محمد یوسف ۱۹۱۷ء میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے اور 1965ء میں دہلی میں جاں بحق ہو گئے۔ آپ کی قبر مسجد بنگلہ والی میں حوض کے قریب اپنے والد مرحوم کی قبر کے پہلو میں ہے قبر پر کوئی لوح نہیں ہے۔

❋ …… ☆ …… ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا عبید اللہ بلیاویؒ

حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ ایک جید عالم دین اور مخلص داعی تھے تبلیغی سرگرمیوں سے کافی دلچسپی لیتے تھے۔ ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء میں آپ کا انتقال ہوا بستی حضرت نظام الدین اولیاء سے باہر قبرستان پنج پیران میں دفن ہوئے۔

آپ کی قبر پر ابھی کوئی کتبہ نہیں ہے البتہ مولانا عبید اللہ صاحب کا ایک عقیدت مند نے آپ کی قبر پر کتبہ لگانے کا فیصلہ کرلیا ہے اور ان کا یہ کتبہ مولانا سید عبدالعزیز ظفر جنکپوری کے پاس موجود ہے کتبہ کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔ (باسمہ تعالیٰ کل نفس ذائقۃ الموت مرقد مبارک)

(پیکرِ علم وعمل، شمعِ رشد وہدایت، آفتاب علم نبوت، عمدۃ المتکلمین والمبلغین حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی نوراللہ مرقدہ)

(مقیم بنگلہ والی مسجد حضرت نظام الدین اولیاء وخلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ تاریخ وفات مورخہ ۸ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء)

قطعہ تاریخ بروفات حسرت آیات

مظہر کردار عالم با عمل آفتاب علم تجاہ ذوالمنن
او عبید اللہ مرد حق نگر داعی دین متین زیب چمن
سوئے جنت رفت از دار فنا مرد مومن صالح شیریں سخن ۱۴۰۹

(نتیجہ فکر ظفر جنکپوری قاسمی)

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبدالسلام نیازیؒ

مولانا عبدالسلام نیازی صاحب ایک پراسرار اور جامع الاضداد بزرگ تھے۔ منطق وفلسفہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ وہ اگر ایک طرف باکمال عالم شمار ہوتے تھے تو دوسری طرف فنی گالیوں کے بھی امام تسلیم کئے جاتے تھے اور دلّی میں مجذوب اور نیم مجذوب سے مشہور و معروف تھے العلم عنداللہ۔

مولانا عبدالسلام نیازی صاحب ۳ جون ۱۹۶۶ء میں جاں بحق ہوگئے اور بستی حضرت نظام الدین میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بستی حضرت نظام الدین میں ہے لیکن صحیح مقام کی نشاندہی مشکل ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

ڈاکٹر اعجاز الدین خاں

ڈاکٹر اعجاز الدین کی ولادت یکم فروری ۱۸۹۰ء میں بھوپال میں ہوئی آپ کے والد حکیم معز الدین خان ریاست بھوپال میں شاہی طبیب ومعالج تھے اور بڑے اثر ورسوخ کے آدمی تھے۔

ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر عصری علوم کی تحصیل کے لیے ہائی اسکول الیگزندہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخل ہوئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایم۔اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لے انگلستان گئے اور ۱۹۲۸ء میں لیڈز یونیورسٹی سے ایم۔ای۔ڈی کی ڈگری حاصل کی اور انگلستان سے واپس آنے کے بعد ریاست بھوپال میں محکمہ تعلیمات میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد صوبہ بمبئی میں آ گئے اور یہاں ۱۹۴۷ء تک انسپکٹر آف مدارس کے عہدہ پر فائز رہے، پھر ۱۹۴۷ء میں صوبہ بمبئی سے ریاست بھوپال تشریف لائے اور ڈائریکٹر تعلیمات کے عہدہ پر فائز ہوئے اور یہیں سے ریٹائر ہوئے اور ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۵۲ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈگری کالج کے پرنسپل ہوئے اور اسی دوران یونیسکو نے مشیر تعلیم بنا کر افغانستان بھیجا اور ڈاکٹر

WWW.KITAABISTAN.COM

صاحب ایک سال تک افغانستان میں رہے اور وہاں اپنی صلاحیت وقابلیت کا لوہا منوایا۔

ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۱ء میں جامعہ اسلامیہ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خواہش وایما پر دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے گئے جہاں آپ کو علوم عصریہ کی تعلیم وتدریس سپرد کی گئی اور آپ کے علوم وفنون سے طلبہ دارالعلوم دیوبند مستفید ہوتے رہے مگر جب دارالعلوم دیوبند میں انقلاب آیا جس کے نتیجہ میں حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ اپنے رفقاء کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہو گئے تو ڈاکٹر صاحب بھی ان ہی مخلصین کے گروہ میں شامل تھے۔

ڈاکٹر صاحب ماہر لسانیات تھے، اردو، فارسی، عربی، پشتو، مراٹھی، ہندی اور انگریزی زبان پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے اور مومن تخلص کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے اصول پسند اور کٹر مذہبی آدمی تھے۔ موصوف اپنی سخت اصول پسندی اور دینداری کی وجہ سے ہر جگہ سوالیہ انشان ہی بنے رہے۔ وہ بڑے مسلم نواز آدمی تھے۔ آپ کی مسلم نوازی کی وجہ سے آپ سے جامعہ کا ایک حلقہ خفا رہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب میرے مشفق استاذ تھے دارالعلوم دیوبند میں احقر نے ڈاکٹر صاحب سے جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں پڑھی ہیں۔ آپ بڑی محنت ولگن کے ساتھ پڑھاتے تھے اور اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ آپ انتہائی ذاکر شاغل آدمی تھے جب بھی سبق وغیرہ سے فارغ ہوئے تسبیح کے دانوں کو کھٹا کھٹ پھیرنا شروع کر دیتے تھے اور آپ اکثر ذکر بلند آواز سے کرتے تھے۔

ڈاکٹر اعجاز الدین خان کا انتقال ۲۹ ستمبر ۱۹۸۷ء میں ہوا حضرت مولانا جمال الدین صاحب اعظمی شیخ الحدیث جامعہ رحیمیہ مہندیان نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبرستان پنج پیران میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبدالوحید صدیقیؒ

مولانا عبدالوحید صدیقی کا شمار مشاہیر فضلائے دارالعلوم دیوبند میں ہوتا ہے۔ مولانا کی ولادت ۱۸۹۷ء میں غازی پور صوبہ اتر پردیش میں ہوئی آپ کے والد کا نام نامی عبدالعزیز صدیقی تھا جو انسپکٹر آف پولیس تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی مرحوم شیخ الاسلام مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل گجرات بھی گئے تھے۔ آپ کی شخصیت پر حضرت شاہ صاحب کا گہرا رنگ تھا۔

مولانا محترم شعبہ تنظیم وترقی کے ناظم اور منتظم بھی رہے ہیں اور رسالہ دارالعلوم دیوبند کے مدیر بھی مولانا عبدالوحید صدیقی مجاہد آزادی اور اردو کے نامور وایماندار صحافی تھے۔ آپ کی ایماندارانہ اور دیانتدارانہ صحافتی زندگی سے متاثر ہو کر مشہور مجاہد آزادی اور نامور صحافی مولانا محمد علی جوہر نے اپنے مشہور روزنامہ ''ہمدرد'' میں لکھا تھا کہ:

''اگر مجھے عبدالوحید جیسے دس نوجوان مل جائیں تو میں برٹش حکومت کا تختہ الٹ کر رکھ دوں''

کی بنا پر زمیندار سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور پنجاب ہی کے مشہور لیڈر ڈاکٹر محمد عالم کی خواہش پر ان کے اخبار مساوات کے چیف ایڈیٹر ہو گئے تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی ۱۸ جولائی ۱۹۵۱ء میں بلیماران سے اپنا ذاتی اخبار روزنامہ ''نئی دنیا'' جاری کیا اور انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں صرف اپنے ذوق صحافت اور جذبہ خدمت پر بھروسہ کرکے یہ اخبار نکالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانائے محترم کے جذبہ خدمت خلق اور اخلاص کی قدر کی اور نئی دنیا کو ہندو پاک میں جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ مولانائے محترم نئی دنیا کے علاوہ ہمارا اردو ڈائجسٹ اور ہدیٰ اسلامی ڈائجسٹ

WWW.KITAABISTAN.COM

کے بانی و مدیر بھی تھے۔

مولانا عبدالوحید صدیقی کا انتقال ۱۹ اپریل ۱۹۸۱ء میں دہلی میں ہوا نماز جنازہ مولانا انعام الحسن صاحب امیر جماعت تبلیغ نے پڑھائی اور آپ لودھی ہوٹل کے سامنے واقع قبرستان میں اپنی اہلیہ محترمہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ خاندانِ چشت کے روشن چراغ اور شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے اجل خلفاء میں سے تھے اور آپ کے بعد جانشین بھی آپ ہی ہوئے۔ آپ ظاہر و باطن میں اپنے پیرو مرشد حضرت نظام الدین اولیاء کے مثیل و مشابہ بھی تھے اور ہر معاملہ میں آپ کی پیروی کرتے تھے اور یہ مقام و مرتبہ آپ کے سوا اور کسی خلیفہ و مرید کو حاصل نہ تھا۔ آپ کی مجلس میں وہی کیفیت حاصل ہوتی تھی جو حضرت شیخ المشائخ کی مجالسِ وعظ میں نصیب ہوتی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت چراغ دہلویؒ کو حکم دیا تھا کہ تمہیں خلق میں رہنا چاہیے اور ظلم وستم سہتے رہنا چاہیے اور مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ لہٰذا آپ ہمیشہ اس پر عمل کرتے رہے اور جب سلطان محمد تغلق نے آپ کو تکلیفیں و اذیتیں پہنچائیں تو آپ نے ان کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کبھی شکوہ تک زبان پر آنے نہیں دیا۔

حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ صاحب حاصل بزرگ تھے۔ آپ ہمہ وقت حالتِ استغراق میں رہتے تھے اور غلبہ استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص آپ کے حجرے میں گھس گیا اور شدید حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں گیارہ زخم آئے اور آپ کو اس کی مطلقاً خبر نہ ہوئی، جب خون بہہ کر حجرے سے باہر آیا تو مریدوں کو خبر ہوئی اندر جا کر اس شخص کو پکڑا اور چاہا کہ اس کو سزا دیں مگر آپ نے نہ صرف یہ کہ منع فرما دیا بلکہ اس کو انعام و اکرام سے نوازا اور اس کو باعزت رخصت فرمایا۔ اس واقعہ کے تین سال بعد آپ نے بزمانہ فیروز شاہ ۷۵۷ھ میں

وفات پائی۔

شیخ نصیرالدین چراغ دہلویؒ کا مزار بستی روشن چراغ دلی میں واقع ہے۔ درگاہ شیخ نصیرالدین چراغ دلی میں بے شمار قبریں ہیں لیکن ان پر کتبات موجود نہیں ہیں۔ یہ تمام قبریں شکستہ و خستہ حالت میں ہیں۔ حضرت شیخ چراغ کی پائینتی میں قاضی محمد ساوی خلیفہ روشن چراغ دہلی کا مزار ہے اور حضرت چراغ دہلی کی پائینتی میں دائیں اور بائیں جانب میں آپ کے بھانجے شیخ کمال الدین علی علامہ اور زین الدین علی کے مزارات ہیں۔ حضرت شیخ چراغ دہلی کے مزار سے کچھ ہی فاصلے پر ہندوستان کے مشہور بادشاہ ابراہیم لودی کے دادا ابراہام لودی کا مزار ہے۔ لیکن مزار کو دیکھ کر بڑی عبرت ہوتی ہے مزار نہایت خستہ و ویران حالت میں ہے وہاں پر چند کتے آرام کرتے رہتے ہیں۔

یہ درگاہ مشہور بادشاہ فیروز شاہ نے ۷۷۵ھ مطابق ۱۳۷۳ء میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ درگاہ پہلے بہت ہی شکستہ و خستہ حالت میں تھی لیکن اب حضرت چراغ دہلی کا مزار جدید طرز سے بن گیا ہے مگر باقی احاطۂ درگاہ اب بھی خستہ حالت میں ہے بدقسمتی سے درگاہ حضرت چراغ دہلویؒ چاروں طرف غیر مسلموں کے رہائشی مکانات ہیں اور ۱۹۴۷ء میں یہاں کے مسلمان باشندے پاکستان منتقل ہو گئے اور اب غیر مسلم حضرات ان میں آباد ہیں اور اس درگاہ کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں۔ درگاہ چراغ دہلوی سے متصل ایک قدیم و تاریخی مسجد بھی ہے الحمد اللہ اس میں نماز باجماعت ہوتی ہے راقم الحروف نے بھی اس مسجد میں نماز پڑھی ہے اگر چہ اس میں لوگوں کی آمد کم ہے۔

درگاہ حضرت چراغ دہلی کے دروازہ پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶ مزار شریف

(مستغرق بحر شہود، شمس العارفین، صادق المرسلین حضرت مخدوم خواجہ نصیرالدین محمود روشن چراغ دہلوی چشتی نظامیؒ۔ وصال مبارک ۱۷ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۱۳۳۷ء)

WWW.KITABOSTAN.COM

مفتی صدرالدین آزردہؒ

مفتی صدرالدین آزردہ دہلویؒ ایک معزز کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۴ھ ۔ ۱۷۸۹ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام شیخ لطف اللہ تھا۔

حضرت مفتی صدرالدین آزردہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ رئیس المفسرین حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ محدث کبیر حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور امام المنطق والفلسفہ حضرت فضل امام خیر آبادیؒ صاحب مرقات کے خصوصی شاگرد تھے اور آپ کو فن خوشنویسی میں سلطنت مغلیہ کے آخری مظلوم تاجدار بہادر شاہ ظفر سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حضرت مفتی آزردہ تمام مروجہ علوم وفنون مثلاً نحو، منطق، حکمت، ریاضیات معانی وبیان، ادب انشاء، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور مدرسہ دارالبقاء دہلی میں درس دیتے تھے۔

مفتی آزردہ مرحوم کا شمار ۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی ہوتا ہے۔ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جو جہاد کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ اس فتویٰ پر آپ کے بھی دستخط تھے۔

چنانچہ آپ کی گرفتاری ہوئی عہدہ سے ہٹائے گئے جائیداد ضبط کی گئی، البتہ بفضل خداوندی مفتی صاحب پھانسی سے محفوظ رہے، ورنہ اس وقت تو ہزاروں بے گناہوں کو معمولی شبہ پر اور بہت سوں کو محض تفریحاً تختہ دار پر لٹکا دیا جاتا تھا۔

مفتی آزردہ عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور شاہ نصیرالدین دہلوی میر ممنونؔ اور مجرمؔ اکبر آبادی کے شاگرد تھے۔

مفتی صاحب کے اشعار عام فہم، شستہ اور سلیس ہوتے تھے چند اشعار ملاحظہ فرمالیں۔

اچھا ہوا نکل گئی آہ حزیں کے ساتھ　　اک قہر تھی، بلا تھی، قیامت جان نہیں
گیا کون سا صید افگن ادھر سے　　کہ خالی پڑے آشیانے بہت ہیں

نالوں سے میرے کب تہ و بالا جہاں نہیں　　کب آسمان زمین و زمین آسمان نہیں
مجھ سا بھی کوئی عشق میں ہے بدگمان نہیں　　کیا رشک دیکھ کر مجھے رنگ خزاں نہیں
افسردہ دل نہ ہو در رحمت نہیں ہے بند　　کس دن کھلا ہوا در پیر مغاں نہیں
اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں　　ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں
مے اور ذوق بادہ کشی لے گئی مجھے　　یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں
تھی جہاں میں روز ازل جائے درد کی　　یا پسند دل میرا اس انتخاب میں

مفتی صدرالدین آزردہ کا وصال ۱۲۸۵ھ ۔ ۱۸۶۸ء میں ہوا اور چراغ دلی میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر بے نشان ہوگئی۔

شمس الشعراء مولوی ظہور علی مرحوم نے یہ تاریخ وفات کہی۔

(چراغش ہست تاریخ ولادت ۴۰۔۱۲ اکنوں گفتم 'چراغ دوجہاں 1868

✻ ...... ☆ ...... ✻

خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ عہد اکبری کے جلیل القدر شیخ طریقت، روحانی پیشوا اور جید عالم دین مگر گوشہ نشین بزرگ تھے۔ آپ کے معتقدین وخلفاء میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت خواجہ حسام الدینؒ جیسے مشائخ طریقت اور بخشی الملک شیخ فرید، قلیچ خاں حاکم پنجاب اور امیر الامراء مرزا عبدالرحیم خانخاناں جیسے امراء داخل ہیں۔

آپ کی خانقاہ قلعہ فیروز شاہ کوٹلہ کی تاریخی مسجد میں تھی، جواب بہت ہی شکستہ ہوگئی ہے اور صرف محراب کی جانب کی ایک دیوار کھڑی ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کو حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ خواجہ صاحب روزانہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے مزار پر جاروب کشی کرتے تھے۔ خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ نے ۱۰۱۲ھ ۔ ۱۶۰۳ء میں بعمر ۴۰ سال انتقال فرمایا اور قطب روڈ صدر بازار میں واقع تاریخی قبرستان میں آرام فرما ہیں اور آپ ہی کی

جانب منسوب ہوکر یہ قبرستان درگاہ حضرت باقی باللہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اس قبرستان میں آپ کے علاوہ بہت سی معروف شخصیات آسودہ خواب ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات خواجہ باقی باللہؒ

رخت بستہ زین سرائے بے بقا   چوں ندائے ارجعی از حق شنفت
سال تاریخ و صالش خروی   باقی باللہ ''نقشبندوقت گفت''
(1012ھ)

✱ ...... ☆ ...... ✱

خواجہ کلاںؒ

خواجہ عبید اللہ معروف بہ خواجہ کلاں حضرت باقی باللہ نقشبندیؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اسی لیے آپ خواجہ کلاں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ خواجہ کلاں کی ولادت ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء میں ہوئی سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ عبید اللہ احرار کے نام پر عبید اللہ رکھا گیا لیکن وہ خواجہ کلاں سے مشہور ہوئے۔

حضرت خواجہ کلاں کی تعلیم وتربیت حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی سرپرستی میں ہوئی تھی۔ ان بزرگوں نے حضرت خواجہ کلاں کو علوم ظاہر و باطن سے خوب خوب معمور فرمایا۔ لہٰذا خواجہ کلاں ایک جید عالم دین اور صاحب باطن شیخ طریقت بن کر اپنے اسلاف کے طریق پہ گامزن ہوئے اور سلسلۂ نقشبندیہ کے طرز پر چل کر خلق خدا کو واصل الی اللہ کیا اور اسی طرح اپنے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے خلق خدا کو فیض یاب کرتے ہوئے اپنے رب سے جاملے اور درگاہ خواجہ باقی اللہ میں ہی اپنے والد بزرگوار کے جوار میں آرام فرما ہوئے۔ آپ کے مزار مبارک کے چاروں طرف قد آدم دیوار کھڑی ہے اور یہ مزار حضرت خواجہ حسام الدین کے مزار پُرانوار سے متصل ہے آپ کے مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

(حضرت خواجہ عبید اللہ صاحبزادے کلاں حضرت سیدنا سید رضیا الدین احمد الملقب بہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ)

خواجہ خوردؒ

حضرت خواجہ عبد اللہ معروف بہ خواجہ خورد حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے چھوٹے فرزند ارجمند تھے۔ وہ ۶ رجب ۱۰۱۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۶۰۲ء کو پیدا ہوئے۔

حضرت خواجہ خوردؒ صورت وسیرت میں پدر بزرگوار سے بڑی مشابہت رکھتے تھے حافظ قرآن تھے بڑے ماہر علوم فنون عالم دین تھے پوری زندگی درس وتدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سایہ تربیت میں منازل سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔

آپ بڑے صاحب تصرّف وکرامات بزرگ تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۴۴ھ میں بعہد شاہجہان ہوئی۔ آپ کا مزار اپنے والد کے مزار کے ۱۰ فٹ جانب مغرب میں واقع ہے۔ خواجہ خورد کے مزار کا کتبہ زمین سے پانچ فٹ دس انچ اونچا ہے۔

لوح مزار پر یہ عبادت کندہ ہے۔

حضرت خواجہ عبداللہ
صاحبزدے خورد
حضرت سیدنا رضی الدین احمد الملقب بہ حضرت خواجہ باقی باللہ

✱ ...... ☆ ...... ✱

خواجہ حسام الدینؒ

حضرت خواجہ حسام الدین حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔ خواجہ حسام الدین کی ولادت ۹۷۷ھ مطابق ۷۰-۱۵۶۹ھ میں ہوئی۔ ان کے والد قاضی نظام الدین بدخشی اکبر کے مصاحبین میں تھے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

خواجہ حسام الدین کی شادی شیخ مبارک کی صاحبزادی اور ابوالفضل وفیضی کی بہن سے ہوئی تھی آپ کی اہلیہ نیک سیرت اور مخیر خاتون تھیں۔

دربار اکبری میں خواجہ حسام الدین کی بڑی قدر ومنزلت تھی اور اپنے ابتدائی دور میں مغل حکومت میں اعلیٰ مناصب پر بھی فائز رہے اور اسی دوران آپ دربار اکبری کے خاص مشیر اور روزیر باتدبیر عبدالرحیم خانخاناں کی رفاقت میں دکن کی جنگی مہم میں دکن تشریف بھی لے گئے اور دکن کے دوراں قیام آپ نے مختلف اولیاء اور مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان کے فیوض و برکات سے اپنی روح وقلب کو جلا بخشتے رہے۔ جس کے نتیجے میں خداوند مقلب القلوب نے آپ کے قلب۔ کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے فقیرانہ زندگی کی طرف پھیر دیا۔ لہٰذا آپ نے شاہی ملازمت ترک کرنے کا پختہ عزم کرلیا اور جب عبدالرحیم خانخاناں نے ازارادہ تعلق خواجہ صاحب کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی تو اپنے اوپر دیوانگی کی کیفیت طاری کرلی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور گلی کوچوں میں دیوانہ وار پھرنے لگے۔ مگر عبدالرحیم خانخاناں نے پھر بھی اپنی کوشش جاری رکھی اور دوسرے با اثر امراء کو ساتھ لے کر بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ خواجہ صاحب کو اپنی قیام گاہ پر لائے اور نشیب وفراز سمجھانے کی پوری کوشش کی لیکن خواجہ صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ بالآخر خانخاناں نے مایوس ہوکر خواجہ صاحب کی عرضی شہنشاہ اکبر کی خدمت عالیہ میں بھیجدی اور ہزار مخالفت کے باوجود آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور دہلی تشریف لائے اور دہلی تشریف لاتے ہی حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں پروانہ وار حاضر ہوئے اور خواجہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کرلی اور منازل سلوک طے کئے آپ کو اپنے شیخ سے عدیم المثال لگاؤ اور تعلق تھا۔ اسی تعلق کی بنیاد پر آپ نے اپنے شیخ کی ایسی خدمت کی جس کی مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی' لہٰذا آپ نے بہت جلد مراحل سلوک کی تکمیل کر کے خرقۂ خلافت حاصل کرلیا اور طالبین حق کے قلوب کو منور کرنا شروع فرمادیا۔

حضرت خواجہ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۷ اگست 1633ء کو ہوا اور آپ کا انتقال اگرچہ شہرہ آگرہ میں ہوا مگر آپ کے جسد خاکی کو آگرہ سے دہلی لایا گیا اور آپ کے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کے جوار میں دفن کیا گیا۔

خواجہ حسام الدین کا مزار ایک خوبصورت چبوترہ پر واقع ہے اور چبوترہ کے چاروں

طرف اونچی دیواریں ہیں لیکن سرہانے کی جانب کی دیوار پر کوئی عبارت درج نہیں ہے۔ کاش! کوئی صاحب ذوق خواجہ حسام الدین کے نام اور آپ کی تاریخ پیدائش ووفات کا کتبہ کندہ کرا کر نصب کردے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

ملا جیونؒ

ملا جیون عہد عالمگیری کے کبار علماء اور فقہاء میں تھے بڑے سادہ لوح اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ آپ ۱۰۴۸ھ میں ضلع رائے بریلی کے مشہور قصبہ امیٹھی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام احمد تھا' ملا جیون کے لقب سے عوام وخواص میں مشہور ہوئے۔

ملا جیون اورنگ زیب عالمگیر کے استاد اور اتالیق تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی نگاہ میں ملا جیون کی بڑی قدر ومنزلت تھی؛ جس میں تخت نشینی کے بعد کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اضافہ ہی ہوا اور عالمگیر عمر بھر آپ کا اعزاز واکرام کرتے رہے اور اسی کا اثر تھا کہ عالمگیر کے صاحبزادے شاہجہاں بھی آپ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ لیکن ملا جیون کی بے نیازی اور قلندر مزاجی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی بھی شہنشاہ وقت سے کسی قسم کا مادی فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ نہایت ہی استغناء اور بے نیازی کے ساتھ زندگی گزاری۔

ملا جیون کا انتقال ۱۱۳۰ھ میں ہوا آپ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار سے پانچ فٹ پر حضرت ملا جیون کی قبر ہے۔ آپ کی قبر سطح زمین سے صرف ۱۸ انچ اونچی ہے اور قبر پر ہی سفید چونے سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"ملاجیون بخش شیخ احمد صدیقی امیٹھوی اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے استاد تھے سات برس کی عمر میں قرآن شریف یاد کیا تھا۔ تفسیر احمد نور الانوار آپ کی یادگار ہیں"

مگر عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے تمام تذکرہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ آپ کا انتقال دہلی میں ہوا اور آپ کے جسد خاکی کو آپ کی جائے ولادت امیٹھی لے جا کر دفن کیا گیا۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

مولانا عبدالحق حقانیؒ

علامہ عبدالحق حقانی دہلوی ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے اور بڑے خلیق وملنسار بزرگ تھے۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ ۲۷ رجب ۱۲۶۵ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام خواجہ محمد امیر تھا۔ علامہ مرحوم نے استاد العلماء مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڈھی، مفتی محمد یوسف صاحب لکھنوی اور مولانا عبدالحق مہاجر مکیؒ سے علوم دینیہ کی تحصیل کی تھی، اور دہلی میں مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلویؒ سے استفادہ کیا علامہ کو صوفیائے کرام سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ آپ حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے۔

مولانا عبدالحق حقانی دہلوی اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے مولانا لطف اللہؒ علی گڑھ سے تعلیم پائی تھی اسی طرح آپ دونوں مولانا حضرات مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بھی بیعت تھے۔ لہٰذا دونوں میں بڑی محبت ویگانگت تھی اور دونوں ندوۃ العلماء لکھنو کی تاسیس میں پیش پیش رہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ مونگیری کی طرح مولانا عبدالحق حقانی بھی ندوۃ العلماء لکھنو کے بانیوں میں تھے تاریخ ندوۃ العلماء میں آپ کا ذکر نہیں ہے۔

مولانا عبدالحق حقانی بڑے ذی علم اور بڑے پایہ کے مفسر قرآن تھے۔ آپ کی یادگار تفسیر حقانی ہے جو آج تک انتہائی مقبول اور مرجع علماء ہے آپ نے تفسیر حقانی میں بعض معاصر مفسرین پر تنقید کی ہے تفسیر حقانی آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

آپ کا انتقال ۱۹۱۶ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے آپ کے صاحبزادے ابوالحسن حقانی تھے وہ بھی اب اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولوی عبدالرب واعظؒ

مولوی عبد الرب واعظ۔ دلّی کے مشہور واعظ اور جید عالم دین تھے مولوی عبدالرب واعظ مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اردو بازار مچھلی والان کی مسجد میں ۲۹ برس تک وعظ کیا اور خلق اللہ کو اپنے وعظ سے محظوظ ومستفید کیا۔

مولوی عبدالرب واعظ جامع مسجد سہارنپور اور مدرسہ عبدالرب دہلی کے بانی تھے انہوں نے اپنی چہیتی بیٹی کے نام پر مسجد آسیہ بیگم تعمیر کرائی اور اسی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا جو مدرسہ عبدالرب کے نام سے مشہور ہے اور اس میں آج تک دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

مولوی عبدالرب ایک اچھے مصنف تھے انہوں نے خلفائے راشدین کے حالات زندگی پر ایک اہم کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کا نام بھی انہوں نے اپنی صاحبزادی آسیہ بیگم کے نام پر فردوس آسیہ رکھا مولوی عبدالرب کو اپنی صاحبزادی کے انتقال کا بڑا صدمہ وملال تھا چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب فردوس آسیہ میں بڑے درد والم کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

کر صبر تو بھی کاتب صدمہ میں آسیہ کے — فردوس میں وہ خوش ہے روتا ہے تو مکاں میں
میرے سامنے آسیہ مرگئیں — میں تکتا رہا وہ روانہ ہوئیں
آسیہ بیٹی کا بھی یہ حال تھا — وہ نہ ہوتی تھی کبھی مجھ سے جدا
جنت الفردوس میں وہ جا بسیں — لاکھ ڈھونڈوں اب نہیں ملتا پتا
خواب میں آتی ہیں ترسا کر کبھی — اس میں بھی راضی ہوں اے رب العلا

مولوی عبدالرب واعظ کا انتقال ۱۳۰۵ء میں دہلی میں ہوا اور قبرستان خواجہ باقی باللہ میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITABISTAN.COM

ڈپٹی نذیر احمدؒ

شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد اردو زبان کے صاحب طرز ادیب' بلند پایہ ناول نگار اور یگانہ روزگار خطیب تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی ولادت ۶ دسمبر ۱۸۳۶ء میں بجنور مغربی اتر پردیش میں ہوئی ان کے والد کا نام مولوی سعادت علی تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی نو برس کی عمر تک اپنے والد سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد تقریباً پانچ سال تک مولوی نصر اللہ خان ڈپٹی کلکٹر بجنور سے عربی' نحو' منطق اور فلسفہ پڑھا۔ مزید تعلیم کے لیے دہلی آئے اور پنجابی کڑے کی مسجد میں مولوی عبد الخالق مرحوم سے پڑھنے لگے پھر کچھ دنوں کے بعد دلّی کالج میں داخل ہوئے اور وہاں مشہور عالم دین استاذ الکل مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے شاگرد خاص ہوئے۔ اور رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم ایک شہرہ آفاق مصنف تھے ناولوں کے علاوہ بہت سی تصانیف آپ کی یادگار ہیں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا ہے ابتداء میں تو ڈپٹی نذیر احمد کلام پاک کے ترجمے کے خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان اصل الفاظ کو بھول گئے تو اسلام کی آب وتاب جاتی رہے گی۔ لیکن آخر کار ان کی رائے میں تبدیلی ہوئی اور وہ ترجمے کو اس لیے ضروری سمجھنے لگے کہ قرآن حکیم کو سمجھے بغیر عقائد میں پختگی آنی مشکل ہے چنانچہ انہوں نے بڑی محنت ولگن کے ساتھ قرآن مجید کا بامحاورہ ترجمہ کیا جو ادبی اور دینی حلقوں میں غیر پسندیدہ قرار پایا چنانچہ مرزا فرحت اللہ بیگ ''مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی میں لکھتے ہیں۔

''مولوی صاحب کو اپنے ترجمہ پر ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر فخریہ لہجہ میں کیا کرتے تھے اردو ادب میں ان کی جن تصانیف نے دھوم مچائی ہے وہ ان کے نزدیک بہت معمولی چیز تھی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری تمام عمر کا اصلی سرمایہ کلام مجید کا ترجمہ ہے۔ اس میں مجھے جتنی محنت اٹھانی پڑی ہے اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا ہوں ایک ایک لفظ کے ترجمہ میں میرا سارا

سارا دن صرف ہو گیا ہے میاں سچ کہنا کیسا محاورہ کی جگہ محاورہ بیٹھایا ہے۔'' ہم نے کہا مولوی صاحب بٹھایا نہیں ٹھونسا ہے'' جہاں یہ فقرہ کہا اور مولوی صاحب اچھل پڑے بڑے خفا ہوئے اور کہنے لگے' کل کے لونڈو امیرے محاروں کو غلط بتاتے ہو میاں میری اردو کا سکہ تمام ہندوستان پر بیٹھا ہوا ہے خود لکھو گے تو چیں بول جاؤ گے'' (مولوی نذید احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی ص ۲۹)

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم ایک بہترین مقرر اور خطیب تھے وہ اپنی تقریروں میں آیات قرآنی' احادیث نبویہ اور عربی اقوال بکثرت استعمال کرتے تھے' جس سے ان کی تقریر زیادہ پر کشش ہو جاتی تھی۔ اور سامعین نہایت دلچسپی سے سنتے تھے۔ مولوی صاحب ماہر نفسیات تھے۔ دورانِ تقریر پر لطف واقعات' تاریخی اور نیم تاریخی قصے' چٹکلے اور لطیفے سُنا سنا کر حاضرین کو ہنساتے اور محفوظ کرتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے سر سید احمد خاں فراہمی مالیات کے سلسلہ میں مولوی صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور مولوی صاحب تو چندہ لگانے میں ماہر تھے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا انتقال ۱۳۳۰ھ میں دہلی میں ہوا آپ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن کیے گئے۔

علامہ دین نذیر احمد بدر رحمت کبریا حیائش
خواجہ زبشیر گفتہ برخواں واغفر لابی سن و فاتش

(1330ھ)

WWW.KITABISTAN.COM

مولوی بشیر الدین احمدؒ

مولوی بشیر الدین احمد کی ولادت ۱۲ اگست 1861ء میں بمقام دہلی ہوئی آپ کے والد ماجد شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد اردو زبان کے مشہور ادیب اور اسلام کے مفکر و دانشور تھے۔ مولوی بشیر احمد بھی اپنے نامور والد کی طرح اردو کے مایہ ناز ادیب اور عظیم مورخ تھے مولوی بشیر الدین احمد صاحب کثیر التصانیف بزرگ ہیں آپ کی اہم ترین یادگاریں ''تاریخ بیجاپور'' اور ''واقعات دار الحکومت دلی'' ہیں۔

واقعات دار الحکومت دلی۔ دلی کے آثار پر مستند و معتبر کتاب ہے اس کتاب میں آپ نے بڑی محنت و مشقت کے ساتھ دلی کے مقابر، مساجد اور تاریخی عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مولوی بشیر الدین احمد ایک اچھے شاعر بھی تھے آپ نے سب سے پہلے استاد بیخود دہلوی کی شاگردی اختیار کی پھر سائل کو اپنا کلام دکھایا اور ان دونوں سے نہ نبھ سکی تو آخر میں نوح ناروی کے شاگرد بن گئے اور بہت جلد صاحب دیوان شاعر ہوگئے۔

مولوی بشیر الدین احمد اگست ۱۹۲۷ء میں رحلت فرما گئے اور احاطہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں اپنے والد کے قریب ہی کہیں دفن ہوئے تلاش بسیار کے باوجود راقم الحروف کو آپ کی قبر نہ مل سکی۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

بیخود دہلویؒ

وحید العصر سید وحید الدین احمد بیخود دہلوی اردو کے باکمال خوش گو شاعر، استاد داغ دہلوی کے شاگرد خاص اور دلی کی قدیم تہذیب و ثقافت کے امین تھے آپ کی

ولادت ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں ریاست بھرت پور راجستھان میں ہوئی آپ کے والد سید شمس الدین احمد عرف سید احمد آلم ایک اچھے شاعر تھے۔

حضرت بیخود دہلوی کا پورا خاندان مغل دربار سے وابستہ تھا چنانچہ بیخود دہلوی کو ولادت کے کچھ ہی دن بعد دہلی لایا گیا اور دہلی کے عمائدین و شرفاء میں آپ کی ذہنی و عملی پرورش ہونے لگی۔

بیخود صاحب قدرت کی طرف سے شعر و شاعری کا ذوق لطیف لے کر آئے تھے اور آغاز شباب میں ہی عمدہ اشعار کہنے لگے تھے جیسا کہ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ جب آپ نے یہ شعر کہا تو اس وقت آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی۔

دل سے نکل گیا کہ جگر سے نکل گیا
تیر نگاہ یار کدھر سے نکل گیا

بیخود صاحب مرزا داغ دہلوی کے چہیتے شاگرد تھے۔ بیخود صاحب مرزا داغ دہلوی کے رنگ و آہنگ میں شعر کہتے تھے بیخود صاحب پر داغ صاحب کا گہرا رنگ تھا۔
خود بیخود صاحب کو اس کا شدید احساس تھا چنانچہ بیخود صاحب کہتے ہیں۔

زبان استاذ کی بیخود ترے حصے میں آئی ہے
پھر اتنا بھی نہیں کوئی خدا رکھے ترے دل کو

وحید الدین احمد دہلوی کا انتقال ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں بعمر ۹۷ سال دہلی میں ہوا بیخود صاحب کے وصال کے بعد ادبی و عملی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔
اور ہر سمت سے یہی آواز آئی کہ۔

زندہ تھا بیخود کے دم نام داغ و میر کا
آج رخصت ہوگیا وہ خانما برباد بھی

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے جوار میں دفن ہوئے بیخود صاحب کی قبر درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے گیٹ کے قریب ہی ہے آپ کی قبر پر لوح لگی ہے لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔ (ھوالحیی وحید العصر سید وحید الدین بیخود دہلوی ولادت ۱۸۵۹ء وفات ۱۹۵۵ء)

WWW.KITAABISTAN.COM

مخمور دہلویؒ

ڈاکٹر سید فضل الٰہی مخمور دہلوی کی ولادت ۷ نومبر ۱۹۰۰ء میں دہلی ہوئی آپ کے والد کا نام حاجی نور احمد تھا ڈاکٹر مخمور دہلوی اردو زبان کے مایہ ناز اور قادر الکلام شاعر تھے آپ حضرت بیخود دہلوی کے تلمیذ رشید تھے ڈاکٹر قمر رئیس صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مخمور دہلوی اساتذہ دہلی کی اس آخری صف میں سے تعلق رکھتے تھے، جس نے آزادی سے پہلے ہی اپنے لیے ایک مقام پیدا کر لیا تھا ان میں حضرت سائل دہلوی، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی، علامہ زار اور لالہ سری رام جیسے کاملین شامل تھے"

ڈاکٹر سید فضل الٰہی مخمور دہلوی ایک نیک طبع و نیک سیرت بزرگ تھے۔ دہلی کے علماء اور آئمہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ آپ علماء کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور اپنی غزلوں اور نعتوں سے ان لوگوں کو محفوظ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قاری محمد ادریس چیرمین دلی وقف بورڈ تحریر فرماتے ہیں۔

"کم و بیش تیس سال پہلے کی بات ہے گرمی کے دنوں میں تقریباً ہر سال مرحوم حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کسی روز چاندنی رات میں عشاء کے بعد انڈیا گیٹ کے کشادہ لان میں اپنے احباب کے ساتھ ایک تفریحی پروگرام رکھا کرتے تھے، جس میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت قاضی سجاد حسین صاحب، بیرسٹر نور الدین احمد، الحاج محمد صالح صاحب آف فرم حاجی علی جان نواب سلطان یار خان ایڈوکیٹ مولانا سید انیس الحسن صاحب، مولانا فقیہہ الدین صاحب اور دوسرے احباب جمع ہوتے تھے۔ رنگ برنگ کے کھانوں کا، کبھی آئس کریم کا کبھی آموں کا اہتمام ہوتا تھا، ایسی مجلسوں میں کئی بار مخمور صاحب کو بفرمائش بلایا جاتا تھا اور پھر ان کی غزلوں اور اشعار سے سب ہی رفقاء لطف اندوز ہوتے تھے"(کلیات مخمور ص ۳۴)

ڈاکٹر مخمور دہلوی صاحب دیوان شاعر تھے مادہ مخمور، عرفان مخمور اور کلیات مخمور آپ

کی یادگار ہیں آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

غم نے اب اس مقام پر پہنچا دیا مجھے — کوئی مرے سوا نہیں پہچانتا مجھے
بڑے سکون سے مخمور زندگی گزرے — غمِ حیات سے انسان اگر نہ گھبرائے
ہجومِ غم مری فطرت بدل نہیں سکتا — میں کیا کروں مجھے عادت ہے مسکرانے کی
ہوگیا مخمور اس آغاز کا انجام بھی — میں نے غم کھا تو لیا لیکن مجھے غم کھا گیا

ڈاکٹر فضل الٰہی مخمور دہلوی ۱۹۰۰ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء میں مخمور صاحب راہی ملک بقا ہو گئے اور استاد بیخود کے قریب ہی درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔

❋ …… ☆ …… ❋

حاجی محمد اسماعیلؒ جاپان والے

الحاج حافظ محمد اسماعیل صاحب جاپان والے دلّی کے مشہور و معزز پنجابی برادری کے چشم و چراغ تھے۔ وہ ۱۸۸۷ء میں دنیائے آب وگل میں آئے ان کے والد ماجد حاجی جیون بخش ایک شریف النفس بزرگ تھے فتح پوری مسلم سینیئر سکنڈری اسکول کے جیون بخش ہال آپ کی یادگار ہے۔

محمد اسماعیل جاپان والے مرحوم کی ابتدائی تعلیم دلّی میں ہوئی اور دلی میں ہی قرآن مجید حفظ کیا اور تجوید کی مشق کی وہ ایک جید حافظ قرآن اور بہترین قاری تھے۔ موصوف حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے لیکن کاروباری مصروفیات کی بنا پر تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا آپ تجارتی مشاغل میں الجھ کر رہ گئے آپ بڑے مخیّر اور دیانتدار تاجر تھے۔ آپ کے نام کے ساتھ "جاپان والے" کی نسبت اس وجہ سے لگی ہے کہ اس وقت آپ کے تجارتی روابطہ جاپان سے تھے۔ آپ نے جاپان میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی تھی الحمدللہ آج بھی وہ تاریخی مسجد موجود ہے اور نماز با جماعت ہوتی ہے۔

آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے آپ دار العلوم دیوبند اور دوسرے

WWW.KITABISTAN.COM

دینی مدارس اور مکاتیب کی بڑی پُر خلوص مدد کرتے تھے۔

حاجی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے مشہور بزرگ اور شیخ طریقت تھے آپ کو نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ چاروں سلاسل اور طرق میں بیعت کرنے کی اجازت تھی۔ آپ کو شیخ احمد شریف سنوسی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی اجازت حاصل تھی حاجی محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب معمولات مشائخ میں رقمطراز ہیں:

”مجھے اوائل عمر ہی سے اعمال و وظائف کا شوق ہے اور شکر ہے کہ میری محنت کا پھل ملتا ہے اور میری کوششیں کامیاب ہوتی رہیں اور اسی سلسلہ میں اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں سے بھی ملاقات ہوتی رہی، جن کی صحبت وارشاد سے بھی مجھے بہت مدد ملی اور ان کے بعض اذکار واشغال کی باقاعدہ اجازت بھی لی حج بیت اللہ کے زمانہ میں شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ العزیز کے چودہ اضراب کی اجازت حضرت عارف باللہ مجاہد فی سبیل اللہ شیخ احمد شریف سنوسی رحمۃ اللہ علیہ سے ملی ہے اسی طرح ان تمام اوراد کی اجازت مشائخ سے حاصل کی ہے۔ (دیباچہ معمولات مشائخ ص)

محمد اسمٰعیل صاحب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مرید اور مجاز تھے۔ حضرت تھانوی ان کی طبعی شرافت، منکسر المزاجی اور کمال زہد وورع سے متاثر ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ ”مجھے ان کے ولی ہونے میں شک ہے“

حضرت تھانویؒ کے اس محتاط تبصرہ کے بعد جاپان والے ”صاحب کی بزرگی اور دینداری میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے علاوہ حضرت اخوند شاہ محمد عمر سے بھی اجازت حاصل تھی۔

تصوف سے آپ کا بڑا گہرا تعلق تھا آپ نے تصوف وسلوک کے اہم مسائل اور مباحث پر ”معمولات مشائخ“ کے نام سے ایک اہم اور مفید کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب بہت پہلے شائع ہوئی تھی لیکن اب مارکیٹ میں نہیں ملتی ہے............ سنا ہے کہ یہ کتاب حاجی صاحب مرحوم کے پوتے محمد سلیمان جاپان والے صاحب حضرت مولانا فقیہ الدین صاحب کی سرپرستی میں جلد ہی شائع کرنے والے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ، سحبان الہند

مولانا احمد سعید، شیخ الادب والتفسیر مولانا عبدالحق مدنی، امام القراء مولانا قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی اور مولانا حسین احمد مدنی سے ان کے بڑے گہرے روابط اور مراسم تھے اتنے بڑے سرمایہ دار تاجر ہونے کے باوجود علماء اور مشائخ سے اس قدر تعلق ولگاؤ آپ کی بزرگی اور بے نفسی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ان کا انتقال 1957ء میں بعمر ۷۰ سال دہلی میں ہوا اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی پائینتی میں دفن ہوئے حاجی صاحب کی پائینتی میں آپ کے پوتے محمد سلیمان صاحب کا سردادہ ہے لوحِ مزار پر یہ تحریر ہے۔ (۷۸۶ روضہ رہنمائے جہاں ۱۳۷۶ھ ارتحال خلیل اللہ حضرت الحاج محمد اسمٰعیل بادل رحمۃ اللہ علیہ جاپان والے تاریخ وفات ۹ شعبان ۱۳۷۶ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۵۷ء یوم شنبہ بوقتِ صبح)

❋ ...... ☆ ...... ❋

سید عزیز حسن بقائیؒ

حافظ سید عزیز حسن بقائی دلی کے مشہور قوم پرست، تحریک آزادی کے نامور مجاہد اور ”اخبار پیشوا“ اور ”اخبار حریت“ کے ایڈیٹر تھے۔

خواجہ حسن نظامی مرحوم سید عزیز حسن بقائی مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی کی اولاد ہیں جن کا مزار دہلی میں بہت مشہور ہے اور جو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے پیر تھے اور جن کے مزار کے اطراف میں دہلی کا سب سے بڑا قبرستان ہے۔

بقائی صاحب میری زندگی کے ابتدائی رفیقوں میں ہیں لیکن ان کی مادری تربیت میرے رفیقوں میں سب سے نمایاں ہے کیونکہ یہ دو برس کے تھے جب کے والد نے انتقال کیا اور ان کی والدہ نے ایسی اچھی تربیت دی کہ یہ اپنی ابتدائی زندگی میں خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے“

پہلے اپنا ذاتی چھاپے خانہ جاری کیا پھر میری رفاقت میں تحریکی کام کرتے رہے اس کے بعد اپنا رسالہ ”پیشوا“ جاری کیا اور پھر کئی اخبار حریت وغیرہ کے ناموں سے جاری کئے

بہت بے باکی سے لکھنے کی عادت ہے اتنی زیادہ بے باکی کے بہت کم آدمی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ان جیسے بے باک پائے جائیں گے۔ (مادر ہمدردص ۴۴)

آپ قبرستان خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں آپ کی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حکیم خلیل الرحمٰن نارسائلی

حکیم خلیل الرحمٰن نار آزادی وطن کے پرجوش مجاہد اور ماہر طبیب ومعالج تھے کشن گنج میں آپ کا مطب تھا آپ کو شعروشاعری سے بھی شغف تھا نواب سائل کے شاگرد تھے حضرت مفتی کفایت اللہ، سحبان الہند احمد سعید دہلوی اور دوسرے اکابر ملت سے گہرے روابط و مراسم تھے۔ آپ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کی حفاظت میں پیش پیش رہے۔ آپ کا انتقال ۱۳۹۴ھ میں ہوا۔ خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے آپ کی قبر احاطۂ خواجہ باقی باللہ میں واقع ہے آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام﴾

(مرقد حکیم حاجی خلیل الرحمٰن نارسائلی نائب صدر طبی کانفرنس دہلی ولد محمد اسمٰعیل دہلوی ۱۰۸۰ محلہ کشن گنج دہلی)

جنہوں نے جنگ آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

قطعہ تاریخ وصال

دارفنا کو چھوڑ کے دار بقا میں آج — روح خلیل ہوگئی اب خلد میں مقیم
سال وفات کی جو ہوئی دل کو جستجو — آئی ندائے غیب ''ہوئی بخشش نعیم''

(1394ھ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا علیم اختر

مولانا علیم اختر کی پیدائش ۱۹۱۴ء کو حسن پور بسیرا ضلع مظفر نگر میں ہوئی آپ کے والد کا نام محمود احمد تھا۔

مولانا علیم اختر صاحب ایک نیک طبیعت بزرگ تھے آپ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مرید تھے اور وظائف کے بڑے ہی پابند تھے۔ مولانا علیم اختر مرحوم اردو کے مشہور و معروف غزل گو شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ حضرت آلم مظفر نگری اور حضرت سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے اور بڑے سلیس اور سادہ زبان میں شعر کہتے تھے مجموعہ نکہت گل اور نعتیہ مجموعہ انوار ارم آپ کی یادگار ہیں۔

حضرت علیم اختر مرحوم کی آخری غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دل کا یہ حال ہوا اُن سے ملاقات کے بعد — اب کوئی بات بھی ہوگی نہ کسی بات کے بعد
اُف یہ عالم کوئی آنسو بھی نہیں آنکھوں میں — اس طرف سے گلہ حرف وحکایات کے بعد
اس طرح رات کو پہلو میں لئے بیٹھا ہوں — جیسے اب صبح نہ آئے گی کوئی رات کے بعد
کس قدر مجھ سے وہ بدظن ہیں مری باتوں پر — دیکھتے ہیں وہ مرے منہ کو ہر اک بات کے بعد

مولانا علیم اختر ۲۱ اپریل ۱۹۷۲ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر درگاہ کی اندرونی دیوار سے متصل، دروازہ کے قریب میں واقع ہے آپ کی قبر پر کوئی لوح نہیں ہے۔ البتہ دیوار پر یہ عبارت درج ہے۔

(مرقد شاعر خوش بیان مولانا علیم اختر مظفر نگری تاریخ وفات ۲۱ اپریل ۱۹۷۲ء بروز جمعہ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

حکیم عبدالمجیدؒ

حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم کی پیدائش دہلی کے ایک مشہور تجارتی و دینی خانوادہ میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ شیخ رحیم بخش تھا۔

حکیم حافظ عبدالمجید صاحب مرحوم نے مکتبی تعلیم کے بعد قرآن مجید کا حفظ کیا اور آپ اپنی فطری ذہانت وذکاوت کی بنا پر بہت ہی جلد حفظ قرآن مجید سے فراغت حاصل کر لی اور تجوید وقرائت کی تمرین ومشق شروع فرما دی آپ ایک بہترین حافظِ قرآن مجید تھے اور آپ کو قرآن مجید سے بڑا شغف وتعلق تھا چنانچہ آپ نے اپنے بلند اقبال دونوں صاحبزادوں میں سے حکیم حافظ محمد سعید صاحب کو بھی قرآن مجید حفظ کرایا اور آپ ہی کی طرح آپ کے یہ صاحبزادے حافظِ قرآن مجید ہیں۔

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم ایک حکیم اور ماہر ادویہ ساز بزرگ تھے۔

.................اور آپ فن طبابت اور ادویہ سازی میں یدِطولیٰ رکھتے تھے آپ کی تیار کردہ دوائیں بہت ہی مفید اور سستی ہوتی تھیں۔ چنانچہ آپ کے معاصر اور مشہور ادیب شمس العلماء خواجہ حسن نظامی مرحوم تحریر فرماتے تھے:

''حکیم حافظ عبدالمجید صاحب چونکہ ارزاں فروش ہیں اور دوائیں ایمانداری اور دیانتداری سے بناتے ہیں اس واسطے مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو جائیں گے''

(مادر ہمدرد ص ۱۴۰)

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحبؒ کی پیش گوئی پوری ہوئی اور حکیم عبدالمجید صاحب کی دوائیں بہت ہی مقبول ہوئیں اور آج بھی ہمدرد کی بعض دوائیں آپ ہی کے فارمولے کی بنا پر بے حد مقبول ہو رہی ہیں۔

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم ہی ایشیا کے مشہور ومعروف قومی ادارہ ''ہمدرد'' کے بانی وموسس تھے۔ آج ہمدرد کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہے' وہ دراصل حکیم

حافظ عبدالمجید صاحب کی غیر معمولی محنت وخلوص کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر ہمدرد یونیورسٹی کی خداداد صلاحیتوں اور انتھک جدوجہد نے ہمدرد کو بام عروج پر پہنچایا۔

حکیم عبدالحمید صاحب ایک علم دوست' شریف النفس بزرگ اور طب یونانی کی علامت ونشان ہیں اللہ ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے آمین۔

• چنانچہ شمیم طارق صاحب لکھتے ہیں:

''بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حکیم عبدالحمید صاحب کے ذاتی اخلاص اور فنی اعجاز نے طب یونانی کو آج اس منزل پر لا کھڑا کیا ہے' جہاں اسے دشواریوں پریشانیوں کے باوجود فنا ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ آنے والی نسلیں ہندوستان میں طب یونانی کو حکیم عبدالحمید صاحب کے حوالے سے پہچانیں گی بیک وقت کئی دائروں میں انہوں نے بیش بہا خدمت انجام دی ہیں ان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور کوئی بھی پہلو دوسرے پہلو سے دبتا ہوا محسوس نہیں ہوتا''

(ہفت روزہ بلٹز ۳ نومبر ۱۹۹۱)

حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے حکیم حافظ محمد سعید صاحب پاکستان میں علمی وتعمیری کاموں میں مصروف ہیں۔ حکیم عبدالمجید صاحب کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا۔ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں ایک خوبصورت چبوترہ پر اپنے خاندان کے چند معزز اقرباء کیساتھ محو راحت ہیں آپ کی لوح پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ﴾

ہر چیز فنا ہونے والی ہے باقی رہنے والی ذات باری تعالیٰ کی ہے جو عظمت والا ہے۔

(ھو الحی حکیم حافظ عبدالمجید ۱۹۲۲۔۱۸۸۳ء)

بانی ہمدرد

اسی احاطہ میں حکیم عبدالمجید صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ رابعہ بیگم صاحبہ بھی آرام فرما ہیں مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت منتظم اور مخیر خاتون تھیں اور جن کی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں کی بنا پر لوگوں کے درمیان یہ مشہور تھا کہ ان کو دست غیب

WWW.KITAABISTAN.COM

حاصل ہے چنانچہ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

''ایک دن کسی واقف کار نے مجھ سے کہا حکیم حافظ عبدالحمید صاحب مرحوم کی بیوی (رابعہ بیگم صاحبہ) بڑی نصیبے والی ہیں کسی نے ان کو دستِ غیب کا عمل بتایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خاوند کا دواخانہ ہمدرد دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے'' (مادر ہمدرد ص ۱۵۰)

اسی احاطہ بانی ہمدرد میں ننھی بیگم صاحبہ خوشدامن بانی ہمدرد اور حافظ عبدالوحید صاحب مرحوم صاحبزادے بانی ہمدرد بھی محو استراحت ہیں اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو ابدی سکون واطمینان عطا فرمائے آمین!

خواجہ عبدالعدلؒ:

خواجہ عبدالعدلؒ خواجہ محمد زبیر مجددی نقشبندیؒ کے اجل خلفاء اور مجازین میں تھے آپ مشہور شاعر خواجہ محمد ناصر عندلیب والد خواجہ میر دردؒ کے پیر بھائی تھے۔ آپ بڑے خدا ترس، درویش صفت بزرگ تھے' آپ کی قبر خواجہ حسام الدین کے مزار سے دس قدم کے فاصلے پر مشرق کی جانب واقع ہے۔

شاہ عبدالرحیم ہادیؒ:

شاہ عبدالرحیم ہادیؒ ایک زبردست عالم دین اور بلند مرتبہ درویش تھے' آپ نے ہریانہ میں دعوت و تبلیغ کا کام کیا اور آپ کی ذات سے مخلوق خدا کو کافی فیض پہنچا آپ کا انتقال 1305ھ میں ہوا آپ کا مزار احاطہ خواجہ باقی باللہ میں ہے۔

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلویؒ:

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلویؒ دلی کے مشہور حفاظ اور قراء میں تھے آپ نے ۹ سال کی عمر میں حافظ اخوند برہان الدینؒ سے قرآن مجید حفظ کیا اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ سے سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا تھا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

اخوند حافظ عبدالعزیز دہلوی کبار علماء اور مشاہیر مشائخ میں تھے آپ نے ۱۲۹۲ھ میں انتقال کیا آپ کا مزار خواجہ باقی باللہ کے مزار سے متصل چند قدم کے فاصلے پر جانب شمال

و مشرق ایک چھوٹی سی علیحدہ چار دیواری میں ہے آپ خوبصورت چبوترہ پر آرام فرما ہیں آپ کے مزار کے اطراف و جوانب میں بڑے اخوند جی' مولانا محمد عمر اور مولانا مسعود غوث صاحب کی قبریں ہیں۔ ان قبور سے متصل درگاہ کی خوبصورت اور تاریخی مسجد ہے مسجد پر یہ کتبہ سرخ پتھر پر سیاہ حرفوں سے مزین و آویزاں ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہ

حمد اللہ خدائے ذوالجلال — سال تاریخش چہ خوش تقدیر شد
مدعا و مقصد کلی نصیب — حیرت دل خستہ بس دلگیر شد
از در فیض ندائے شد بلند — مسجد کعبہ نماز تعمیر شد

(۱۳۱۹ ہجری)

مولانا کرامت اللہ خاں:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور قیام و صلوٰۃ اور میلاد وغیرہ اختلافی مسائل میں حضرت حاجی صاحب سے مکمل طور پر متفق تھے۔

دلی کے مشہور مدرسہ حسین بخش میں مولانا محمد حسین فقیر دہلویؒ کے پاس سالہا سال وعظ کیلئے بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی تھا تذکرہ اخوان نامی کتاب کراچی سے ان کے صاحبزادے مولانا مسعود صاحب نے شائع کی' جس میں علم غیب اور بشریت وغیرہ کے مسائل میں دیوبندی علماء کی تائید کی۔

حضرت مولانا کرامت اللہ خاں کا مزار احاطہ خواجہ باقی باللہ نقشبندیؒ میں ہے آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

مفتی محمد یعقوب دہلویؒ:

مفتی محمد یعقوب صاحب دہلوی دلی میں حوض قاضی والے مفتی صاحب سے مشہور تھے مولانا ابوالکلام آزاد نے مفتی صاحب سے معقولات کی چند کتابیں پڑھی ہیں بقرعید کے موقع پر ان کی گائیں کیلئے قربانی کے لیے بڑے اہتمام سے جاتی تھیں دلی میں اس پر ہندو مسلم کشیدگی بھی رہتی تھی۔ انگریزی حکومت مفتی صاحب کی اس رسم کی نگرانی کرتی تھی ان کے والد مولانا کریم اللہ صاحبؒ لال قلعہ کے دربای واعظ یہ دونوں بزرگ خواجہ باقی باللہ میں

WWW.KITAABISTAN.COM

مدفون ہیں۔

مولانا ضیاء الحق دیو بندیؒ:

مولانا حافظ ضیاء الحق دیو بندی ایک علمی مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے آپ کے والد کا نام مولانا سراج الحق تھا۔

مولانا حافظ ضیاء الحق دیو بندی فاضل دار العلوم دیو بند اور شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی اور مولانا امین الدین اورنگ آبادی کے ہم سبق اور معاصر تھے بڑے صاحب علم وفضل اور عمدہ حافظِ قرآن تھے۔

مولانا امین الدین اورنگ آبادی نے جب دہلی میں مدرسہ امینیہ قائم کیا تو آپ کو دیو بند سے دہلی بلایا اور مدرس دوم مقرر کیا اور آپ آخری دم تک مدرسہ امینیہ میں مدرس رہے اور نہایت عالمانہ انداز میں قرآن و حدیث کا درس دیا کرتے تھے طلبہ آپ کے گرویدہ اور بڑے مداح تھے۔

مولانا حافظ ضیاء الحق دیو بندی کا انتقال یکم شعبان ۱۳۷۳ھ میں دہلی میں ہوا آپ کی عمر وفات کے وقت ۸۳ سال تھی آپ کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار کے قریب ہے لیکن بے نام ونشان ہے۔

مولانا عبد الماجد دہلویؒ:

مولانا عبد الماجد دہلوی دہلی کے مشہور واعظ اور مفسر قرآن تھے مولانا عبد الماجد دہلوی نواب والی مسجد گلی قاسم جان میں قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ جمعیۃ العلماء صوبہ دہلی کے جنرل سکریٹری بھی رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا احمد سعید دہلویؒ کے ساتھ کام کیا اور مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔

مولانا عبد الماجد دہلوی کا انتقال دہلی میں ہوا اور قبرستان خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہوئے آپ کی قبر مٹ گئی ہے۔

حافظ عبد العزیز انصاریؒ:

پرانی عیدگاہ کے مشہور تبلیغی اور جمعیتی شخصیت ہے آپ نے اس دور میں اپنے تمول سے دینی اور قومی تحریکات کی بھرپور اعانت کی جب کہ تقسیم کے سبب ''دلی'' ارباب ثروت سے خالی ہو چکی تھی آپ کی قبر درگاہ خواجہ باقی باللہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے آمین۔

حافظ علی محمد انصاریؒ:

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں اس مرد مجاہد نے ایک رضا کار کی حیثیت سے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اور جمعیۃ العلماء اور کانگریس کی ریلیف سرگرمیوں میں حصہ لیا وہ مرحوم کی آخرت کے لیے بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا' بالکل درویش صفت آدمی تھے آپ کی قبر درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی عارف باللہ' شیخ طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۴ جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ میں ہوئی۔ ''لفظ غنی'' سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے آپ کے والد کا نام شیخ حاجی نور اللہ تھا' جو ایک لائق و فائق انجینئر تھے۔

شیخ کلیم اللہ نے ظاہری علوم وفنون کی تحصیل شیخ ابوالرضا سے کی اور علوم ظاہری میں کمال حاصل کرنے کے بعد جب باطنی علوم و معارف کے اکتساب کا شوق پیدا ہوا تو آپ شیخ طریقت اور مرشد کامل کی تلاش و جستجو میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عارف کامل' فنا فی اللہ بزرگ سے ملاقات ہوئی اور جب شیخ نے ان کے سامنے اپنی تمنا کا اظہار کیا تو انہوں نے شیخ یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کا مشورہ دیا چنانچہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور شیخ یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کی درخواست کی جس کو شیخ مدنیؒ نے فوراً قبول فرمالیا اور صرف بیعت ہی نہیں بلکہ بہت جلد خرقہ خلافت بھی مرحمت فرمایا۔

شیخ کلیم اللہؒ اس کے بعد اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق ہندوستان واپس آکر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان قیام پذیر ہوگئے اور درس وتدریس' تصنیف وتالیف اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری فرمادیا جس سے ہزاروں تشنگان علوم ظاہر و باطن مستفید ہو کر عالم ربانی و مرشد کامل بنے اور درج ذیل اہم کتابیں بطور وراثت علمی کے چھوڑیں ''مکتوبات کلیمی'' ''سواء السبیل''، ''تسنیم''، ''عشرۂ کاملہ''، ''کشکول اور قرآن القرآن''

WWW.KITABOSUNNAT.COM

شیخ کلیم اللہ کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ میں بعمر ۸۱ سال ہوا' آپ کا مزار جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان اور مولانا آزاد دنگل میدان کے قریب ہے جو درگاہ شیخ کلیم اللہ سے مشہور و معروف ہے کسی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

فضل و کمال خویش بود وہ اہم قلب ایش بود
سال و صالش گفتہ ہاتف قطب زمانہ خویش بود
(۱۱۴۲ھ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

بیرسٹر نورالدین احمد

بیرسٹر نورالدین احمد مرحوم اصلاً قانون کے میدان کے آدمی تھے لیکن سماجی و سیاسی کاموں سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا وہ ایک خوددار' قومی خادم اور سچے پکے مسلمان تھے۔ اسلامی جمیعت ان میں درجۂ اتم ودیعت کردی گئی تھی اور آپ بلاتفریق مذہب وملت ہر ضرورت مند کی جائز ضرورت پوری کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار و کمر بستہ رہتے تھے۔

صاف گوئی' نیک نیتی' معاملہ فہمی' پابندی معاملات' دینداری اور شرافت بیرسٹر صاحب کا طغرائے امتیاز تھا جس کے ساتھ وہ ہر خاص و عام میں پہچانے جاتے تھے اسی کا اظہار ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''نوالدین احمد صاحب صرف ایک شخصیت ہی کا نام نہ تھا بلکہ ایک تہذیب' ایک روایت کا نام تھا قلندرانہ بانکپن اور شائستہ ظرافت کے دلکش امتزاج تھا'' (دلی والے ص ۳۴۶)

ان سب کے باوجود بیرسٹر نورالدین احمد کا علماء اور صوفیائے مرحومینؒ سے بھی گہرا تعلق تھا وہ شیخ المشائخ حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ سے خصوصی عقیدت رکھتے۔ آخرالذکر بزرگ کے مزار پر جمعرات کو حاضری دیا کرتے تھے اس قلبی لگاؤ کا اثر ہے کہ انتقال کے بعد ان کی آخری آرام گاہ بھی درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہؒ میں بنی خدا

غریق رحمت کرے آمین۔

لوحِ تربت پر عمارت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾

مرقد معدن فیض

۱۳۵۹۴

منزل نور آستانہ شیخ کلیم اللہ متوطنہ ریاض جنت

زبدہ دارین جناب نورالدین احمد بیرسٹر رحمہم اللہ (سابق میئر آف دہلی)

سال ولادت مبارک سیر و صورت ۱۹۰۴ء سال وفات اندوہ افزا پر غم ۱۹۷۴ء

جوہر عظمت قانون بتانے والا خدمت خلق کا پیغام سنانے والا
حرمِ پاک کی پرکیف زیارت کر کے نشۂ مادۂ اسلام بڑھانے والا
پرورش یافتہ مرکز فیضانِ کلیم دکھ غریبوں کا زمانے میں بٹانے والا
بے غرض ملت انسان کی حمایت کا امین بے گناہوں کو مصائب سے چھڑانیوالا
جن کو ٹھکرایا زمانے کی فضا نے انور ان کو بے لاگ کلیجے سے لگانے والا
چل دیا منزل فانی سے سوئے دار تھا نیک راہوں کی رف سب کو بلانے والا

برکت سلسلۂ حب وطن نورالدین

۱۲۳۳ھ

(مر گیا دارِ دنیا کو بچانے والا ۷۴۱+۱۲۳۳=۱۹۷۴ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

شیخ رضی الدینؒ

شیخ رضی الدین صاحب کی ولادت یکم اپریل ۱۹۱۱ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام حاجی کریم الدین صاحب تھا۔ شیخ رضی الدین صاحب مرحوم شاندار بیڑی کمپنی والے' مشہور مجاہد آزادی تھے آپ نے پاکستان کے سابق وزیراعظم صاحبزادہ لیاقت علی خان مرحوم کے ساتھ عرصئہ دراز تک کام کیا صاحبزادہ صاحب مرحوم شیخ صاحب مرحوم کے خلوص اور جدوجہد آزادی کی بڑی قدر کرتے تھے۔

تقسیم ملک کے بعد جب صاحبزادہ لیاقت علی خان مرحوم پاکستان منتقل ہوگئے تو آپ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی' سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی' مولانا فقیہہ الدین صاحب اور امام حمید بخاری کے ساتھ مل جل کر مسلمانوں کی جانی و مالی حفاظت میں مصروف ہوگئے اور شیخ صاحب آخیر تک ان علماء ملت اور زعماء ملت سے وابستہ رہے۔

شیخ رضی الدین صاحب کا انتقال ۱۶ دسمبر ۱۹۶۶ء میں دہلی میں ہوا اور درگاہ شیخ کلیم اللہ میں دفن کئے گئے شیخ رضی الدین صاحب کی قبر احاطئہ درگاہ شیخ کلیم اللہ سے باہر کوٹ مارکیٹ میں واقع ہے قبر کی چاروں طرف کوٹ کی دکانیں ہیں ان ہی دکانوں کے بیچ میں شیخ صاحب مرحوم کی قبر ہے قبر پر کتبہ موجود ہے اور اس پر یہ شعر کندہ ہے۔

سردے کے بھی ملجائے اگر اس کی رضا　　مہنگی نہیں ناداں بہت سستی ہے

✵ ...... ☆ ...... ✵

سید عزیز الشفیعؒ

سید عزیز الشفیع دیوبند کے مشہور علمی اور مذہبی گھرانے کے چشم وچراغ تھے آپ کی ولادت ۱۴ مئی ۱۸۹۵ء میں دیوبند میں ہوئی آپ کے والد کا نام سید احمد شفیع تھا۔

سید عزیز الشفیع مشہور قانون دان اور اسپیشل جج تھے بڑے متواضع اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی سے آپ کا گہرا تعلق تھا۔ سید عزیز الشفیع کا انتقال ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء میں ہوا اور درگاہ حضرت شیخ کلیم اللہ میں نور الدین بیرسٹر کے پہلو میں دفن ہوئے قبر پر کتبہ کی عبارت یوں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

(سید عزیز الشفیع اسپیشل جج دہلی ولد سید احمد شفیع مرحوم)

نہ کہیں جہاں میں آماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

✵ ...... ☆ ...... ✵

محمد نسیم صدیقی ایڈوکیٹ

محمد نسیم صدیقی ایڈوکیٹ دلّی کے مشہور ومعروف وکیل تھے آپ کا انتقال ۳ جون ۱۹۸۴ء میں ہوا اور آپ درگاہ شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر خوبصورت لوح لگی ہوئی ہے لوح مرقد پر یہ عبارت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

WWW.KITAABISTAN.COM

(محمد نسیم صدیقی ایڈووکٹ ولد محمد یوسف)

(تاریخ پیدائش ۱۳ جون ۱۹۴۴ء) (تاریخ وفات ۳ جون ۱۹۸۴ء)

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

چودھری عبدالستار احراری:

چودھری عبدالستار احراری مشہور مجاہد آزادی اور مجلس احرار کے پر جوش رہنما تھے۔ آپ دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں اغوا شدہ مسلم خواتین کی بازیابی اور مسلمانوں کی جانی ومالی حفاظت کی خاطر بڑی جدوجہد کی۔

چودھری عبدالستار احراری کا انتقال دہلی میں ہوا۔ درگاہ شیخ کلیم اللہ میں دفن ہوئے آپ کی قبر تلاش بسیار کے باوجود نہیں مل سکی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی قبر یا قبرستان دلّی گیٹ میں ہے۔

محمد مستحسن فاروقیؒ:

محمد مستحسن فاروقی صاحب دلّی کی مشہور ہستیوں میں تھے آپ کثیر الاشاعت ماہنامہ آستانہ کے مالک اور درگاہ شیخ کلیم اللہ کے سجادہ نشین تھے۔ آپ درگاہ شیخ کلیم اللہ میں احاطہ مسجد سے باہر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ آرام فرما ہیں آپ کی تربت پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

خدا کے سائے رحمت میں	تصغیر
۲۰۵ ۳۰ ۶۴۸ ۱۰۰	۱=۹=۱۴۵۹
تربت فاروقی ۱+۳۹۷×۱۰۰۲	حاصل تصغیر ۱۴۰۰ء
نقیب الاولیاء صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی ۱۹۸۰ء	راقم مہدی نظمی ۱۴۰۰ھ

سرمد شہیدؒ

سرمد شہید اصلاً یہودی النسل تھے۔ وہ اپنے آبائی عقائد سے بیزار ہوکر مشرف با سلام ہوئے اور عہد شاہجہانی میں ہندوستان آئے اور داراشکوہ مجذوبوں کا بڑا معتقد تھا۔ چنانچہ سرمد کی مجذوبانہ حالت سے متاثر ہوگیا اور عوام میں بھی سرمد کی کشف وکرامات کا بڑا شہرہ ہوا حالانکہ سرمد شہید ہمہ وقت برہنہ رہتے تھے اور معراج کے منکر بھی تھے۔

سرمد شہید فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے آپ کی رباعیات بڑی پُر لطف ہیں سرخوش نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک دن میں اور ناصر علی سرہندی اور مرزا عبدالقادر بیدلؔ جامع مسجد دہلی میں حوض کے کنارے بیٹھ کر شعر خوانی کر رہے تھے کہ سرمد آیا ہمیں دیکھ کر مسکرایا اور یہ شعر پڑھا۔

عمریست کہ افسانہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار ورسن را

چنانچہ اس کے بعد جلد ہی قتل کردیئے گئے' کہتے ہیں کہ قتل کے وقت سرمد بڑے ہشاش بشاش تھے جلاد سامنے آیا تو سرمد نے مسکرا کر کہا:

"فدائے تو شوم بیا بیا کہ بہر صورتے کہ مے آئی من ترا خوب مے شناسم"

اور مندرجہ ذیل شعر پڑھ کر تلوار کے نیچے گردن رکھ دی۔

شورے شد و از خواب عدم دیدہ کشودیم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

سرمد شہید کا مزار جامع مسجد کے پوربی دروازے کے سامنے شاہ ہرے بھرے کے مزار سے قریب مولانا شوکت علی مرحوم کی مسجد سے متصل ہے سرمد شہید کے مزار پر چادر چڑھی رہتی ہے اور لوگ گل پوشی اور فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں سرمد کے مزار کی پیشانی پر یہ قطعہ تاریخ کندہ ہے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

شاہ سرمد در عہد عالمگیر چوں سفر ساخت بخلد بریں
گفت تاریخ اکبر مسکین لحد مرقد شہید سرمد ایں

(۱۸ ربیع الثانی ۱۰۷۰ھ)

✵ ...... ☆ ...... ✵

مولانا سید احمد بخاریؒ

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کا معمول تھا کہ وہ مذہبی و تعلیمی امور میں صحیح النسب سادات کو ترجیح دیتے تھے' امامت' خطابت' شہزادوں کی اتالیقی' مسند درس و تدریس اور منصب افتاء و قضاء پر سادات کو مامور کرتے تھے۔

شاہ جہاں بادشاہ نے جب دہلی میں شاہ جہاں آباد کی بنیاد ڈالی اور قلعہ معلٰی کی تعمیر کی تو جامع مسجد کی امامت کے لیے ان کی نگاہ انتخاب سمرقند و بخاری کے صحیح النسب سادات پر پڑی' چنانچہ شاہ جہاں کی خواہش پر شاہ بخارا نے مشہور بزرگ سید عبدالغفور شاہ بخاریؒ کو ہندوستان بھیجا اور سید عبدالغفور شاہ کو شاہ جہاں بادشاہ نے جامع مسجد کی امامت کی خدمت پر فائز کیا یہی سید عبدالغفور شاہ بخاریؒ' سید احمد بخاری کے مورث اعلٰی ہیں سید احمد بخاری کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں سید عبدالغفور بخاری سے جا ملتا ہے۔

شمس العلماء سید احمد بخاری مشہور بزرگ اور مخلص آدمی تھے آپ کے متعلق سید یوسف بخاری اپنی کتاب ''یہ دلّی ہے'' میں لکھتے ہیں:

''سید احمد مرحوم جامع مسجد دہلی کے صرف امام ہی نہ تھے بلکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے مذہب و ملت کے ایک سچے بہی خواہ اور بے لوث خادم بھی تھے۔ امامت کے فرائض اور جامع مسجد کے نظم و نسق کے علاوہ قومی اور ملی جو خدمات بھی ان سے بن پڑیں آخر دم تک سرانجام دیتے رہے'' (یہ دلّی ہے ص 87)

بلاشبہ شمس العلماء سید احمد بخاری انگریزوں کے قریب تھے لیکن موصوف اپنے رنگ میں مسلمانوں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کے اسی وصف و کمال کو آپ کے دوست

و دشمن دونوں تسلیم کرتے ہیں' چنانچہ آپ کے مشہور ناقد امداد صابری صاحب لکھتے ہیں:

''امام صاحب حکومت برطانیہ کے وفادار تھے اور صاف طور پر کہا کرتے تھے کہ میں انگریزوں کا وفادار ہوں' اس کی بھلائی چاہتا ہوں' جو اس کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے وہ سچے انگریزوں کے بہی خواہ تھے اور انگریز کا بھی ان کے ساتھ یہی سلوک تھا' انہوں نے سینکڑوں انسانوں کو چھوٹی بڑی نوکریاں دلائیں' دسیوں قاتلوں کو جن پر قتل کا الزام غلط تھا تختہ دار سے بچوایا بہت سے مقدمات میں انہوں نے سفارشیں کیں تو وہ فوراً بچ گئے'' (داستان شرف ص ۲۴۸)

شمس العلماء حضرت مولانا سید احمد بخاری جامع مسجد دلّی کے دسویں شاہی امام تھے آپ کی قبر شاہجہانی جامع مسجد کے باغیچہ میں ہے آپ کی لوح پر یہ مضمون موجود ہے' جس سے حضرت شاہی امام صاحب کے بہت سے اوصاف و کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔

اَللّٰہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مُحَمَّدٌ

(شمس العلماء ہند حضرت مولانا سید احمد بخاری جامع مسجد دہلی کے دسویں شاہی امام)

☆ دینی پیشوا' دینی رہنما' ملت کا درد رکھنے والا۔

☆ خدمتِ خلق کے لیے وقف جن کا بے مثال اثر و رسوخ بلاتفریق سب کے کام آتا تھا۔

☆ خالق کی بارگاہ میں مقبول' مخلوق کے دلوں پر سدا بر جمان

☆ دلّی کی تہذیب و تمدن کے نمائندے' جن کی وفات کے ساتھ' دلّی اور ہندوستان کی تاریخ کا ایک ورق پلٹ گیا۔

☆ جنہوں نے مسکرا کر موت کو لبیک کہا!

(عمر ۸۵ سال وفات ۲۲ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۹ ستمبر ۱۹۴۷ء)

یوم سہ شنبہ دس بجے شب

نشانِ مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

یہ کتبہ حضرت کے پوتے سید عبداللہ بخاری شاہی امام جامع مسجد دہلی نے ستمبر ۱۹۷۷ میں مزار مبارک پر نصب کیا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا سید حمید بخاریؒ

امام السلطان حضرت مولانا سید حمید شاہجہانی جامع مسجد دلّی کے گیارہویں شاہی امام تھے۔ آپ کی قبر جامع مسجد دلّی کے باغیچی میں واقع ہے۔

لوح مزار پر یہ جامع مضمون موجود ہے جو یہاں نقل کیا جارہا ہے جس سے حضرت شاہی امام صاحب کی شخصیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

اَللّٰہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُحَمَّدٌ

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

☆ اللہ کے ولی، عالم باعمل، معرفت الٰہی سے سرشار، اتباع سنت کے عاشق۔

☆ کئی معرکۃ الآراء دینی کتابوں کے مصنف!

☆ حضرت حق جل مجدہ کی خشیت اور خوف ہم وقت دل میں رکھنے والے!

☆ مظلومین اور ضرورت مندوں کے غمگسار اور ان کے لیے دعائیں کرنیوالے!

☆ بندگانِ خدا کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہنے والے!

تقریباً ۶۵ سال امامت کے منصب عظیم پر فائز رہ کر ۵ صفر المظفر ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۷۶ء جمعہ کے روز پونے دو بجے دوپہر بحالتِ نماز اپنے کریم مولیٰ کے حضور میں واصل ہونے والے!

جامع مسجد دلّی کے گیارہویں شاہی امام

امام السلطان حضرت مولانا سید حمید بخاری نور اللہ مرقدہٗ یہاں رحمتِ الٰہی کی آغوش میں آرام فرما ہیں۔ (تاریخ پیدائش ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء یوم چہار شنبہ)

یہ کتبہ حضرت کے خلف اکبر سید عبداللہ بخاری شاہی امام جامع مسجد دلی نے جنوری ۱۹۷۷ء میں مزار مبارک پر نصب کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

امام الھند حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ہمہ گیر و ہمہ جہت شخصیت محتاج تعارف و تعریف نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ ایک اچھے عالم تھے، ادیب تھے، انشاء پرداز تھے، شاعر تھے، صحافی تھے اور سیاست دان تھے۔

مولانا آزاد کی ولادت باسعادت ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا خیر الدینؒ اپنے عہد کے مشہور پیر اور صوفی تھے لیکن مولانا آزاد کا مزاج و مذاق خالص علمی و فکری تھا۔ چنانچہ وہ خاندانی روایت کی پاسداری نہیں کر سکے اور اپنی جدت پسند طبیعت اور عالمانہ مذاق کی بنا پر اپنے تصوفانہ و پیرانہ زندگی سے الگ تھلگ ہو کر قرآن و حدیث کی خدمت کو اپنا نصب العین بنایا اور اسی کی روشنی میں وطن و قوم کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا اخلاقی و شرعی فرض تصور فرمایا اور تحریکِ استخلاص وطن میں سرفروشانہ و مجاہدانہ حصہ لیا اور تیرہ فرنگ کی روحانی و جسمانی اذیتیں برداشت کیں اور جب آپ لیلائے آزادی سے ہم آغوش ہو گئے تو آزاد ہندوستان کی تعمیر نو اور استحکام میں ہمہ تن مشغول و مصروف ہو گئے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ ۱۹۴۷ء سے پہلے کی مسلم قیادت کے سپہ سالار تھے لہٰذا جب ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں سے ملت اسلامیہ دہشت زدہ ہو کر مایوس ہونے لگی تو مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنے رفقاء کے ساتھ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم جمانے اور ٹوٹے ہوئے حوصلوں کو سہارا دینے کے لیے پھر میدانِ عمل میں کود پڑے اور رات دن ایک کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور ترک وطن سے روکا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ملک میں مسلمانوں اور ان کے مذہب کو قومی تحفظ دلایا اور آخر کار بڑھاپے میں اس انتھک دماغی و جسمانی جدوجہد نے نہ تھکنے والے مجاہد کو تھکا دیا اور ریل یا جیل کے دائروں میں رات دن بے تکان دوڑنے والا مجاہد جلیل بستر علالت پر دراز ہو گیا اور فروری ۱۹۵۸ء کو اپنے مولائے حقیقی سے جاملا۔

WWW.KITAABISTAN.COM

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب (دہلی میں دفن خذینے) کے پیشِ لفظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جس روز مولانا آزاد کا انتقال ہوا تھا' میں ان کے در دولت پر موجود تھا۔ وزیر اعظم پنڈت نہرو بھی تشریف فرما تھے اور گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ مفسر قرآن مولانا آزاد کو کہاں دفن کیا جائے میں نے عرض کیا مولانا جید عالم اور عظیم المرتبت تھے۔ ان کو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ محدثین کے قبرستان مہندیان میں دفن کرنا چاہیے' پنڈت جی نے کہا وہ ہندوستان کے بڑے ممتاز لیڈر رہتے' ان کو جامع مسجد شاہجہانی کے قریب جو مرجع خلائق ہے دفن کرنا چاہیے بالآخر پنڈت جی ہی کی رائے پر عمل کیا گیا" (دہلی میں دفن خزینے)

(محی الدین احمد مولانا ابوالکلام آزاد) (پیدائش ذی الحجہ ۱۳۰۵ نومبر ۱۸۸۸ء وفات ۲۲ فروری ۱۹۵۸ یوم شنبہ)

مولانا شوکت علیؒ

مولانا شوکت علی کی ولادت ۱۸۷۲ء میں شہر رامپور میں ہوئی ان کے والد کا نام عبدالعلیؒ تھا جو شہر رامپور کے شیوخ کے ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ ماجدہ آبادی بانو بیگم جو آگے چل کر میدان سیاست میں بی اماں کے نام سے مشہور ہوئیں اور اس وقت مسلمانانِ ہند جلسے جلوسوں میں یہ نعرہ لگاتے پھرتے تھے۔

بولی اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دے دو
تم تو جاتے ہو دور دو برس کو بوڑھی اماں کا غم نہ کرنا
کلمہ پڑھ پڑھ کے پھانسی پہ چڑھنا جان بیٹا خلافت پہ دے دو

مولانا شوکت علی مرحوم نے ۱۸۹۵ء میں ایم۔ اے او کالج علی گڑھ سے بی۔ اے کیا تھا اور حکومت اتر پردیش کے محکمۂ افیوں میں ایک اہم عہدہ پر فائز ہو گئے تھے دورانِ ملازمت اتر پردیش کے مختلف اضلاع میں منتقل ہوتے رہے ایک مرتبہ بنارس میں ان کا تبادلہ ہو گیا

موصوف ایک اچھے مزاحیہ شاعر بھی تھے کہنے لگے۔

مشورے ہو رہے ہیں آپس میں
بھیجتے ہیں ہمیں بنارس میں

مولانا شوکت علی مرحوم اور مولانا محمد علی جوہر جنہیں دنیا "علی برادران" سے جانتی پہچانتی ہے یہ دونوں بھائی آزادی وطن کے متوالے اور تحریک خلافت کے روح رواں بلکہ بانی مبانی تھے اور بڑے ہنگامہ خیز لیڈر رہتے۔

علی برادران میں عجیب وغریب ذہنی وفکری یگانگت اور یکسانیت تھی' جس موقف اور نظریے کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم اختیار فرماتے اسی موقف اور نظریے کو مولانا شوکت علی جوہر بھی اپناتے اور اسی پر جمے رہتے مولانا شوکت علی بڑے حوصلہ وہمت والے آدمی تھے مولانا آزاد مرحوم مولانا شوکت علی مرحوم کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

"ملک میں کسی قومی تحریک کا کوئی قلعہ تیار کرنا ہو تو انہیں اور ظفر علی خان کو چھوڑ دو یہ دونوں برسوں کا کام ہفتوں میں کر دیں گے لیکن جب قلعہ بن جائے تو ان دونوں کو کان پکڑ کر باہر نکال دو یقین ہے کہ یہ اسے ڈھا دیں گے" (چہرے ص ۵۰)

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انتقال کے بعد دونوں بھائیوں میں بعد المشرقین واقع ہو گئی مولانا محمد علی جوہر بیت المقدس کے اندر محو استراحت ہیں اور مولانا شوکت علی جوہر شاہجہانی جامع مسجد دلی کے زیر سایہ خوابیدہ ہیں۔

مولانا شوکت علی مرحوم کا مزار مسجد مینار بازار کے اندر واقع ہے مسجد کے اندر صرف مولانا شوکت علی مرحوم کی قبر ہے اور آپ ہی کی طرف نسب کر کے اس مسجد کو مولانا شوکت علی کی مسجد کہا جاتا ہے۔

قبر پر کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾

مرقد پاک

WWW.KITAABISTAN.COM

خادم کعبہ　　　　ضیغم السلام

حضرت مولانا شوکت علی رحمۃ اللہ علیہ　(تاریخ وصال ۱۸ نومبر ۱۹۳۸ء (بمقام دہلی)

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی ولادت باسعادت ۱۸۹۲ء میں صوبہ پنجاب کے مشہور قصبہ لدھیانہ میں ہوئی آپ کے والد مولانا محمد زکریا مرحوم جید عالم دین تھے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فرزند اور فارغ التحصیل عالم دین تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ ،مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ،حافظ محمد احمدؒ اور علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے آپ کے بڑے گہرے تعلقات وروابط تھے، جو تاحیات قائم رہے اور آخر الذکر تو آپ کے استاد مشفق اور مربی جلیل تھے آپ کی شخصیت پر علامہ کشمیری کا بڑا گہرا رنگ تھا چنانچہ خود مولانا لدھیانوی فرماتے ہیں کہ۔

''مجھے قرآن فہمی کا ذوق حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں حاصل ہوا''

(رئیس الاحرار در حدیث، دیگراں ص ۱۸۳)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جنگ آزادی میں سید عطا اللہ شاہ بخاری کے رفیق خاص اور مجلس الاحرار کے قائد وروح رواں تھے اور آپ نے آزادی وطن میں ہمیشہ سرفروشانہ وقائدانہ رول ادا کیا اور وطن عزیز کی آزادی کی خاطر بڑی بڑی اذیتیں و مصیبتیں اور قید و بند کی صعوبتیں و تکلیفیں جھیلیں ہیں۔ آپ کی بے پناہ قربانیوں اور سرفروشانہ مجاہدوں کی بنا پر آپ کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں اور قائدوں میں ہوتا تھا۔ آپ حصول آزای وطن کے بعد بھی وطن عزیز کی تعمیر وترقی میں نمایاں حصہ لیتے رہے اور ہمیشہ دشمنانِ وطن سے نبرد آزما رہے۔ وہ سچے معنوں میں محبّ الوطن اور نیشنلسٹ مسلمان تھے۔ آپ آخری سانس تک دشمنانِ اسلام و دشمنانِ وطن کے مقابلے میں مردانہ

وار ڈٹے رہے اور آخر کار ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو اپنے مولیٰ سے جا ملے آپ کا مزار شاہجہانی مسجد کے نیچے باغیچی میں واقع ہے۔

آفتاب حریت وائے قسمت شد غروب　　ہر کہ دمہ از غمش مبتلائے آہ گشت
فکر کردم سال دارنہ سر فروش آمد ندا　　سال رحلت ارتحال خلیل اللہ گشت

(۱۳۷۶ھ)

حضرت مرحوم نے دنیا کو پایا بے وفا　　چل دیئے خالق سے ملنے کے لیے وہ باکمال
تھے وہ بطل حریت اور قوم پر قربان تھے　　تھے سلف کی طرح وہ بھی ایک فرد بیمثال

سال　چاہو　چار　کا　ماتم　کرو　تم　چار　سو
محرم　دانا　مرنجان　شیر　دل　گردوں　حلال
۳۴۴　۳۴۴　۳۴۴　۳۴۴

مصری تاریخ کے چاروں لفظوں کے اعداد جمع کردیں تو مرحوم کا سال وفات برآمد ہوتا ہے اور چونکہ ہر لفظ کے اعداد مساوی ہیں لہٰذا ہر ایک کو ۴ پر ضرب دیں تو بھی یہی سال برآمد ہوتا ہے ایک مصرع میں اور پانچ تاریخیں مرحوم کا روحانی تصرف نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ کی لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔

۸۷۶

زمانہ لے کے جسے آفتاب گرتا ہے　　ان ہی کی خاک میں پوشیدہ وہ چنگاری

قائداحرار

﴿کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ﴾

(مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی پیدائش ۱۸۹۶ء وفات ۲ ستمبر ۱۹۵۶)

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITABISTAN.COM

جنرل شاہنوازؒ

جنرل شاہنواز خان کی ولادت ۲۴ جنوری ۱۹۱۴ء وہ اصلاً راولپنڈی پاکستان کے رہنے والے تھے۔

جنرل شاہنواز خان برطانوی فوج میں بھرتی ہوئے مگر کچھ ہی عرصہ بعد دوسری جنگ عظیم میں آپ جاپان کی فوج کے ہاتھوں قید ہوگئے۔ اسی عرصہ میں آپ کی ملاقات نیتاجی سبھاش چندر بوس سے ہوئی نیتاجی نے آزاد فوج تیار کی تاکہ انگریزوں سے ہندوستان خالی کرایا جائے نیتاجی نے شاہنواز خان کو ایک فوجی ڈویژن کی کمان کے لیے چنا اور انہیں یہ فوج دے کر برما کی جانب سے ہندوستان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور جب جنگ ختم ہوئی تو انگریزوں نے لال قلعہ میں جنرل سہگل جنرل ڈھلون اور جنرل شاہنواز خان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا مقدمہ کی پیروی بیرسٹر آصف علی، جواہر لال نہرو اور بھولا بھائی ڈیسائی نے کی اور یہ مجاہدین آزادی باعزت بری ہوگئے۔ جنرل شاہنواز آزادی وطن کے مجاہد جلیل تھے۔

آزادی وطن کے بعد ملک کی جو ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی آپ نے اس کو بڑے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ بہت عمدہ طریق پر نبھایا۔ آپ خاندانی حیثیت سے ایک متمول اور صاحب ثروت شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ کیرکٹر اور دیانتدار انسان تھے۔ آپ دو مرتبہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور دونوں دفعہ حکومت ہند کے وزیر بھی رہے۔ آپ نے کبھی بھی عہدہ اور اقتدار کو حصولِ رزق کا ذریعہ نہیں بنایا اور اسی بنا پر ہر محاذ پر جرأت و ہمت کے ساتھ بے لاگ خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک آپ کے نام کو روشن رکھے گی اور اسی طرح ملک و قوم کی خدمت کرتے ہوئے ۱۹۸۳ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے آپ کا انتقال دہلی میں ہوا آپ کا مزار مولانا آزاد کے مزار کے نیچے اتر کی جانب مولانا آزاد گراؤنڈ میں واقع ہے جنرل شاہنواز ایک بیش قیمت سنگ مرمر کے چبوترہ پر آرام فرما ہیں اور چبوترہ کی چاروں طرف لوہے کی جالیاں ہیں۔

مولوی سمیع اللہ قاسمیؒ

مولوی سمیع اللہ قاسمی دلّی کے مشہور عالم دین، مجاہد آزادی اور کانگریس کے پرجوش حامی تھے۔ آپ ۱۹۰۷ء میں ضلع ہردوئی کے قصبہ شاہ آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد منشی نسیم اللہ مرحوم ایک سرکاری اسکول میں مدرس تھے۔

مولوی سمیع اللہ قاسمی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، علوم قرآن وحدیث کی تحصیل وتکمیل کے لیے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ خاص مولانا اسعد اللہؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور کچھ عرصے کے بعد دارالعلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی، علامہ ابراہیم بلیاوی اور مولانا حسین احمد مدنی سے احادیث کی کتابیں پڑھیں اور دارالعلوم دیو بند سے سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد دلّی کے مشہور دینی مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ میں مدرس ہوگئے۔ پھر انہوں نے اپنا ذاتی کتب خانہ ''کتب خانہ عزیزیہ'' کے نام سے قائم کیا اور یہ کتب خانہ بہت جلد پورے ہندوستان کے علماء زعماء ادباء اور شعراء کا مرکز بن گیا۔

مولوی سمیع اللہ قاسمی کی پرکشش شخصیت کے اردگرد ہر مکتب فکر کے اکابر اور اصاغر جمع ہونے لگے اور مولوی سمیع اللہ قاسمی ان متضاد عناصر اور مختلف الفکر حضرات کو بڑے سلیقے اور قرینے سے نبھاتے تھے۔

جوش ملیح آبادی سے مولوی سمیع اللہ قاسمی کے بڑے اچھے تعلقات و روابط تھے حالانکہ دونوں مختلف الفکر اور مختلف العقیدہ تھے۔ چنانچہ کنور مہندر سنگھ بیدی تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا زاہد خشک، جوش رند سرمست، مولانا پاکباز، جوش شاہد باز، مولانا روزہ نماز کے پابند، جوش منکر خدا، مولانا غروب کے ہنگام مسجد کی جانب رجوع ہوتے، جوش میخانے کی راہ لیتے مگر اس قدر شدید عقائدی اختلاف کے باوجود دونوں میں گہری دوستی تھی'' (یادوں کا جشن ص ۳۰۸)

WWW.KITABISTAN.COM

مولوی سمیع اللہ قاسمی کا انتقال ۱۹۶۹ء میں ہوا جامع مسجد کے شمالی دروازے کے نیچے باغیچی میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے پہلو میں دفن ہوئے قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

۷۸۶

ہوالباقی — ہوالحیی

مولانا محمد سمیع اللہ قاسمی نور اللہ مرقدہ

صدر مجلس احرار خدام خلق صوبہ دہلی

۱۶ اگست ۱۹۶۹ء بروز چہار شنبہ بوقت اذان عشاء بعمر ۶۵ سال داعی اجل کو لبیک کہا۔

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾

❋ ...... ☆ ...... ❋

خواجہ محمد ناصر عندلیب

خواجہ محمد ناصر عندلیبؔ، خواجہ میر دردؔ کے والد سلسلۂ محمدیہ کے بانی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر اور ماہر ادیب تھے۔ خواجہ صاحب ۱۱۰۵ھ میں دارالسلطنت دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے معتقد تاریخ گو شاعر رائے سناتھ سنگھ بیدارؔ نے آپ کے مادۂ تاریخ اسی حساب سے نکالا ہے۔

در و جو آمد چوں آں دلّی شد کمالات امامت منجلی
سال تاریخ مرا الہام شد وارث علی امامین و علی
(۱۱۰۵ھ)

آپ کے والد کا نام نواب ظفر اللہ خان تھا نواب ظفر اللہ خان نہ صرف یہ کہ صاحب فوج وحشم نواب تھے بلکہ صاحب نسبت ولی اور جید عالم بھی تھے۔

خواجہ ناصر عندلیب درویش اور صوفی تھے ان پر دلّی کے مشہور روحانی مصلح اور شاعر شاہ سعد اللہ گلشن کا گہرا اثر تھا۔ خواجہ عندلیب نے ابتدائی دور میں حضرت شاہ سعد اللہ گلشن دہلوی کی صحبت اختیار کی لیکن ان سے باقاعدہ مرید نہیں ہوئے بلکہ شاہ گلشن دہلویؒ ہی کی

ہدایت پر خواجہ عندلیب نے حضرت خواجہ محمد زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب کی وفات ۱۱۷۳ھ بمطابق ۱۷۵۸ء میں دہلی میں ہوئی۔

آپ کی آخری آرام گاہ بستی خواجہ میر درد میں ہے آپ اپنے عالی مقام صاحبزدگان کے ساتھ ایک خوبصورت چبوترہ پر آرام فرما ہیں۔ خواجہ صاحب کے چبوترے کے قریب ہی ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے یہ مسجد تو بہت ہی قدیم ہے لیکن حال میں کافی توسیع کی گئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

خواجہ میر درد

خواجہ میر درد اردو، فارسی کے جلیل القدر صوفی شاعر اور صاحب طرز نثر نگار تھے خواجہ میر درد کی پیدائش ۱۱۳۳ھ میں دارالسلطنت دہلی میں ہوئی چنانچہ رائے سناتھ سنگھ بیدارؔ نے آپ کی تاریخ پیدائش یہ کہی ہے۔

از حضرت درد عارف یزدانی گہوارۂ آفاق چوں شد ندرانی
بیدار نوید سال تاریخش گفت آمد بوجو نقش بند ثانی
(۱۱۳۳ھ)

خواجہ میر درد کے والد کا نام خواجہ محمد ناصر عندلیب تھا، جو ایک صوفی منش انسان تھے خواجہ میر دردؔ بھی بڑے قلندر مزاج انسان تھا آپ کی طبیعت میں بے پناہ استغناء تھا آپ امراء سلاطین کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔

خواجہ میر درد کی فقیرانہ مجلس ایک ایسا دربار تھی جہاں کی حاضری بادشاہ وقت بھی باعث سعادت تصور کرتے تھے المختصر خواجہ خود تو استغناء اور بے نیازی میں فقید المثال تھے مگر ہر خورد و کلاں، گدا و شاہ آپ کے نیاز مند!

خود خواجہ صاحب کا مشہور شعر ہے۔

نہیں مذکور شاہوں کا میاں کچھ اپنی محفل میں
اگر کچھ ذکر بھی آیا تو ابراہیم ابن ادہم کا

WWW.KITAABISTAN.COM

اس درویشانہ صفات کے ساتھ آپ ماہر علوم وفنون اور صاحب تصنیف وتالیف بھی تھے لہٰذا دیوان اردو دیوان فارسی رسالہ اسرار الصلوۃ' نالئہ درد اور واردات درد جیسی اہم تصنیفات آپ کی علمی اور فنی یادگار ہیں۔

خواجہ میر درد کا انتقال 1199ھ میں بعمر ۶۶ سال ہوا اور اتفاق یہ ہے کہ آپ کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کی عمر بھی چھیاسٹھ سال ہی ہوئی اور دوسرا اتفاق یہ کہ آپ کو انتقال سے کچھ عرصے پہلے منکشف بھی ہوگیا تھا کہ آپ کی عمر ۶۶ سال ہوگی' جس کا اکثر آپ انتقال سے قبل ذکر کیا کرتے تھے آپ کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

۱۱۹۹ھ

خواجہ میر درد کا مزار ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب کے پہلو میں بستی خواجہ میر درد میں واقع ہے۔ یہ بستی خواجہ میر درد رنجیت ہوٹل اور ڈاکٹر ذاکر حسین کالج سے متصل مغرب کی جانب واقع ہے۔

لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے۔

(ھو الناصر اول المحدثین خواجہ میر درد)

(تصنیف رسالہ اسرار الصلوۃ' واردات' علم الکتاب)

(فارسی نالہ درد' آہ سرد' درد دل' شمع محفل دیوان فارسی' دیوان اُردو)

(ولادت ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۳۳ھ) (وفات ۱۴ صفر ۱۱۹۹ھ)

(ڈاکٹر خواجہ ناصر الدین سجادہ نشین ۱۹۶۴ء)

✵ ...... ☆ ...... ✵

خواجہ میر آثر دہلوی

خواجہ میر آثر دہلویؒ اردو فارسی کے بلند پایہ شاعر اور مثنوی نگار تھے۔ وہ ۱۱۴۸ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے' مشہور تاریخ گو شاعر رائے سناتھ سنگھ بیدار نے تاریخ کہی ہے۔

چو قطب کمالات برج اقامت — فرد زندۂ خانما تا قیامت
برآمد دو عالم انگشت روشن — بماند چنیں نور یارب سلامت
ہماں شب بہ بیدار سال طلوعش — ندا آمدہ نور شمع امامت

(۱۱۴۸ھ)

خواجہ محمد میر نام اور آثر تخلص تھا آپ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی اور جانثار مرید تھے خواجہ میر آثر درویش صفت انسان تھے' علم وعمل میں یکتائے روزگا تھے' آپ اپنا زیادہ تر وقت عادت وریاضت میں صرف کرتے تھے۔

خواجہ میر درد کے انتقال کے بعد خواجہ امیر آثر ہی آپ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے اور خواجہ میر آثر نے اپنے ولی صفت بھائی خواجہ میر درد کی صحیح جانشینی کا حق ادا کردیا نہایت ہی عالمانہ اور بزرگانہ جاہ وجلال کے ساتھ مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے اس کے علاوہ خواجہ محمد میر آثر ایک جلیل القدر شاعر تھے آپ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کبھو ہم سے بھی وفا کیجئے گا — یا یہی جور و جفا کیجئے گا
دیکھیں دشنام کہاں تک دو گے — دم میں سو بار دعا کیجئے گا
نظر آتا ہے گروہ زلف سے کھول — ہر طرف فتنہ بپا کیجئے گا
جان و دل سے بھی گزر جائیں گے ہم — اگر ایسا ہی خفا کیجئے گا

✵ ...... ☆ ...... ✵

خواجہ میاں آلم

خواجہ میاں صاحب آلم کی ولادت ۱۱۷۰ھ میں دہلی میں ہوئی خواجہ آلم خواجہ میر درد کے صاحبزادے تھے بڑے باغ و بہار کے آدمی تھی عہد جوانی میں آزاد خیال اور سیر و سیاحت کے دلدادہ تھے اپنے تایا خواجہ میر آثر دہلوی کے وصال کے بعد آپ کی طبیعت میں انقلاب آیا اس کے درویشانہ زندگی اختیار کرلی۔

خواجہ آلم ایک اچھے شاعر تھے اور اپنے خاندان کے بزرگوں کی اولیت قائم کئے

WWW.KITAABISTAN.COM

ہوئے تھے۔ آپ اپنے خواجہ میر درد کے رنگ میں اشعار کہتے تھے، جن میں بڑا سوز و درد ہوتا تھا مثال کے طور پر چند اشعار پیش ہیں۔

میں پھروں کیوں نہ بے قرار ہوا ۔۔۔ تجھ سے بد قول سے قرار ہوا
مثل آئینہ محو حیرت ہوں ۔۔۔ آہ کس مکھڑے سے دو چار ہوا

❋ …… ☆ …… ❋

خواجہ سید حسن رسول نما

حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ سید عثمانی نارنوی کی اولاد اور کبار مشائخ میں تھے آپ کا لقب ''رسول نما'' اس سبب سے پڑا تھا کہ آپ کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایسا تقرب حاصل تھا کہ آپ جس کو چاہتے حضرت سرور کونین ﷺ کی زیارت سے مشرف کرادیتے تھے۔

حضرت رسول نما بڑے متوکل اور قناعت پسند بزرگ تھے آپ نے ۱۱۰۳ھ میں بعہد عالمگیری رحلت فرمائی اور پنچکوئیاں روڑ پر واقع اپنے مدرسہ کے صحن میں دفن ہوئے اب وہ جگہ آپ ہی کے نام پر درگاہ حضرت سید رسول نما سے مشہور ہے۔

حضرت رسول نما کے مزار کے برابر آپ کے عالی مقام صاحبزادے سید ہاشم متوفی ۱۱۳۳ھ کا بھی مزار ہے۔ حضرت سید ہاشم اویسی المشرب اور والد صاحب کے طریقہ پر کاربند تھے۔

❋ …… ☆ …… ❋

حکیم عبدالمجید

حکیم عبدالمجید خان حکیم محمود خان کے صاحبزادے تھے حکیم عبدالمجید خان نے اپنے نامور والد کے مطب کی شہرت وعزت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اپنی دور بینی سے انہوں نے طب یونانی کی ترقی و استحکام اور خدمت خلق کے لیے ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

حکیم عبدالمجید خان ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہا

درگاہ سید حسن رسول نما میں مدفون ہوئے کتبہ قبر پر یہ تاریخ وفات درج تھی لیکن اب قبر بے نشان ہوگئی ہے درجہ ذیل عبارت سید یوسف بخاری کی کتاب ''یہ دلی ہے'' سے نقل کی گئی ہے حکیم صاحب کے قبر کے ارد گرد لوگ آباد ہوگئے ہیں۔ (مرقد پاکیزہ حاذق الملک ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء)

❋ …… ☆ …… ❋

حکیم محمد اجمل خانؒ

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان مرحوم ایک بے مثل طبیب، مخلص مجاہد آزادی، انڈین نیشنل کانگریس کے صدر، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے خاص رفیق، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے روح رواں اور درجنوں قومی وملی اداروں کے سرپرست اور نگران تھے۔

حافظ حکیم محمد اجمل خان کی پیدائش ۱۱ فروری 1868ء میں دلی کے مشہور شریفی خاندان میں ہوئی۔ آپ کے والد حکیم محمود خان مرحوم اپنے عہد کے نامی گرامی حاذق طبیب تھے۔ خود حکیم محمد اجمل خان مرحوم بھی اپنے باکمال والد کی طرح ماہر فن اور تجربہ کار طبیب تھے فن طب سے آپ کو فطری وجذباتی لگاؤ تھا آپ کا اصل خطاب مسیح الملک تھا مگر انگریزوں نے آپ کو حاذق الملک کا خطاب دیا جس کو حکیم صاحب نے واپس کر دیا تھا کیونکہ آپ کو کوئی بھی سرکاری خطاب پسند نہ تھا تو انگریزوں کے دیئے ہوئے خطاب کو آپ کس طرح پسند کر سکتے تھے۔

حکیم محمد اجمل خان اردو، فارسی اور عربی زبان پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔

ان تینوں زبانوں میں نہایت بے تکلفی سے بولتے اور لکھتے تھے شعر وشاعری سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا اور آپ صاحب دیوان شاعر تھے آپ کا دیوان پاکستان میں شائع ہو چکا ہے کاش! کوئی اللہ کا بندہ آزاد ہندوستان میں بھی اس کو طبع کرادیتا۔

حکیم محمد اجمل خان مرحوم تعمیری ذہن ودماغ کے بزرگ تھے آپ نے اپنی زندگی ملک وملت کے لیے وقف کر رکھی تھی آپ ہمیشہ جنگ آزادی میں پیش پیش رہے اور اس کے علاوہ طب یونانی کی ترقی وفلاح کے لیے آپ نے طبیہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ قائم فرمایا اور فضلائے مدارس اسلامیہ کو علوم عصریہ کی تعلیم کے لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام میں بھرپور

WWW.KITABISTAN.COM

تعاون دیا اور آج تک یہ تینوں ادارے آپ کی یاد کو ملک وقوم میں زندہ کئے ہوئے ہیں۔

حکیم محمد اجمل خان شیدا نے 27۔ دسمبر ۱۹۲۷ء کو بعمر ۶۲ سال دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرمائی آپ درگاہ حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ پنچکوئیاں روڈ، نئی دہلی میں آرام فرما ہیں حق تعالیٰ مغفرت فرمائے آمین۔

لوح مزار پر یہ کندہ ہے۔ (مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان دہلوی تاریخ وفات ۲۷ دسمبر ۱۹۲۷ء)

۞ ...... ☆ ...... ۞

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ

مرزا مظہر جان جاناں کی ولادت ۱۱ رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا نام میرزا جان تھا میرزا جان متعدد علوم وفنون میں یگانہ روزگار تھے اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور اقتدار میں عہدہ قضاء پر مامور تھے۔

سلطنت مغلیہ کا دستور تھا کہ جب امراء ووزراء کے یہاں کوئی اولاد ہوتی تو شہنشاہِ وقت کو زحمت دی جاتی تھی کہ وہ نومولود کا نام تجویز فرمائیں یا پیش کردہ ناموں سے کوئی نام منتخب کریں۔ چنانچہ مرزا مظہر جان جاناں دنیائے آب وگل میں آئے تو حسب روایت شہنشاہِ وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ کو خبر بھیجی گئی کہ شہنشاہ خود نومولود کا نام تجویز فرمائیں۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے فرمایا کہ چونکہ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے اور نومولود کے والد کا نام مرزا جان ہے اس لیے بچہ کا نام جانِ جان رکھا جائے۔ پھر لوگوں نے جان جاناں بنا دیا، یہ تغیر خود میرزا جان کے عہد میں رونما ہوگیا تھا اور مرزا مظہر جان جاناں بھی اس اضافہ سے مطمئن تھے لہٰذا اپنے مکاتیب میں جان جاناں ہی لکھا کرتے تھے اور مظہر آپ کا تخلص تھا۔

حضرت مظہر جان جاناں اپنے عہد کے بلند پایہ شعراء اور ادباء میں تھے انہوں نے عہد شباب میں ہی شعروشاعری کا آغاز فرمادیا تھا۔ آپ اگرچہ تارک الدنیا اور درویش صفت انسان تھے اور اپنے زمانے کے بہت بڑے شیخ طریقت تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذوق عرفان کے ساتھ ساتھ ذوق سخن سے بھی نوازا تھا آپ باب طریقت کی طرح باب شعروسخن

میں اپنے معاصر شعراء میں بھی بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے اگر یکطرف آپ کا شمار فارسی کے بلند پایہ شعراء میں ہوتا ہے تو دوسری جانب آپ اردو کے بھی قادر الکلام شاعر تھے بلکہ اردو زبان وادب کے بھی معماروں اور محسنوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور اردو زبان پر بھی آپ کا احسان عظیم ہے نمونہ کے طور پر اردو کے چند اشعار پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

چلی سب گل کے ہاتھوں سے لٹا کر کارواں اپنا   نہ چھوڑا ہائے بلبل نے چمن میں کچھ نشاں اپنا
یہ حسرت رہ گئی کس کس مزے سے زندگی کرتے   اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا   اس قدر جوروجفا کا بھی سزا وار نہ تھا
جب چلا توں نہ چلا ترے داماں پر روز   ہاتھ ناچار مکدر ہوکر گریباں کو چلا
گل کو جو گل کہوں تو تیرے رو کو کیا کہوں   دُر کو جو دُر کہوں تو اس آنسو کو کیا کہوں
مجھ پر ہوا ہے تنگ بجن عرصہ سخن   بولوں نگہ کو تیغ تو آبرو کو کیا کہوں

خدا کے واسطے اس کو نہ ٹوکو   یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

حضرت میرزا مظہر جان جاناں اگرچہ ایک گوشہ نشیں درویش تھے مگر دین حقہ کے لیے مرد مجاہد تھے اور ہمیشہ سربکف رہتے تھے۔ ایک ناعاقبت اندیش نے ۱۱۹۵ھ اسی جرم میں گولی مار کر شہید کردیا اور آپ نے زبان حال سے شعر پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

لوگ کہتے ہیں مرگیا مظہر
فی الحقیقت گھر گیا مظہر

مرزا محمد رفیع سودا نے آپ کی شہادت پر یہ قطعہ تاریخ موزوں فرمایا ہے۔

مرزا کا ہوا قاتل ایک مرتد شوم   اور ان کی ہوئی خیر شہادت کی عموم
تاریخ ازروئے درد یہ سن کے کہی   سودا نے کہ ہائے جان جاناں مظلوم
(۱۱۹۵ھ)

میرزا مظہر جان جاناں کی آخری آرام گاہ۔ درگاہ ابوالخیر چتلی قبر میں ہے۔

میرزا جان جاناں نے اپنے ایک الہامی شعر میں اپنی شہادت کی پیشن گوئی کی تھی جو

WWW.KITAABISTAN.COM

آپ کے مزار پر آویزاں ہے۔

لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ این مقتول را جزبے گناہی نیست تقصیرے

(مزار حضرت مرزا مظہر جانجاناں مظہر شہید قدس سرہ ۱۱۹۵ھ تاریخ دہم محرم)

* ...... ☆ ...... *

حضرت شاہ غلام علیؒ

شیخ المشائخ شاہ عبداللہ عرف غلام علی صوبہ پنجاب کے مشہور قصبہ پٹیالہ میں ۱۱۵۶ھ میں پیدا ہوئے' آپ کے والد شاہ عبداللطیف نے اپنے دور کے بلند پایہ زاہد عابد اور مرتاض تھے اور جنگلوں اور صحراؤں میں بیٹھ کر ذکر جہری کیا کرتے تھے اور جنگلی پھولوں اور پھلوں کو کھا کر زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت شاہ غلام علی سترہ برس کی عمر تک اپنے وطن میں رہے اس کے بعد ۱۱۷۴ھ میں آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو دارالسلطنت دہلی طلب کیا تا کہ اپنے پیرومرشد شاہ ناصر الدین قادری کے دست حق پرست پر بیعت کرادیں مگر اتفاق یہ کہ شاہ غلام علی ابھی راستے میں ہی تھے کہ شاہ ناصر الدین قادریؒ سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے تب آپ کے والد ماجد نے اجازت و اختیار دیا کہ جس سے چاہو مرید ہو جاؤ اور اپنی اصلاح کی فکر کرو چنانچہ ۱۱۷۸ھ میں بائیس برس کی عمر میں آپ نے شیخ طریقت حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے بیعت کی اور یہ شعر پڑھا۔

ماز برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سر زمینے بود منظور آسمانے یافتم

شاہ غلام علیؒ نے ۱۲ صفر المظفر ۱۲۴۰ھ میں بعہد اکبر شاہ ثانی انتقال فرمایا اور اپنے پیرومرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے پہلو میں دفن ہوئے لوح تربت پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

(مزار حضرت شاہ عبداللہ معروف شاہ غلام علی قدس سرہ ۱۲۴۰ تاریخ ۲۲ صفر)

حضرت شاہ ابوسعیدؒ

شاہ ابوسعید دہلویؒ شیخ المشائخ حضرت غلام علی کے اجل خلفاء اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں تھے بڑے پایہ کے بزرگ اور عالم دین تھے علم و فضل میں یگانہ اور زہد و ورع میں فخر زمانہ تھے۔

حضرت شاہ ابوسعید دہلویؒ اتباع سنت میں منقطع النظیر تھے کوئی کام خلاف سنت نہیں کرتے تھے اور ہر لحہ اتباع سنت نبوی ﷺ کا خیال رکھتے تھے آپ کو حضور ﷺ سے عشق تھا۔ چنانچہ شاہ ابوسعید دہلوی نے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ فرمایا اور عشق نبوی سے سرشار اور مست ہو کر مکہ مشرفہ اور مدینہ منور روانہ ہو گئے اور حج بیت اللہ اور زیادت روضۂ اقدس سے سرفراز ہوئے' حرمین شریفین سے واپسی کے دوران بہ مقام ریاست ٹونک ۱۲۵۰ھ میں انتقال فرمایا آپ کی نعش مبارک دہلی لائی گئی اور آپ اپنے پیرومرشد کے برابر میں دفن کیے گئے۔

آپ کے مرید خاص مولوی خلیل احمد نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

امام و مرشد ما شاہ ابو سعید سعید — بعید فطر چوں شد واصل جناب خدا
دل شکستہ و مغموم گفت تاریخش — ستون محکم دین نبی فتادہ زبا

آپ کی قبر پر یہ عبارت کندہ ہے (میزار حضرت شاہ ابوسعید احمدی قدس سرہ ۱۲۵۰ھ)

* ...... ☆ ...... *

حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ

حضرت شاہ ابوالخیر کی پیدائش ۱۲۷۲ھ۔ ۱۸۵۶ء میں دہلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام شاہ محمد عمر تھا جو اپنے دور کے مشہور صحافی اور شاعر تھے آپ کے والد شاہ محمد عمر نے آپ کی پیدائش پر قطعہ تاریخ کہا ہے۔

WWW.KITABISTAN.COM

خوب دی دنیا مبارکبادیاں　　جب جگر گوشۂ صاحب کا ہو
اور کوئی پوچھے سن ولادت تو　　''قرۃ العین'' عمر صاحب کہو

(۱۲۷۲ھ)

حضرت شاہ ابوالخیر مجددی فاروقی نے ۳ سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کیا اور حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ صاحب اظہار الحق، مولانا سید حبیب الرحمٰن صاحب مہاجر اور شاہ عبدالغنی جیسے علماء مشائخ سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں۔

شاہ ابوالخیر جہاں ایک دلی کامل تھے وہاں اردو و فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے خیر تخلص تھا نمونہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

زلف چہرے سے اٹھا رے مہ کامل قاتل　　مرے دم سے تو ہو نظارہ ترا حاصل قاتل
نہیں آتا کبھی بھولے سے الفت کا خیال　　سخت پتھر سے زیادہ ہے ترا دل قاتل
دم بہ دم جوش جنوں اور ترقی پر ہے　　رنگ لائی ہے عجیب قیدِ سلاسل قاتل
کیوں نہ ہو گور مری غیرت فردوس بریں
میرا اے خیر ہے اک جور شمائل قاتل

شاہ ابوالخیر مجددی ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ میں بعمر ۶۹ سال انتقال فرما گئے اور خانقاہ غلام علی میں دفن ہوئے اب یہ خانقاہ آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہو کر درگاہ شاہ ابوالخیر کہلاتی ہے۔

آپ کی قبر پر یہ عبارت درج ہے۔

(مزار حضرت شاہ محی الدین عبداللہ معروف شاہ ابوالخیر قدس سرہ ۱۳۴۱ھ تاریخ ۲۹ جمادی الاخریٰ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

محمد ابوالفضل فاروقی

ڈاکٹر محمد ابوالفضل فارقی کی ولادت ۱۳ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو خانقاہ شاہ ابوالخیر میں ہوئی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی اسلامی علوم وفنون کے ماہر اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت اور روحانی پیشوا بھی ہیں، آپ ہی کے

دم خم سے خانقاہ آباد ہے اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

ڈاکٹر محمد ابوالفضل ایک اچھے ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر تھے اور نستعلیق اور نفاست پسند انسان تھے ڈاکٹر صاحب ۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو اللہ کو پیارے ہوئے اور اپنے آباء و اجداد کے پہلو میں خانقاہ ابوالخیر میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر لوح لگی ہے یہ عبارت منقوش ہے۔

(لوح مزار صاحبزدہ ڈاکٹر ابوالفضل فاروقی سن وفات مقولہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حبیب غاب عن عینی و جسمی ۱۴۰۴ھ اور شنبہ ۷ شوال ۷ جولائی ۱۹۸۷ء داغ فرزند محبوب ۱۴۰۴ھ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ

ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہندوستان کے جان فروش مجاہد آزادی عظیم طبیب، بلند نظر قومی قائد اور مخلص و ہمدرد انسان تھے۔

ڈاکٹر انصاری ۲۵ دسمبر ۱۸۸۰ء میں یوسف پور ضلع غازی پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام عبدالرحمٰن انصاری تھا۔ ڈاکٹر انصاری ممتاز قومی لیڈروں میں تھے مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد اور شیخ الہند جیسے قائدین آپ کی عظیم کوٹھی میں ٹھہرا کرتے تھے اور کانگریس کی بہت ہی ہنگامہ خیز میٹنگیں اور فیصلہ کن نشستیں آپ ہی کی تاریخی کوٹھی دارالسلام دریا گنج میں ہوتی تھیں۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ آج یہ تاریخی کوٹھی آریہ سماجیوں کے قبضے میں ہے کاش! ہماری سرکار اس کوٹھی کو قومی یادگار کے طور پر محفوظ کر دیتی!

ڈاکٹر انصاری جامع ملیہ اسلامیہ کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے مرید خاص تھے۔ آپ کے دو بھائی اور تھے (حکیم عبدالوہاب صاحب عرف حکیم نابینا، دوسرے حکیم عبدالرزاق انصاری صاحب) یہ دونوں حضرات شیخ الہند کے مشن کے آدمی تھے۔

جب انگریزوں نے ہندوستان کے سربرآوردہ قومی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا تو ڈاکٹر انصاری نے شیخ الہند کو مطلع کیا کہ اب آپ کی گرفتاری بھی یقینی ہے چنانچہ شیخ الہند نے مکہ مکرمہ کا ارادہ فرمالیا لیکن مصارف سفر نہیں تھے تب ڈاکٹر انصاری نے غیر ملکی سفر کا بندوبست کیا اور شیخ

WWW.KITAABISTAN.COM

الہند حجاز روانہ ہو گئے۔

شیخ الہند کے حجاز جانے کے بعد تحریک شیخ الہند سے وابستہ لوگوں کی ہندوستان میں گرفتاری شروع ہوئی تو ڈاکٹر انصاری اور حکیم عبدالرزاق کو بھی بلایا گیا پولیس نے پوچھ تاچھ کی تو سوائے مالی امداد کے اور کوئی ثبوت حکومت کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ حکام نے کہا کہ شیخ الہند حکومت کے باغی ہیں اور آپ ان کی اعانت کرتے ہیں اور یہ جرم ہے! تو اس کا جواب ڈاکٹر انصاری نے دیا کہ میں نے ان کو ایک مذہبی پیشوا اور مرشد ہونے کی بنا پر مالی تعاون دیا ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا ہی سمجھتی ہے تو میں حاضر ہوں۔ جو چاہے سزا دے اس صاف گوئی اور بعض دوسری مصلحتوں کی وجہ سے ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

ڈاکٹر انصاری کا انتقال ۱۰ مئی ۱۹۳۹ء میں مسوری سے واپس آتے ہوئے ٹرین میں ہوا اور قبرستان جامعہ ملیہ اسلامیہ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

ڈاکٹر کا مقبرہ بڑا ہی حسین ہے اور مقبرے کی چاروں طرف مشاہیر دفن ہیں۔ لوح تربت پر یہ عبادت کندہ ہے۔

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٌ وَيَبْقٰى عَلَيْهَا رَبُّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴾

ڈاکٹر مختار احمد انصاری (ولادت ۱۲۹۴ھ ۱۸۸۰ء، وفات ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۹ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

ڈاکٹر ذاکر حسین خانؒ

ڈاکٹر ذاکر حسین آزادی وطن کے جانباز مجاہد، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے روح رواں صوبہ بہار کے گورنر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور جمہوریہ ہند کے صدر تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خان مرحوم کی ولادت ۱۸۹۷ء میں حیدر آباد میں کن میں ہوئی، جہاں ان کے والد فدا حسین خان مرحوم بہ سلسلۂ وکالت مقیم تھے لیکن وہ اصلاً قائم گنج فرخ آباد اتر پردیش کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خان ایک شریف الطبع اور کریم النفس انسان تھے۔ مذہب اور مذہبی علماء سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا وہ تبلیغی جماعت کی دعوتی سرگرمیوں میں بھی خاصی دلچسپی لیتے تھے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب اردو فارسی اور انگریزی کے بہترین ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو اپنے تعلیمی اور انتظامی ذمہ داریوں نے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی فرصت نہیں دی ورنہ آپ کا شمار عظیم مصنفین اور مترجمین میں ہوتا پھر بھی آپ متعدد کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ ان کی چند اہم تصنیفات یہ ہیں۔ (۱) مبادی معاشیات (ترجمہ) (۲) ریاست (ترجمہ) (۳) معاشیات قومی (ترجمہ) (۴) تعلیمی خطبات (طبع زاد) (۵) یافت (ڈرامہ) ابو خان کی بکری (بچوں کے لیے کہانیوں کا مجموعہ) اور (۷) خرگوش اور کچھوا وغیرہ۔

ذاکر صاحب کوئی شاعر نہیں تھے کبھی کبھی تفنناً شعر بھی کہہ لیتے تھے، ان کے دو شعر ملاحظہ فرمائیے۔

مانا ہجومِ درد بھی ہے جزِ زندگی — پر کیف زندگی نہ سہی، زندگی تو ہے
للہ اس کے ذکر سے نفرت نہ کیجئے — ذاکر شکستہ حال سہی، آدمی تو ہے

ڈاکٹر ذاکر حسین خان صدر جمہوریہ کا انتقال پُر ملال ۳ مئی ۱۹۶۹ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تاریخی قبرستان کے قریب ہی ایک خاص احاطے میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ کا مقبرہ بڑا خوبصورت سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ آپ کی قبر سے متصل ابھی حال ہی میں آپ کی اہلیہ محترمہ بیگم شاہجہاں صاحبہ کو دفن کیا گیا ہے جن کی قبر ابھی کچی ہے بیگم صاحبہ کا انتقال اکتوبر ۱۹۹۰ء میں ہوا بیگم شاہجہاں صاحبہ ایک نیک سیرت، پابند صوم وصلوٰۃ خاتون تھیں۔ شرعی پردے کی بے حد پابند تھیں زندگی میں شاید ہی کسی نے ان کا چہرہ دیکھا ہو ڈاکٹر ذاکر حسین کی لوح تربت پر یہ کندہ ہے۔ (ذاکر حسین خان پیدائش ۸ فروری ۱۸۹۷ء وفات ۳ مئی ۱۹۶۹ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

ڈاکٹر عابد حسین

ڈاکٹر عابد حسین اردو اور انگریزی کے بلند پایہ ادیب، محقق، ڈرامہ نگار اور کامیاب مترجم تھے۔ آپ ۲۵ جولائی ۱۸۹۲ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد سید حامد

WWW.KITABISTAN.COM

حسین ریاست بھوپال میں ملازم تھے۔

ڈاکٹر عابد حسین ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اور خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے موصوف نے آکسفورڈ اور برلن سے ۱۹۲۵ء میں ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی اور یورپ سے واپسی کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں فلسفہ اور اردو ادب کے پروفیسر کی حیثیت سے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے اور طلبہ جامعہ میں علمی و فکری لیاقت پیدا کرنے کی مخلصانہ جدو جہد کی اور بڑی حد تک اپنی مہم میں کامیاب بھی رہے آپ کے مخلص رفقاء میں پروفیسر محمد مجیب اور ڈاکٹر اعجاز الدین خان سرفہرست تھے۔ ڈاکٹر عابد حسین مرحوم کو زمانہ طالب علمی ہی سے مضمون نگاری اور انشا پردازی کا شوق تھا۔ چنانچہ بالکل آغاز شباب ہی سے ادبی مضامین لکھنے اور ترجمے کرنے لگے تھے۔ موصوف نے جرمن ہی میں ایک ڈرامہ پردۂ غفلت لکھا جو بڑا ہی مقبول ہوا حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا شمار اردو کے چند اچھے ڈراموں میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین عقلیت پسند تھے' چنانچہ ان کی تحریروں میں فلسفیانہ گہرائی اور گیرائی ہوتی ہے ڈاکٹر عابد حسین کا انتقال ۱۳ دسمبر ۱۹۷۸ میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی دفن ہوئے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا اسلم جیراجپوری

مولانا اسلم جیراجپوری اردو' فارسی اور عربی کے بلند پایہ ادیب اور علوم قرآن و حدیث کے ماہر تھے۔ مولانا اسلم جیراجپوری کی ولادت ۷ ربیع الاول 1299ھ میں جیراجپور کے ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی آپ کے والد مولوی سلامت اللہ ریاست بھوپال کے صیغہ تعلیمات کے ذمہ دار اور مہتمم تھے۔

مولانا اسلم جیراجپوری پہلے علی گڑھ کالج میں اسلامیات کے استاد تھے۔ مگر ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مسلم نیشنل یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی جسے بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے شہرت ہوئی تو مولانا محمد علی جوہر نے مولانا اسلم جیراجپوری کو جامعہ اسلامیہ کی تدریسی خدمت

کی طرف متوجہ کیا چنانچہ مولانا اسلم صاحب مسلم کالج علی گڑھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تدریسی خدمت قبول کر لی جامعہ ملیہ اسلامیہ پر بڑے بڑے نازک وقت آئے لیکن آپ انتہائی پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیشہ جامعہ کی خدمت کرتے رہے اور اس میں کبھی تزلزل نہیں آنے دیا۔

اسلم جیراجپوری ایک عرصہ تک جامعہ ملیہ کے جریدہ ''ماہنامہ'' ''جامعہ'' کے مدیر بھی رہے۔ موصوف ایک بالغ نظر صحافی اور بلند پایہ مصنف تھے۔ آپ کی اہم ترین تصنیفات میں ''تاریخ القرآن''، ''حیات حافظ''، ''حیات جامی''، فرائض حنفی اور'' تاریخی امت'' شامل ہیں۔ حضرت مولانا اسلم جیراجپوری مسلکا اہل قرآن یعنی احادیث کے منکر تھے۔ ان کے نظریات سے اتفاق مشکل ہے لیکن ان کی طبعی شرافت اور بلندی اخلاق کے اعتراف پر دنیا مجبور ہے۔

مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا مدفن جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

پروفیسر ہمایوں کبیرؒ

پروفیسر محمد ہمایوں کبیر انگریزی کے اچھے ادیب' تحریک آزادی کے جانباز مجاہد اور مولانا آزاد کے رفیق خاص تھے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر صوبہ بنگال کے رہنے والے تھے اور بنگال ہی کے کسی کالج میں پروفیسر تھے لیکن ایک وقت آیا کہ پروفیسر ہمایوں کبیر مولانا آزاد کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور تدریسی مشغلہ ترک کر کے میدان سیاست میں کود پڑے اور پھر آخیر وقت تک مولانا آزاد جیسی قد آور شخصیت سے وابستہ رہے اور ایک وقت آیا کہ آپ وزارت تعلیم و ثقافت کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر کی شخصیت نے مولانا آزاد کی ہنگامہ خیز تصنیف ''انڈیا ونس فریڈم'' کے تعلق سے اور بھی زیادہ شہرت حاصل کی اور خواص کی حد سے نکل کر عوام میں بھی شہرت پائی اور آپ نے ۱۸ اگست ۱۹۶۹ء میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی جانب

کوچ فرمایا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں آرام فرما ہوئے غالباً آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے راقم الحروف کو تلاش بسیار کے باوجود قبر نہیں مل سکی جناب عبد اللطیف اعظمی صاحب نے نشاندہی فرمائی ہے کہ پروفیسر محمد ہمایوں کبیر صاحب کی قبر احاطہ جامعہ میں ہی ہے اور ڈاکٹر انصاری کے جوار میں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

خواجہ غلام السیدین

خواجہ غلام السیدین پانی پت کے ایک علمی وادبی گھرانے کے چشم و چراغ تھے وہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۴ء تاریخی و مردم خیز قصبہ پانی پت میں پیدا ہوئے ان کے والد غلام الثقلین اپنے عہد کے مشہور ادیب اور محقق تھے۔

غلام السیدین پنجاب یونیورسٹی' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے تعلیم یافتہ تھے موصوف ولایت سے واپسی کے بعد بڑے بڑے سرکاری عہدوں اور منصوبوں پر فائز رہے اور وہ ہندوستان اور بیرونی ممالک کی بے شمار یونیورسٹیوں اور دانش گاہوں کی منتظمہ اور عاملہ کے رکن رکین تھے اور اعزازی پروفیسر اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے برابر بیرونی ممالک کے اسفار کرتے رہتے تھے۔

غلام السیدین اردو فارسی اور انگریزی کے ادیب اور انشاء پرداز تھے اور وہ ان تین زبانوں کے علاوہ فرانسیسی بھی جانتے تھے۔ موصوف نے اردو نثر میں بہت ہی جاندار اور شگفتہ انداز میں بڑی اہم اور بنیادی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں ''اقبال کا تعلیمی فلسفہ''، ''ذہن انسانی کا ارتقاء'' اور ''زبان' زندگی اور تعلیم'' وغیرہ غلام السیدین کا انتقال ۱۹ دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں دفن ہوئے آپ کی قبر ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم کی قبر سے قریب ہی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

پروفیسر محمد مجیب

پروفیسر محمد مجیب اردو وانگریزی کے مایہ ناز ادیب' بلند پایہ ڈرامہ نگار' وسیع النظر مورخ اور محقق تھے پروفیسر محمد مجیب ۱۹۰۲ میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد نسیم تھا جو لکھنؤ کے مشہور و معروف وکیل اور قانون دان تھے۔

پروفیسر محمد مجیب لندن اور برلن کی یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ تھے بڑے ذی علم دانشور تھے اسلامیات پر بھی گہری نظر تھی تصوف کے موضوع پر بڑے پرمغز مقالے تحریر فرمائے ہیں جن کو دیکھ کر شبہ ہونے لگتا ہے کہ آپ بڑے پائے کے صوفی ہیں۔

پروفیسر محمد مجیب ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے دست راست اور شیخ الجامعہ تھے انہوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لیے بڑی بھاری قربانی دی تھی۔ یوروپ سے واپسی کے بعد بڑے بڑے منصب پر فائز ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے جامعہ کی خاطر بڑے سے بڑے منصب اور مشاہرہ کو ٹھکرا دیا اور معمولی مشاہرہ پر تا زندگی جامعہ کی خدمت کرتے رہے۔

پروفیسر محمد مجیب سیاسی اعتبار سے ایک نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان تھے اور میدان سیاست میں گاندھی جی سے متاثر تھے پروفیسر محمد مجیب' صاحب قلم اور صاحب طرز مصنف بھی تھے آپ کے قلم فیض سے بہت سے مفید کتابیں منصہ شہود پر آئیں۔

آخر کار پروفیسر محمد مجیب بھی دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور جامعہ کے مخصوص قبرستان میں مدفون ہوئے اور آپ کے پہلو میں آپ کی رفیقہ حیات آصفہ مجیب صاحبہ بھی آرام فرما ہیں۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب کی اہلیہ بہت ہی زیادہ پابند صوم وصلوۃ اور نیک سیرت خاتون تھیں پروفیسر محمد مجیب کی قبر پر کوئی کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

شفیق الرحمٰن قدوائیؒ

شفیق الرحمٰن قدوائی اتر پردیش کے ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے وہ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۰۱ء کو مشہور مردم خیز ضلع بارہ بنکی میں بڑا گاؤں میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولانا حسن الرحمٰن قدوائی تھا مولانا حسن الرحمٰن قدوائی صاحب کا شمار مشاہیر علمائے دار العلوم دیوبند میں ہوتا ہے۔

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب ایک ماہر تعلیم، تجربہ کار منتظم اور سماجی آدمی تھے۔

آپ کے صاحبزادے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''آزادی کے چند سال بعد یونیسکو کے تعلیمی مشن کے نگراں کی حیثیت سے انڈونیشیا بھیجا گیا''

''خواجہ غلام السیدین کا کہنا ہے کہ اپنے تجربے اور انہماک کی بناء پر پیرس میں یونیسکو کے ہیڈ کوارٹرز میں ان کی بڑی شہرت اور مقبولیت تھی کیونکہ تعلیم بالغاں اور سماجی تعلیم کے میدان میں اتنا کام اس وقت تک کسی نے نہیں کیا تھا'' (دلی والے ص ۲۴۰)

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب آزادی وطن کے جلیل القدر مجاہد تھے آپ نے استخلاص وطن کی خاطر بڑی جدوجہد کی تھی کئی بار جیل بھی گئے تھے آپ زمانہ طالب علمی ہی سے سامراجی قوتوں کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ انگریز دشمنی کے جرم میں ۱۹۲۰ء میں ایم۔ اے او کالج علی گڑھ سے آپ کا اخراج بھی ہوا لیکن آپ اپنے عزم و ارادہ پر قائم رہے اور تحریک آزادی میں برابر حصہ لیتے رہے۔

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ کے معماروں اور فدائیوں میں سے تھے آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تعمیر و ترقی میں پرجوش حصہ لیا ہے اور بڑی بھاری قربانی پیش کی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسے مخلصین ہی کی جدوجہد کی وجہ سے آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شمار ایک ملک کی عظیم یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے۔

شفیق الرحمٰن قدوائی صاحب نیشنلسٹ مسلمان تھے آپ وزیر تعلیم بھی رہے ہیں آپ مسند وزارت پر متمکن ہونے کے باوجود آپ کی شرافت، مروت اور وضعداری میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ آپ بڑے مقبول اور ہر دلعزیز لیڈر تھے آپ کی وفات ۲ اپریل ۱۹۵۳ء کو بعمر ۵۱ سال ہوئی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر پر کتبہ نہیں لگا ہوا ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کے صاحبزادے پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی صاحب کتبہ نصب کراتے!

❋ ...... ☆ ...... ❋

صالحہ عابد حسین

صالحہ عابد حسین صاحبہ پانی پت کے ایک علمی و ادبی گھرانے کی چشم و چراغ تھیں صالحہ عابد حسین ۱۸ اگست ۱۹۱۳ء میں پانی پت میں پیدا ہوئیں ان کے والد خواجہ غلام الثقلین اردو فارسی کے صاحب طرز ادیب و محقق تھے۔

اگرچہ صالحہ صاحبہ کا شمار اس صدی کی عظیم ناول نگار اور افسانہ نگار خاتون میں ہوتا ہے مگر آپ نے تحقیقی اور تنقیدی میدان میں بھی ناقابل فراموش کارنامے انجام دیئے ہیں جنکی بناپر وہ تاریخ کے صفحات میں ایک محقق اور نقاد کی حیثیت سے بہت دیر تک زندہ رہیں گی۔ ان کی بعض کتابیں خالص تحقیقی اور تنقیدی ہیں، مثلاً خواتین کربلا انیس کے آئینے میں یادگار حالی اور جانے والوں کی یاد آتی ہے۔

صالحہ عابد حسین کے تمام ناول اور افسانے ہندو پاک میں کافی مقبول ہوئے ہیں جن میں ''حسن اتفاق''، ''عذراء''، ''آتش خاموش'' قطرے سے گہر ہونے تک''، ''راہ عمل''، ''یادوں کے چراغ''، ''اپنی اپنی صلیب''، ''الجھی ڈور'' اور ''گوری سوئے سیج پر'' قابل ذکر ہیں۔

آپ نے ۸ جنوری ۱۹۸۸ء میں اس عالم رنگ و بو کی افسانوی زندگی سے عالم حقیقی کی جانب رحلت کیں اور جامعہ کے قبرستان میں اپنے شوہر ڈاکٹر عابد حسین مرحوم کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

WWW.KITAABISTAN.COM

پروفیسر سجاد ظہیر

سجاد ظہیر کا شمار اردو کے ترقی پسند مصنفین میں ہوتا ہے سجاد ظہیر مشہور یہ بنے بھائی کی پیدائش ۵ نومبر ۱۹۰۵ء کو گولہ گنج لکھنو میں ہوئی' ان کے والد کا نام سر سید وزیر حسن تھا' جو اودھ کورٹ کے چیف جج تھے۔

سجاد ظہیر بیرسٹری کی تعلیم لندن میں حاصل کر کے اعلیٰ درجہ کے بیرسٹر بنے اور لندن کے دوران قیام ہی ۱۹۳۵ء میں ہندوستان ترقی پسند مصنفین کی ایک انجمن ''ترقی پسند تحریک'' کے نام سے قائم کی اور انجمن کے بانیوں اور موسسوں میں سجاد ظہیر کے ساتھ ڈاکٹر جیوتی گھوش' ڈاکٹر ملک راج آنند' پربودھ سین گپتا اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر جیسے ماہرین علم و فن شریک تھے۔ انجمن ترقی پسند کے ہمیشہ ہندو پاک کے بڑے بڑے شعراء اور ادیب وابستہ رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔

سجاد ظہیر بڑے اچھے افسانہ نگار تھے ۱۹۳۱ء میں سجاد ظہیر اور ان کے مسلک و مشرب کے فنکاروں اور ادیبوں کے افسانوں کا مجموعہ ''انگارے'' کے نام سے شائع ہوا' جو درحقیقت چند ایسے واقعات و احساسات کا مجموعہ تھا' جو انتہائی دھماکہ خیز تھے لہٰذا جب اس نے ذہنوں کو جھنجھوڑنا شروع کیا تو حکومت پریشان ہوئی چنانچہ ''انگارے'' کو یوپی کی حکومت نے ضبط کر لیا۔

''انگارے'' کے علاوہ سجاد ظہیر کی تخلیقات میں ''بیمار'' (ڈرامہ) ''لندن کی ایک رات'' (ناول) ''ذکر حافظ'' (حافظ کی شاعری پر تحقیقی مقالہ) اور ''نقوش زنداں'' (پاکستان جیل سے اپنی بیوی رضیہ سجاد ظہیر کے نام لکھے ہوئے خطوط کا مجموعہ) وغیرہ شامل ہیں۔

۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء کو الما آتا' روس میں سجاد ظہیر کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوا' جہاں وہ ایک عالمی ادبی کانفرنس میں شرکت کے لئے گئے تھے تدفین جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مخصوص قبرستان میں ڈاکٹر انصاری کے قریب ہی ہوئی۔

لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔ (سجاد ظہیر ولادت ۵ نومبر ۱۹۰۵ء وفات ۱۳ ستمبر ۱۹۷۳ء)

رضیہ سجاد ظہیر

رضیہ سجاد ظہیر اردو کی عظیم افسانہ نگار اور سجاد ظہیر کی رفیقہ حیات تھیں رضیہ سجاد ظہیر برصغیر ہندو پاک کی خواتین افسانہ نگاروں میں ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتی تھیں انہوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں افسانوی دنیا میں ایک خاص جگہ پیدا کر لی تھیں۔

رضیہ سجاد ظہیر کی ادبی تخلیقات میں ''سر شام''، ''کانٹے''، ''سمن'' اور ''دوانہ مرگیا'' (مشہور شاعر مجاز کی زندگی پر ایک ناول) شامل ہیں۔

رضیہ سجاد ظہیر کا انتقال ۱۹۷۹ء میں دہلی میں ہوا اور سجاد ظہیر مرحوم کے بغل میں مدفون ہوئیں ہیں لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔ (۷۸۶ مرقد رضیہ ظہیر ولادت ۱۵ فروری ۱۹۱۷ء وفات ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء)

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شاہ سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے' اس جان کی تو کوئی بات نہیں

❋ .... ☆ .... ❋

پروفیسر مشیر الحق

پروفیسر مشیر الحق کی ولادت ۱۹۳۳ء میں غازی پور صوبہ اتر پردیش میں ہوئی مشیر الحق صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر ندوۃ العلماء لکھنو میں داخل ہو کر عالمیت کی سند حاصل کی آپ نے مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں داخلہ لیا اور جامعہ سے بی۔ اے کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے کناڈا اور میکگل یونیورسٹی کناڈا سے ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی کر کے ہندوستان آ گئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ریڈر ہو گئے۔ پھر ۱۹۷۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اسلامک و عرب ایرانین اسٹڈیز کے پروفیسر ہو گئے۔

پروفیسر مشیر الحق صاحب اردو' عربی اور انگریزی کے ادیب اور اسکالر تھے تصنیف و تالیف کا صاف ستھرا ذوق تھا بڑی محنت و لگن کے ساتھ لکھتے تھے اور مستشرقین کی تحریروں سے

WWW.KITAABISTAN.COM

متاثر تھے۔

آپ کی چند اہم تصانیف یہ ہیں۔

''ہندوستانی مسلم سیاست ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک''، ''مذہب اور جدید ذہن''، ''امریکہ کے کالے مسلمان''، ''اسلامی سماج''، ''رسول اکرم اور یہود حجاز اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید''

پروفیسر مشیر الحق صاحب یکم مئی 1987ء میں کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہو کر کشمیر چلے گئے تھے اور 6 مارچ 1990ء میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہوئے ان کا اغوا کیا گیا اور ۱۰ اپریل ۱۹۹۰ء کی رات میں یہ دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید کئے گئے اور ۱۱ اپریل ۱۹۹۰ء کو مقتول ومظلوم پروفیسر مشیر الحق کے جسد خاکی کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا اور آپ اپنے مشفق استاد پروفیسر محمد مجیب کے ہی قریب دفن ہوئے آپ کی قبر پر ابھی کوئی کتبہ نہیں لگا ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

ڈاکٹر یوسف خان

ڈاکٹر یوسف حسین ڈاکٹر ذاکر حسین خان کے چھوٹے بھائی اور مسلم یونیورسٹی کے پرووائس چانسلر تھے۔ اور بڑے اچھے ادیب وانشا پرداز تھے آپ کی تصنیفات میں فرانسیسی ادب بہت مشہور ہے آپ کی قبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے خصوصی قبرستان میں ہے لوح مزار پر یہ کندہ ہے۔ (ڈاکٹر یوسف حسین خان پیدائش ۱۲ جنوری ۱۹۰۲ء وفات ۲۱ فروری ۱۹۷۹ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

خان عبدالغفار خان انبالویؒ

خان عبدالغفار خان انبالویؒ تحریک آزادی وطن کے پر جوش مجاہد، شعلہ بیان خطیب اور صوبہ پنجاب کے ہردلعزیز لیڈر تھے۔ اسمبلی الیکشن میں حلقہ انبالہ سے ٹکٹ دینے کے

متعلق کانگریس کمیٹی میں بحث ہوئی کہ حلقہ انبالہ سے کس کو ٹکٹ دیا جائے تو بعض کانگریسی رہنماؤں نے کہا کہ اکثریتی فرقہ کے کسی آدمی یا کسی سکھ کو ٹکٹ دیا جائے لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے خان عبدالغفار خان انبالوی کا نام پیش فرمایا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ وہاں تو صرف خان عبدالغفار خان انبالوی ہی مسلم لیڈر اور مسلم ووٹر ہیں، وہ کیونکر کامیاب ہو سکتے ہیں؟ مولانا آزاد مرحوم نے فرمایا پھر بھی خان عبدالغفار خان کو ہی ٹکٹ دیا جائے چنانچہ خان صاحب کو ٹکٹ دیا گیا اور خان عبدالغفار خان انبالوی ہی حلقہ انبالہ سے کامیاب ہوئے دراصل اس میں خان عبدالغفار خان کی ہردلعزیزی اور مقبولیت کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی سیاسی بصیرت اور مردم شناسی کی واضح دلیل ہے۔

آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں ہے آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے آپ کی لوح پر آپ کے مختصر حالات درج ہیں۔

اللّٰہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مُحَمَّدٌ

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

(مزار اقدس خان عبدالغفار خان انبالوی سابق وزیر ہریانہ ونائب صدر صوبہ پنجاب پردیش کانگریس کمیٹی)

موصوف

مجاہد تحریک خلافت، مجاہد تحریک آزادی اور مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو کے پرانے ساتھیوں میں تھے۔ خدا غریق رحمت کرے ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ

ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ آزادی وطن کے سرفروش مجاہد تھے جنہیں جلیانوالہ باغ امرتسر کا ہیرو کہا جاتا ہے وہ جلیانوالہ باغ جہاں سینکڑوں ہندوستانیوں نے اپنے سینے پر گولیاں کھائیں تھیں۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اپنی آتش بیانی اور شعلہ نوائی سے ہندوستانیوں خصوصاً پنجابیوں کے خون کو گرمایا اور انگریزوں کے خرمن امن وسکون کو بھسم کر ڈالا انہوں نے آزادی کی وہ شمع جلائی جس کی روشنی میں جہاد حریت کا کارواں آزادی کی منزل تک پہنچ سکا لیکن آزادی ملی تو اس میں ڈاکٹر کچلو کو کچھ نہ ملا کوئی جاہ نہ منصب' نہ کوئی عہدہ نہ عزت' کوئی سفارت یا وزارت تو کیا ملتی کسی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت بھی حصے میں نہ آئی۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو پنجاب کانگریس کے صدر رہے اور انتہائی نازک دور میں اپنی جگہ چٹان کی طرح قائم رہے اور پارٹی کو مضبوط سے مضبوط کرتے رہے۔

ڈاکٹر سیف الدین کچلو کا نتقال ۱۱۹ کتوبر ۱۹۲۳ء میں دہلی میں ہوا اور آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں مرزا محمود بیگؒ اور خان عبدالغفار خان انبالویؒ کے احاطہ میں دفن ہوئے اور آپ کی قبر کے کچھ فاصلے پر آپ کی اہلیہ محترمہ کی قبر ہے لوح تربت پر یہ عبارت کندہ ہے۔ (ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ وفات ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۳)

※ …… ☆ …… ※

سید انیس الرحمٰن ایڈیٹر ''نئی زندگی'' الہٰ آباد

بہار کی سرزمین ہر دور میں مردم خیز رہی ہے اور یہاں ہر عہد میں علماء و مشائخ شعراء وادباء اور اہل صحافت بڑی تعداد میں پیدا ہوئے جن کی ذات سے بلا امتیاز مذہب و ملت تمام باشندگانِ ملک مستفیض ہوئے اور ان کی ذات بیش بہا علمی' دینی اور سماجی جذبات کا ذریعہ بنی'

ان ہی عظیم المرتبت و جلیل القدر ادیبوں اور صحافیوں میں سید انیس الرحمٰن مرحوم بھی تھے جو اپنی گرانقدر علمی و صحافتی خدمات کی وجہ سے ہندوستان کے معروف و مشہور صحافیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔

سید انیس الرحمٰن ۱۹۰۸ء میں دانا پور پٹنہ میں پیدا ہوئے' آپ کے والد کا نام سید علیم الدین تھا۔ آپ کم و بیش چالیس برس تک اردو صحافت سے وابستہ رہے آپ کی صحافتی زندگی کی ابتداء ماہنامہ ''نئی زندگی'' سے ہوئی تھی' جو انہوں نے حصولِ آزادی سے قبل الہٰ آباد سے جاری کیا تھا یہ رسالہ نظریاتی حیثیت سے کانگریس کی پالیسیوں سے وابستہ تھا اور ملک کی تقسیم کی تحریک کے خلاف ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا تھا۔

سید انیس الرحمٰن کے اداریے اور ان کی تحریر کی خوبی یہ تھی کہ وہ آسان اور عام فہم زبان میں مدلل انداز میں اپنی بات کہتے تھے' اس لیے ملک کے موقر اخبارات میں ان کی تحریریں نقل ہوئی تھیں۔ نئی زندگی کم و بیش ۱۹۵۳ء تک جاری رہا ان سے وابستہ دو اور مجلّے قابل ذکر ہیں۔'' جہاں نما'' اردو میں بین الاقوامی سیاسی امور کا معلوماتی ماہنامہ تھا'' اتحاد'' ہفتہ وار اخبار تھا۔

سقوطِ حیدر آباد کے نتیجہ میں مسلمانوں کی زبردست تباہی ہوئی مسلمانوں سے محرومی اور مایوسی کا احساس دور کرنے کے لیے وہاں کا ذمہ دار طبقہ آگے بڑھا اس نے ایک طرف مرکزی حکومت سے رشتہ مستحکم کیا اور دُوسری طرف ایک اردو روزنامہ جاری کرنے کا پروگرام بنایا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے درخواست کی کہ کوئی اچھا بالغ نظر صحافی منتخب کریں' جو اخبار کی ذمہ داری سنبھالے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا سید انیس الرحمٰن صاحب کو اس کام کے لیے حیدر آباد بھیجا انہوں نے حیدر آباد جا کر روزنامہ ''شعیب'' کی ایڈیٹری سنبھالی اور ڈیڑھ سال تک نہایت کامیابی سے اس کو چلایا۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے آخری برسوں میں مسلمانوں میں محرومی کا احساس بڑھنے لگا تھا' تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ہندوستان کی راجدھانی دہلی سے ہفتہ وار'' پرچم ہند'' اور ۱۹۶۵ء میں روزنامہ ''ملک و ملت'' نکالا جن سے وہ اپنی آخر عمر تک وابستہ رہے۔

حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی بیان فرماتے ہیں کہ:

''سید انیس الرحمٰن مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے شدید مخالف تھے وہ کہا کرتے تھے کہ

WWW.KITABISTAN.COM

مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کی وجہ سے اکثریتی فرقہ کے اندر فرقہ پرستی کے رجحان کو تقویت پہنچے گی اور نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو ہی نقصان پہنچے گا"

صحافت کے فکری اور تکنیکی دونوں پہلوؤں پر وہ گہری اور وسیع نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی سستی شہرت کے لیے اپنا قلم استعمال نہیں کیا اپنی بات بے لاگ انداز سے کہتے تھے ان کے مخالفت بھی ان کے زور قلم کے معترف تھے وہ لکیر کے فقیر نہیں تھے۔انہوں نے اردو صحافت کے نئے امکانات تلاش کئے اور نئی روشنی کی بنیاد ڈالنے کی کوشش کی اس اجتہاد کی بنا پر اردو صحافت کی تاریخ میں سید انیس الرحمٰن بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

سید انیس الرحمٰن نیشنلسٹ مسلمان اور کانگریس کے پُر جوش حامی تھے۔آپ عرصہ دراز تک الہ آباد میں مقیم رہے یہیں آپ کی ملاقات پنڈت جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری سے ہوئی اور ان عظیم سیاسی رہنماؤں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا پنڈت جواہر لال نہرو اور لال بہادر شاستری سید انیس الرحمٰن مرحوم کی بڑی قدر کرتے تھے اور آپ کی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کے بڑے معترف تھے۔آپ کثیر التعلقات بزرگ تھے۔سید انیس الرحمٰن صاحب کے تعلقات و روابط مولانا ابوالکلام آزاد، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، پروفیسر محمد اجمل خان، مولانا عثمان فارقلیط، مولانا عبدالباقی ایم۔اے، مولانا سید محمد میاں مرحوم، سید محمد جعفری، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا فقیہہ الدین صاحب سے بڑے گہرے اور مخلصانہ تھے۔

سید انیس الرحمٰن صرف ایک عظیم صحافی ہی نہیں تھے بلکہ مخلص قومی رہنما بھی تھے۔وہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک بہار لیجلیٹو کونسل کے رکن یعنی ایم ایل سی بھی رہے اور قومی و ملی مسائل پر بڑی جرأت کے ساتھ بولتے رہے۔سید انیس الرحمٰن ۱۲ جنوری ۱۹۷۴ء میں چھیاسٹھ سال کی عمر میں اپنی رہائش گاہ (گلی قاسم جان دہلی) میں انتقال فرمایا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔لیکن آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔راقم الحروف نے آپ کے صاحبزادے عابد انیس الرحمٰن صاحب ایڈیٹر "اخبار نوجوان" سے درخواست کی تھی کہ وہ مرحوم کی قبر پر کتبہ لگوادیں۔انہوں نے یقین دلایا تھا کہ جلد ہی لگ جائے گا۔عابد صاحب ایک نوجوان باصلاحیت صحافی ہیں آپ کا مجلّہ اخبار نوجوان بڑا ہی معیاری اور معلوماتی ہے۔ملک کا

نوجوان طبقہ بڑے ہی ذوق وشوق کے ساتھ پڑھتا ہے اور اخبار نوجواں کا شمار ہندوستان کے کثیر الاشاعت جریدوں اور مجلوں میں ہوتا ہے۔

✵ ...... ✩ ...... ✵

مرزا محمود بیگ

مرزا محمود بیگ ایک ماہر تعلیم، بلند نگاہ فلسفی اور صاحب طرز ادیب تھے مرزا محمود بیگ کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں دلی کے ایک معزز علمی گھرانے میں ہوئی آپ کے والد مرزا شہباز بیگ ایک سرکاری ملازم اور بڑے وضعدار انسان تھے۔اپنے آباد اجداد کی طرح مرزا محمود بیگ کی ذات میں بھی شرافت، وضعداری رواداری اور غمگساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب جو بیگ صاحب کے دیرینہ رفیق ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

"مرزا محمود بیگ مغل تھے، وہی پاسِ وضع، نگاہِ شرم، وہی صبر و تحمل، وہی انسان دوستی، وہی غمخواری، وہی فراخ دلی، وہی شگفتہ متانت، وہی بے نیازانہ خوش طبعی جو مغلیہ تہذیب کی خصوصیت ہے۔بیگ صاحب میں بھی تھی" (یادنامہ ص ۵۵)

مرزا محمود بیگ دلی کالج (ذاکر حسین کالج) کے پرنسپل تھے، دلی کالج سے تو آپ کو والہانہ عشق و تعلق تھا اور اس کی محبت و عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ اپنے سارے خاندان سے کٹ کر دلی میں تن تنہا رہنا گوارا کیا، مگر دلی کالج کو چھوڑ کر اپنے خاندان کے ہمراہ پاکستان جانا گوارا نہیں کیا۔لہٰذا انہوں نے دن رات ایک کر کے اس کالج کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا اور اس معمولی ادارہ کو دہلی کے اہم کالجوں کی صف میں شامل کر دیا چنانچہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اہرام مصر پر ایک فرعون نے لکھا ہے کہ ہم نے اس عمارت کو برسہا برس میں تیار کرایا ہے تم چاہو تو اسے ایک دن میں ڈھا دو۔

تعمیر کا کام بڑا مشکل ہے بیگ صاحب نے نئے کالج کی تعمیر میں اپنا سارا خون جگر صرف کر دیا تھا نہ لڑکے تھے نہ استاد نہ وسائل، انہوں نے دن رات کی محنت سے اسے دہلی کے

WWW.KITAABISTAN.COM

اہم کالجوں میں تبدیل کر دی اور یہ معمولی کارنامہ نہیں ہے اس تعمیر کے درد سے کچھ وہی آشنا ہو سکتے ہیں جن کو قومی کاموں سے واسطہ کر رہا ہے۔ (یادنامہ ص)

مرزا محمود بیگ کا انتقال ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء میں ہوا دلی کالج کے صحن میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامعہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں اپنے والد مرزا شہباز بیگ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبدالباقیؒ

مولانا عبدالباقی کی ولادت ۶ نومبر ۱۹۰۲ء میں کواتھ ضلع شاہ آباد بہار میں ہوئی آپ کے والد مشہور و معروف آدمی تھے' جو شیر شاہ سوری کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا عبدالباقی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن بہار میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان گئے اور وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ہندوستان واپس آ کر تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ مولانا عبدالباقی اپنے عہد کے فقید النظیر اور عدیم المثال صحافی اور صف اوّل کے مجاہدِ آزادی اور تجربہ کار انسان تھے۔

مولانا عبدالباقی صاحب کی یہ امتیازی خصوصیت تھی' کہ وہ بیک وقت کئی کئی اخباروں کے اداریے لکھتے تھے' حالانکہ ان اخبارات کی پالیسیاں بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہوتی تھیں۔ مولانا مرحوم ان اخبارات کی پالیسیوں کے مطابق ایسے مدلل اداریے تحریر فرمایا کرتے تھے کہ قارئین عش عش کر کے رہ جاتے تھے۔

مولانا عبدالباقی مرحوم روزنامہ ''آزاد''، ''روزنامہ''، ''استقلال''، ''پیام وطن'' ''ہفت روزہ''، ''کاروان ہند''، ''نئی دنیا'' اور ''آستانہ'' جیسے موقر اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے ہیں۔

مولانا عبدالباقی مرحوم اپنی تمام تر صحافتی صلاحیتوں اور قابلیت کے باوجود اپنی تلون مزاجی کی وجہ سے کہیں جم نہ سکے چنانچہ ان کا اکثر بیشتر زمانہ افلاس و غربت میں گزرا'

بڑھاپے میں ان کے دوست واحباب نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا وہ بالکل یوسف بے کارواں ہو کر رہ گئے تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ اب نئی نسل مولانا عبدالباقی مرحوم کو یاد کر رہی ہے اور ان کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے گو کچھ دیر سے سہی!

حال ہی میں مولانا عبدالباقی میموریل سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری اسرار قریشی نے مولانا عبدالباقی میموریل سوسائٹی کے زیر اہتمام مولانا عبدالباقی کی حیات اور کارنامے پر ایک شاندار سمینار کا انعقاد کیا' جس میں ملک کے مایہ ناز دانشوروں' صحافیوں اور ادیبوں کے علاوہ گیانی ذیل سنگھ سابق صدر جمہوریہ ہند' ڈاکٹر سید ظہور قاسم وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ اور شمس الرب صدیقی جنرل منیجر ہمدرد وقف لیبارٹریز شریک ہوئے راقم الحروف بھی اس سمینار میں شریک تھا۔

مولانا عبدالباقی کا انتقال ۲۳ فروری ۱۹۶۸ء میں دہلی میں ہوا نماز جنازہ قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں دفن ہوئے رہے اللہ کا نام باقی

آپ کی قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

کوثر چاند پوری

سید علی کوثر چاند پوری کی ولادت ۸ اگست ۱۹۰۴ء میں چاند پور ضلع بجنور یوپی میں ہوئی آپ کے والد کا نام حکیم سید علی مظفر تھا' جو فن طب کے ماہر تھے۔

کوثر چاند پوری نے اردو' فارسی اور انگریزی کی تعلیم گھر پر حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے آصفیہ میڈیکل کالج بھوپال تشریف لے گئے اور وہاں سے علم طب کی تکمیل کرنے کے بعد بھوپال اسٹیٹ کے محکمہ طباعت میں ملازمت کر لی اور افسر الاطباء کے اعلیٰ عہدہ سے ریٹائر ہونے کے بعد بھوپال میں اپنا مطب شروع کیا اور مخلوق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اسی اثناء میں حکیم عبدالحمید صاحب وائس چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی کی مردم شناس نگاہ کوثر

WWW.KITAABISTAN.COM

چاند پوری صاحب پر پڑی اور حکیم صاحب نے کوثر چاند پوری مرحوم کو ہمدرد نرسنگ ہوم میں آنے کی دعوت دی چنانچہ کوثر چاند پوری صاحب حضرت حکیم عبدالحمید صاحب کی استدعاء پر دہلی تشریف لائے اور ہمدرد نرسنگ ہوم سے وابستہ ہوگئے اور ۱۹۸۲ء تک بحیثیت میڈیکل آفیسر خدمات انجام دیتے رہے۔

کوثر چاند پوری صاحب فن طب میں مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب طرز ادیب اور عظیم افسانہ نگار تھے آپ کی اہم تصانیف حسب ذیل ہیں۔

دنیا کی حور ماہ وانجم (رات کا سورج) (آوازوں کی صلیب) (اطبائے عہد مغلیہ بیرم خان) (ترکمان اور جہان غالب) وغیرہ کوثر چاند پوری کا انتقال ۱۳ جون ۱۹۹۰ء میں ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عمومی قبرستان میں دفن ہوئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

قاری محب الدین احمدؒ

امام القراء قاری محبّ الدین احمد ہندوستان کے مشہور ومعروف قاری تھے آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء میں قصبہ نارا ضلع الہ آباد میں ہوئی آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی تھا' جو اپنے عہد کے مشہور صاحبِ فن قاری تھے۔

حضرت قاری محبّ الدین احمد نے حفظ قرآن مجید اپنے نامور والد قاری ضیاء الدین احمد صاحب کی زیر نگرانی کیا' اور تجوید وقرائت سبعہ بطریق شاطبیہ اور قرائت درہ وطیبہ کی تحصیل وتکمیل استاد القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔

حضرت قاری محبّ الدین احمد صاحب رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد درس و تدریس میں مشغول ومصروف ہوگئے آپ مدرسہ سبحانیہ جامع مسجد الہ آباد' مدرسہ تجوید القرآن لکھنو اور مرکزی دار القرائت لکھنو میں صدر مدرس اور ذمہ دار اعلیٰ رہے۔ آپ نے ہزاروں کی تعداد میں تشنگانِ علم تجوید وقرائت کو سیراب کیا اور طلبہ کے اندر فنی ذوق ومذاق پیدا کیا قاری محبّ الدین احمد صاحب مرحوم کے مشہور تلامذہ میں قاری محمد حسین مالیگاؤں قاری دین محمد

مالیگاؤں' قاری محمد یعقوب سیتا پوری' قاری احمد ضیاء الہ آبادی اور حضرت مولانا فقیہہ الدین صاحب' مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی وغیرہ ہیں۔

حضرت قاری محبّ الدین احمد صاحب جہاں ایک مستند ومعتبر فنی استاد تھے۔ وہاں ایک بلند پایہ مصنف بھی تھے آپ کی چند اہم اور فنی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔ ''تنویر المرائت شرح ضیاء القرآت'' ''معرفۃ التجوید''، ''تحفۃ المبتدی''، ''حواشی مرضیہ''، ''نزہۃ القاری''، ''حاشیہ ضیاء القرائت''، ''ضیاء البرہان''، ''معرفۃ الوقوف''، ''معرفۃ الرسوم اور ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد وغیرہ۔ یہ تمام تصانیف اور رسائل فن تجوید کی ضروری اور اہم مباحث پر مشتمل ہیں اور ان کی عبارتیں آسان حشو زوائد سے خالی اور علمی وفنی مضامین سے پُر ہوتی ہیں۔

قاری محبّ الدین احمد صاحب کی وفات یکم اگست ۱۹۸۲ء ۱۰ شوال المکرّم ۱۴۰۲ھ میں دہلی میں ہوئی آپ جامعہ نگر کے قبرستان میں مشہور مجاہد آزادی ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے برابر میں دفن ہوئے لیکن آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

علامہ خضر برنی

علامہ خضر برنی اُردو کے بلند پایہ شاعر' بالغ نظر صحافی اور پر جوش مقرر تھے آپ کی ولادت ۱۵ جولائی ۱۹۰۸ء میں بلند شہر اتر پردیش میں ہوئی' آپ کے والد سید محمد علی برنی محکمہ سرکاری میں ضلع دار تھے۔

علامہ خضر برنی جمعیۃ علماء ہند کے قدیم اکابر ومجاہدین آزادی کی صحبت یافتہ اور ان بزرگوں کی خدمات اور قربانیوں کے بڑے معترف ومداح تھے۔ علامہ صاحب نے بہت سی تصنیفات بطور یادگار چھوڑی ہیں جن میں اہم تصنیفات یہ ہیں۔

(۱) تصویر حیات (۲) تذکرہ شعرائے بلند شہر (۳) قوس قزح (۴) تصویر کائنات (۵) عصر گل (۶) عکس جمال (۷) حدیث عشق (۸) شمع ہدایت اور پروانے' اور (۹) یہ ہے میرا ہندوستان۔

WWW.KITAABISTAN.COM

علامہ خضر برنی کی شاعری پر مبسوط مقالہ لکھا جا سکتا ہے، لیکن افسوس اس کتاب میں بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ علامہ برنی ایک عظیم المرتبت شاعر تھے۔ ان کے تمام ہی اشعار شاندار جاندار ہوتے ہیں علامہ کا یہ شعر راقم الحروف کو بہت ہی پسند ہے۔ ؎

بھولے بھٹکوں کی بھلا وہ کریں گے رہبری
خضر خود چکر میں ہیں اپنا بیا باں دیکھ کر

علامہ خضر برنی کا انتقال ۱۹۸۹ء میں دہلی میں ہوا۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے عام قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ لوح تربت پر یہ شعر کندہ ہے ؎

زندگی ہم نے اندھیروں میں گزاری ہے خضر
یہ توقع ہے کہ مرقد میں اُجالا ہوگا

علامہ خضر برنی ولادت ۱۵ جولائی ۱۹۰۸ (وفات ۲۸ جولائی ۱۹۸۹ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

نواب مولوی محمد مجید اللہ خاں

افضل العلماء مولوی محمد مجید اللہ خان، مولوی سمیع اللہ خان سی ایم جی کے فرزند ارجمند اور مشہور قانون دان تھے۔ آپ علم قانون کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے بیرسٹر تھے۔ آپ حیدر آباد میں چیف جج کے عہدہ پر بھی فائز رہے اور آپ کو آپ کی صلاحیتوں اور خدمات کی بنیاد پر سر بلند جنگ بہادر کے عظیم خطاب سے بھی نوازا گیا۔

آپ نیا قبرستان دلی گیٹ میں غازی عبدالرشید شہید کی قبر کے سامنے سڑک سے تقریباً ۲۰، ۲۵ میٹر مشرق کی جانب آرام فرما ہیں، آپ کے دوسرے بھائی نواب حمید اللہ خان درگاہ خواجہ باقی باللہ میں مدفون ہیں نواب حمید اللہ خان نیک طبع انسان تھے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا محمد مظہر الدینؒ

مولانا مظہر الدین ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا کے شاگرد تھے۔ آپ ایک بہترین صحافی اور نڈر انسان تھے۔ موصوف اخبار والامان وحدت کے مدیر و مالک تھے اور اخبار ''الہلال'' کلکتہ اخبار ''جمہور'' اخبار ''مدینہ'' بجنور اور ہفتہ روزہ ''دستور'' وغیرہ سے بھی وابستہ رہے ہیں۔

۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء میں حضرت مولانا محمد مظہر الدین کو شہید کیا گیا جس کی تفصیل لوح تربت پر موجود ہے۔ آپ کی قبر نیا قبرستان دلی گیٹ میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی قبر کے نزدیک مکان کی دوسری جانب واقع ہے لوح مزار کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

ولا تقولو المن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون

مزار مقدس

الحاج حضرت مولانا محمد مظہر الدین رحمتہ اللہ (مالک اخبار وحدت والامان دہلی)

۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء بمطابق ۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ کو تقریباً ۱۲ بجے دن دو حملہ آوروں نے دفتر میں آ کر شہید کر دیا۔ جبکہ حضرت شہید ملت مسلمانان دہلی کی تنظیم مسلم لیگ کی ترقی و آزادی کے لئے کام کر رہے تھے۔

شہادت سے ایک ماہ قبل آپ نے اعلان کیا تھا کہ میں جامع مسجد دہلی کی حرمت اور مسلمانان دہلی کی عزت کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے سے بھی دریغ نہ کروں گا شہید راہ صداقت نے اسے پورا کر دکھایا۔ شہادت سے چار گھنٹہ قبل آپ نے اپنی آخری تقریر یوم شہدائے کربلا کے سلسلہ میں افضل جہاد و اکبر جہاد کے موضوع پر عربک کالج میں کی تھی اور شہادت کے وقت شہدائے کربلا کے اس سچے عاشق کا خون بھی تذکرہ شہدائے کربلا یعنی سعادت دارالکونین آ گرا آور آپ کو دونوں جہاں کی سعادت حاصل ہوگئی۔

قطعہ تاریخ شہادت

WWW.KITAABISTAN.COM

چون محمد مظہر الدین شد شہید تیغ عشق | یافت از شاہ شہیداں در جناں جام وصال
از فضائے کربلا ہاتف ندا داد ایں ضیا | حامی ملت علیہ رحمت اللہ گفت سال

❋ ...... ☆ ...... ❋

واقف مرادآبادی

سید یعقوب الحسن واقف مراد آبادی ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۴ء میں سنبھل میں پیدا ہوئے واقف مراد آبادی ایک اچھے شاعر تھے۔ مزاحیہ شاعری میں ممتاز مقام رکھتے تھے موصوف مغربی تہذیب کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

اس ترقی کے زمانے میں بڑھیں خوش فعلیاں | لڑکے البیلے بنے ہیں لڑکیاں البیلیاں
کاش اپنے ہوش میں ہوں سر پھرے یہ نوجوان | دیکھ لیں موقع محل، گانا ہے کیسا، ہیں کہاں

واقف مراد آبادی اخیر عمر میں ایک عرصہ تک کینسر کے مرض میں مبتلا رہے اور اسی مرض میں ۱۶ دسمبر کو انتقال کر گئے اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حاجی سید عبداللطیف

حاجی سید عبداللطیف مرحوم دلی کے مشہور و معروف علمی و دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد خاں بہادر مولوی عبدالاحد کا شمار مشاہیر علماء میں ہوتا ہے۔ مولوی عبدالاحد صاحب مکتبہ مجتبائی چوڑیوالان دلی کے مالک تھے۔

حاجی سید عبداللطیف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حاجی سید عبداللطیف مرحوم کا انتقال ۲ صفر ۱۳۵۴ھ میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ نیا قبرستان میں آپ کے خاندان کے لئے ایک مخصوص احاطہ ہے جو احاطہ سید حاجی عبداللطیف کے نام سے مشہور ہے اور یہ احاطہ لب سڑک واقع ہے۔ اسی احاطہ میں آپ اپنے اہل قربت کے ساتھ آرام فرما ہیں۔ لوح تربت پر تاریخ وفات اس طرح درج ہے۔

ھو اللطیف (حاجی سید عبداللطیف مرحوم)

بتاریخ ۲ صفر ۱۳۵۴ھ بروز دوشنبہ بعمر ۵۲ سال وفات یافت

❋ ...... ☆ ...... ❋

میر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام

میر ناصر علی کی ولادت ۱۸۴۷ء میں رائے پور میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد مولانا ابوالمنصور جید عالم دین تھے۔ میر ناصر علی اردو کے مشہور صحافی اور ادیب تھے آپ رسالہ "تیرہویں صدی" آگرہ، ادبی رسالہ "افسانہ ایام" آگرہ اور "صلائے عام" دہلی کے مدیر اور بانی تھے۔ میر ناصر علی صاحب کا انتقال ۱۲ جون ۱۹۳۳ء کو دہلی میں ہوا اور اپنے والد مولانا ابوالمنصور کے پہلو میں نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر مٹ گئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

پروفیسر محمد شفیع دہلوی

پروفیسر محمد شفیع کے حالات پردہ راز ہیں۔ دہلی کے متعدد اہل علم حضرات سے رجوع کے باوجود آپ کے متعلق صحیح معلومات فراہم نہ ہوسکیں۔ البتہ قبر پر کتبہ نصب ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کسی کالج کے پروفیسر اور بڑے آدمی تھے العلم عند اللہ آپ کی قبر پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

۷۸۶

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مرقد پروفیسر محمد شفیع (۱۸ اگست ۱۹۳۹ء یوم سہ شنبہ کٹرہ بابر بیگ لال چاہ دہلی)

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITAABISTAN.COM

سید محمد جعفری

سید محمد جعفری کی ولادت ۲۷ نومبر ۱۸۹۸ء میں مچھلی شہر ضلع جونپور میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام نامی مولانا محمد حامد جعفری نسلاً سید اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب مشہور صحابی (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

سید محمد جعفری نے مکتبی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ آپ کا خاندان علمی و مذہبی تھا آپ نے ابتدائی علوم کی تحصیل اسلامیہ ہائی سکول اٹاوہ اور گورنمنٹ ہائی سکول جونپور میں حاصل کی اور ایم اے مسلم کالج علی گڑھ سے کیا۔ اور جب مجاہدین آزادی شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور مولانا محمد علی جوہر نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی تو مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک پر بے اثر طلبہ نے ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے علیحدگی اختیار کیں۔ ان ہی طلبہ میں سید محمد جعفری بھی تھے۔ چنانچہ سید محمد جعفری صاحب جامعہ اسلامیہ علی گڑھ میں داخل ہو گئے جامعہ ابتداءً علی گڑھ میں ہی قائم ہوا تھا پھر جب جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ میں منتقل ہوا چنانچہ جعفری صاحب بھی دہلی آ گئے اور جامعہ ہی سے فراغت حاصل کی۔

سید محمد جعفری صاحب دارالعلوم دیوبند میں بھی دو سال تک زیر تعلیم رہے ہیں۔ موصوف ماہر لسانیات تھے۔ اُردو، فارسی، عربی اور سنسکرت میں کامل عبور رکھتے تھے۔ اُنہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی سے سنسکرت کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔

سید محمد جعفری صاحب مشہور مجاہد آزادی، نامور صحافی اور مولانا محمد علی جوہر کے رفیق خاص تھے۔ جعفری صاحب فراغت تعلیم کے بعد ہی مولانا محمد علی جوہر کے مشہور روزنامہ ہمدرد کے ایڈیٹر ہوئے اور ۱۹۲۶ء تک بحیثیت ایڈیٹر کام کرتے رہے اور موصوف مولانا محمد علی جوہر اور حکیم محمد اجمل خاں مرحوم کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے ہیں۔

سید محمد جعفری صاحب ۱۹۲۷ء میں اپنا ذاتی روزنامہ ''ملت'' نکالا تھا یہ روزنامہ بہت ہی مقبول ہوا اور ۱۹۴۲ء تک کوچہ چیلان سے نکلتا رہا۔ بعد میں انگریزوں نے اسے ضبط کر لیا تھا

سید محمد جعفری صاحب ایک اچھے سیاست دان بھی تھے۔ لہٰذا آپ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۵ء تک دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے ہیں۔ آپ کا انتقال ۸ جون ۱۹۷۸ء میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

※ ...... ☆ ...... ※

مولانا مفتی فضل الرحمٰن فاروقیؒ

مولانا فضل الرحمٰن فاروقی دہلی کے قدیم مدرسہ حسین بخش کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین تھے۔ آپ کا انتقال ۹ نومبر ۱۹۸۰ء میں ہوا نیا قبرستان دہلی گیٹ میں غازی عبدالرشیدؒ کے قریب ہی دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

کل نفس ذائقة الموت

مرقد

محدث وقت، فقیہہ زمانہ حضرت الحاج الحافظ مولانا فضل الرحمٰن فاروقی

شیخ الحدیث وصدر المدرسین مدرسۃ العلوم حسین بخش دہلی ومفتی جمیعۃ العلماء ہند

تاریخ سانحہ ارتحال

۳۰ ذوالحجہ ۱۴۰۰ یکشنبہ مطابق ۹ نومبر ۱۹۸۰ء

※ ...... ☆ ...... ※

غازی عبدالرشیدؒ

غازی عبدالرشیدؒ ایک بہترین کاتب اور خطاط تھے اور روزنامہ تیج دہلی میں کتابت کرتے تھے۔ انہوں نے ہی شاتم رسول سوامی شردھانند کو قتل کیا تھا۔

مولانا آزاد اپنی سیاسی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''۲۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو دہلی میں سوامی شردھانند جی علالت کی بناء پر ڈاکٹر انصاری کے زیر علاج تھے۔ انہیں عبدالرشید نامی خوش نویس نے ریوالور سے قتل کر دیا۔''

کہتے ہیں عبدالرشید ان سے اسلام اور کچھ مذہبی گفتگو کرنے ان کے گھر گیا۔ رشید نے پانی طلب کیا، دھرم سنگھ ملازم پانی لانے گیا، اتنے میں رشید نے ریوالور نکال کر سوامی جی کا کام تمام کردیا، ملازم کے آنے پر اسے بھی زخمی کردیا۔ سوامی جی کے سیکرٹری دھرم پال بھی آگئے اور زخمی ملازم نے قاتل کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا، عبدالرشید نے پولیس کے پاس اقبال جرم کرلیا۔ یہ حادثہ بھی ملت کے لئے زبردست رسوائی اور صدمے کا باعث بنا۔

بحوالہ (مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری ص ۱۸۶)

عبدالرشید کو اقبال جرم کی بناء پر ۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء کو پھانسی دی گئی اور عبدالرشید ''غازی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ مولانا آزاد آگے اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء دہلی میں آج سوامی شردھانند کے قاتل عبدالرشید کو پھانسی دیدی گئی۔

جیل سے تقریباً پچاس ہزار کا مجمع لاش لے کر روانہ ہوا تو دہلی میں اکادکا ہلڑبازی ہوئی قتل وخونریزی کے پیش نظر پولیس نے لاش کو چھین لیا اور جیل واپس لے گئی، تب رشید کے اعزا نے بدقت تمام لاش کو واپس لے کر قریب کے قبرستان میں دفن کردیا۔ (مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری ص ۲۰۶)

غازی عبدالرشید کو نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی لوح قبر پر نواب سائل مرحوم کے کہے ہوئے یہ اشعار کندہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید غازی عبدالرشید شہید ہے شہید وفا لقب جس کا
جس کا شاہد ہے سارا ہندوستان تھا فدائی رسول اکرم کا
حب احمد میں جان کی قربان درجہ انصار اور شہادت کا
پایا از فضل ایزد منان شمع فیض ہے مزار ان کا
وقف ان کے عمل سے ہے گیہان لوح مرقد پہ لکھو دو سائل تم
قبر عبدالرشید پاک نشان

۱۴ نومبر ۱۹۲۷ء۔ مد۔۔ ۱۳۴۷ھ

مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی ؒ

مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب اُردو کے یگانہ روزگار مصنف اور مایہ ناز صوفی شاعر تھے۔ مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ۱۸۷۲ء میں دہلی کے ایک علمی وروحانی خانوادہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی مولانا محمد حسین فقیر دہلوی تھا جو اپنے عہد کے مشہور و معروف شیخ طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔

مولانا محمد اسحاق نے کم عمری میں قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ عربی متوسطات کی تعلیم دہلی میں حاصل کی اور دورہ حدیث کی تکمیل شیخ الفقہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے حاصل کی۔ سند فضیلت وفراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ حسینیہ کی نبیاد وتاسیس میں شریک رہے اور مدرسہ حسینیہ میں تیس سال تک قرآن وحدیث کا وعظ فرماتے رہے۔ مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب ایک بہترین واعظ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم مصنف بھی تھے۔ پچاس سے زائد تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ یہ تمام تصانیف عوام میں بہت ہی مقبول ہیں آپ کی اکثر تصانیف منظوم ہیں۔ آپ کی اہم تصانیف میں چند حسب ذیل ہیں۔ داستان یوسف، معراج رسول ﷺ، ملت ابراہیم، جلوہ طور، صبر ایوب، اور بستان الاولیا وغیرہ۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ایک مخلص اور ایماندار صحافی بھی تھے۔ وہ ایک کثیر الاشاعت رسالہ الوعظ کے مدیر تھے۔ یہ رسالہ بڑی پابندی کے ساتھ تیس سال تک نکلتا رہا ہے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ ابتداء میں غزلیں کہتے تھے مگر بعد میں غزل گوئی ترک کردی تھی اور عام فہم نظمیں کہنے لگے۔

بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ کریں۔

دل لیا جس کا اسی کی جان کے دشمن ہوئے ساری دنیا سے نرالا آپ کا دستور ہے
یاں تو اپنے حوصلے سے بھی کیا تھا بڑھ کے کام جان ودل لیکر وہ بولے بس یہی مقدور ہے
شیخ کی شان میں گستاخ بنوں میں توبہ لوگ کہتے ہیں نکالے گئے بت خانہ سے

ہائے دل تیرے صدقے تری باتوں کے نثار — یہ زبان ڈھونڈے نہ پائے گی نکل کر باہر
خدا حافظ مسافر کوچہ جاناں کی منزل کے — اسی راستے سے لٹتے ہیں ہزاروں قافلے دل کے
اسے رحمت اللعالمین اور اے شفیع المذنبیں — اسے لخت جان آمنہ، عالم ہو تم پر فدا
احمد مصطفےٰ صل علی صلی علی — اسحاق کہہ بے ساختہ یکتا احمد بعد از خدا
دیکھی پڑی ہیں محفلیں اسحاق سب کی لب — اونچا ذرا جو تھا وہی آنکھو میں خار تھا
بلبلا ہے، حباب ہے دنیا — اک خیال اور خواب ہے دنیا

الفت اسحاق اس کی کھوے گی
وہ نشے کی شراب ہے دنیا
محبت سب اسحاق چھٹ جائے گی
مگر راس آئے گی حب اللہ

مولانا محمد اسحاق صاحب کا وصال اپریل ۱۹۵۲ء میں دہلی میں ہوا اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ حالانکہ آپ کا پورا خاندان مہندیان میں آرام فرما ہے۔ خدا معلوم کیا وجہ پیش آئی کہ آپ گور غریباں میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے اور قبر بے نشان ہوگئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حافظ علی بہادر خاں

حافظ علی بہادر مشہور صحافی اور مستند ادیب تھے۔ درجنوں مجلات و جرائد کے مدیر رہے ہیں۔ تاج جبلپور، مدینہ بجنور، اخبار خلافت بمبئی کی ادارت سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کی صحافی خدمات کے علاوہ بعض کتابیں بھی ان کی یادگار ہیں مثلاً محمود غزنوی، حکومت الٰہیہ اور پردہ اور اسلام وغیرہ۔

حافظ علی بہادر ایک بہترین شاعر بھی تھے۔ تخلص ہلال تھا۔ بطور نمونہ چند اشعار پیش خدمت ہیں ؎

ستم سے کھیلنے والے جفا سے کھیلنے والے — جفا تو کیا مسلمان ہیں قضا سے کھیلنے والے
وہی منزل پہ پڑھتے ہیں، وہی ساحل کو پاتے ہیں — سفینے جو ہیں گرداب بلا سے کھیلنے والے
ہلال ان کو ملے گا لطف جینے اور مرنے کا — جہاد حق میں جو ہوں گے قضا سے کھیلنے والے

علی بہادر خان ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے ان کا خاندان مراد آباد کا رہنے والا تھا اور بڑے جوانمرد اور مجاہد آزادی تھے۔ ۶ نومبر ۱۹۶۷ء میں حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال فرما گئے اور جسد خاکی کو نیا قبرستان دہلی گیٹ میں سپرد خاک کیا گیا۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

آغا محمد طاہر دہلویؒ

آغا محمد طاہر دہلویؒ اُردو زبان کے مشہور ادیب اور ماہر لسانیات تھے۔ طبعاً بڑے مرنجان مرنج اور مزاحیہ قسم کے انسان تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جگر مراد آبادی مرحوم دہلی تشریف لائے۔ آغا صاحب سے اُردو بازار میں ملاقات ہوئی۔ آغا صاحب نے حسب معمول اپنی غزل سنائی، دوران گفتگو جگر صاحب نے پوچھا کہ آجکل کہاں رہائش ہے؟ آغا صاحب نے برجستہ اکبر الہ آبادی کا یہ شعر پڑھا۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

آغا صاحب غریب الدیار تھے اور دیش پردیشی تھے۔ ان کا پورا خاندان پاکستان آچکا تھا۔ ان کے ذہن میں اپنے بے گھر ہونے کا تصور تھا۔ چنانچہ یہ شعر پڑھ کر اپنی غربت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور یہ بھی اتفاق ہے کہ مورخہ ۲۳ جون ۱۹۵۷ء میں ارون ہسپتال میں انتقال ہوا اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ گویا اکبر الہ آبادی کے الہامی شعر کے مصداق تھے۔

آغا محمد طاہر دہلوی مسلکاً شیعہ تھے لیکن سنی علماء سے بھی ان کا گہرا تعلق تھا، مفتی

WWW.KITAABISTAN.COM

کفایت اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا حفظ الرحمٰن واصف دہلوی سے بڑے مخلصانہ مراسم تھے۔ واصف صاحب نے آغا صاحب پر ایک بڑا عمدہ مضمون تحریر فرمایا ہے اور یہ مضمون ''دہلی والے'' میں موجود ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا سید عبدالدائم جلالی

حضرت مولانا سید عبدالدائم جلالی کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ریاست رامپور میں ہوئی آپ کے والد کا اسم گرامی مولوی سید عبدالقیوم تھا۔

مولانا عبدالدائم جلالی ایک جید الاستعداد و کامل الفن عالم دین تھے موصوف رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس ہو گئے پھر اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے اور حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی مرحوم کے اصرار پر مدرسہ عالیہ فتحپوری میں مدرس اور مفتی ہو گئے اور عرصۂ دراز تک مسند درس و افتاء پر جلوہ افروز رہے۔

حضرت مولانا سید عبد الدائم جلالی جہاں ایک کامیاب مدرس تھے وہیں ایک صاحب طرز ادیب اور علوم اسلامیہ کے بلند پایہ محقق بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کا بڑا اصاف ستھرا ذوق و ملکہ عطا فرمایا تھا مولانا ئے محترم صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے آپ کی سب سے اہم شاہکار تصنیف ''بیان السبحان'' ہے' جس کا شمار عصر حاضر کی مستند و معتبر اردو تفاسیر میں ہوتا ہے۔

آپ کے تفسیری ذوق کے متعلق مولانا محمد نظر علی خان صاحب ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

''تقریباً ۱۸ سال مسجد درگاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ میں تراویح میں ختم قرآن کی مجلس تھی؛ حضرت مولانا زید ابوالحسن مدظلۂ داعی تھے اور مولانا جلالی مدعو' کوئی بڑا اجتماع نہیں تھا' البتہ حاضرین پڑھے لکھے تھے۔ مولانا جلالی مرحوم نے قرآنِ کریم کے نزول و سببِ نزول پر نہایت جامع اور بصیرت افروز تقریر کی' کیا عرض کروں' اس تقریر کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے حضرت مولانا زید جو خود ایک تبحر عالم اور صاحب نسبت بزرگ ہیں' جھوم

رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ کیا تبحر علمی ہے؟ افسوس کہ ٹیپ ریکارڈ نہیں تھا کہ تقریر محفوظ کر لی جاتی'' (مولانا سید عبدالدائم جلالی کا انتقال ۵ نومبر ۱۹۸۳ء)

میں دہلی میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے' آپ کی قبر احاطۂ غازی عبدالرشید میں ہے۔

مولانا مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر نجم السلام صاحب جلالی اکیڈمی کے روحِ رواں اور ایک اچھے ڈاکٹر اور مخلص انسان ہیں' آپ اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چیزوں کو بڑے سلیقے اور قرینے سے منظر عام پر لانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

استاد رساؔ دہلوی

استاد سید رفیق احمد رساؔ دہلوی دلی کے قادر الکلام شاعر اور استاد بیخودؔ دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ آپ کو اپنے استاد محترم بیخودؔ دہلوی صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔

استاد رساؔ دہلوی حضرت داغؔ دہلوی اور حضرت بیخودؔ دہلوی کی روایات کے پاسبان اور امین تھے بڑے فصیح و بلیغ شعر کہتے تھے استاد رساؔ کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کیوں ہوئے خانہ نشیں یہ کیا کیا تم نے غضب کیا گھر سے نکلو گرمی بازار آدھی رہ گئی
طور پہ موسیٰ نے دیکھی ایک جھلک تو کیا ہوا آدھی نکل حسرتِ دیدار آدھی رہ گئی
وار کیا مجھ پہ کیا دو ہو گئے تلوار کے دست قاتل میں رساؔ تلوار آدھی رہ گئی

جانشینِ حضرت بیخودؔ استاد رساؔ دہلوی ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو راہی ملک بقا ہو گئے اور دلی گیٹ کے قبرستان میں دفن ہوئے آپ کی قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITABISTAN.COM

مولانا محمد میاں دیوبندیؒ

حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ بے مثال محدث، اعلیٰ درجہ کے مفسر، ماہر مفتی، بہترین مورخ اور صاحب طرز ادیب وانشاپرداز تھے۔ المختصر یہ کہ آپ بوریہ درویش پر بیٹھنے والے سلطان علم وفضل تھے۔

مولانا محمد میاں کی ولادت ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں دیوبند میں ہوئی آپ کے والد کا نام منظور میاں دیوبندی تھا۔ مولانا محمد میاں دیوبندی کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں ہوئی مولانائے محترم کو فراغت کے بعد اکابر نے شاہ آباد، آرہ بہار میں مدرس بنا کر بھیج دیا، جہاں آپ کے فیوض سے عوام وخواص سب ہی مستفیض ہوئے اور وہاں مولانائے محترم کی بے حد پذیرائی اور قدردانی ہوئی۔ پھر آپ اکابر دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے بہار سے مرادآباد گئے اور ۱۹۲۶ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں مدرس ومفتی ہو گئے اور بیس سال مسلسل قاسمیہ میں اپنے دریائے علم سے تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے۔

مولانائے محترم نے ۱۹۲۹ء تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کا شمار تحریک آزادی کے عظیم رہنماؤں میں ہونے لگا چنانچہ ۱۹۴۵ء میں مولانا مدنیؒ کے حکم اور مجاہد ملت کے اصرار پر ناظم جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے دہلی منتقل ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے لوح وقلم تھے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی زبان تھے اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی دل ودماغ تھے۔

مولانا محمد میاں صاحب کی خدمات کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہے وہ جمعیۃ علماء ہند کے روح رواں تھے حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے ۱۹۲۳ء میں جماعتی خلفشار کی بنا پر جمعیۃ علما ہند کی نظامت سے مستعفی ہو گئے، یکسوئی اختیار فرمالی اور اس موقع کو مدرسہ امینیہ کے ذمہ داروں نے غنیمت شمار کرتے ہوئے باصرار تمام مدرسہ امینیہ کی مسند حدیث وفقہ اور منصب افتاء آپ کے سپرد کر دیا جن کو آپ نے آخر عمر تک بہت عمدہ طریق پر انجام دیتے رہے۔

مولانائے محترم اردو کے مایہ ناز مصنف تھے آپ کی تصانیف متنوع الاقسام ہیں علمائے حق، علمائے ہند کا شاندار ماضی (تین حصے) سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عہد زریں وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

دینی مکاتیب کی مشہور نصابی کتابیں دینی تعلیم کے رسالے بھی آپ کی ہی تصنیف ہیں جو ہندوستان کے تمام دینی مدارس میں بے حد مقبول ہیں اوان کا ہندی ترجمہ بھی ہو چکا ہے مگر افسوس اس پر آپ کا نام درج نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف ایک ادارہ کا نام درج ہوتا ہے جو کہ خلاف دیانت بھی ہے اور مولانائے محترم کے ساتھ ظلم بھی۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب بواسیر کے مریض تھے لیکن رات میں لکھنے لکھانے شب بیداری کرنے اور مسلسل اسفار میں رہنے کی وجہ سے آرام نہ کر سکے جو اس قسم کے مریض کے لیے ضروری ہے اور بالآ کر بستر علالت پر دراز ہو گئے اور ۱۹۷۵ء میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے آخر وقت میں زبان پر یہ آیت جاری تھی ﴿ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون﴾

حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کو نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن کیا گیا آپ کی قبر پر لوح منصب ہے جس پر یہ عبارت درج ہے۔

(ھو الباقی كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام)
ابدی آرام گاہ مفتی، محدث، اہل قلم، مجاہد حریت، مرد پاک باطن مولانا السید محمد میاں دیوبندی قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث، مفتی اعظم مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی ۶ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند ومولف کتب سیرت وتاریخ ۱۳۹۵ تاریخ وفات ۱۶ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ ۱۱۲کتوبر ۱۹۷۵ء)

ہو کر خفا جہاں سے محمد میاں گئے احباب پوچھتے ہیں وہ آخر کہاں گئے
آواز آئی غوثِ محمد یہ غیب سے مولانا کہہ بھی دو ہوئے باغ جنان گئے

*...... ☆ ...... *

مولانا سید سلیمان ندویؒ

مولانا سید سلمان ندوی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فارغ التحصیل، عربی زبان و ادب کے ماہر ادیب اور جماعت اسلامی ہند کے پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الدعوۃ'' کے مدیر تھے۔

مولانا سلمان ندوی صاحب طبعاً شریف النفس اور ایک نو مسلم عالم دین تھے آپ بارہ سال کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے اور گھر بار چھوڑ کر در بھنگہ، بہار تشریف لے گئے اور وہاں سے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیو بند تشریف لائے اور دونوں علمی و دینی مراکز سے استفادہ کیا اور اپنی علمی تشنگی بجھائی۔

آپ کا شمار اونچے درجے کے علماء اور اردو عربی کے اچھے ادباء میں ہوتا تھا اسی بنا پر آپ کو جریدہ الدعوۃ کی ادارت کے ساتھ ساتھ سہ روزہ ''دعوت'' کا بھی مدیر بنا دیا گیا اور آپ بڑی محنت و مشقت کے ساتھ ان دونوں عربی اور اردو پرچوں کو نکالتے رہے حالانکہ آپ کی صحت خراب ہو چکی تھی اور آپ اکثر بیمار رہتے مگر پھر بھی محنت میں کمی نہ آنے دی آخر کار ۱۹۹۰ء اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے آپ کی قبر بے نشان ہو گئی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا دوست محمد

حضرت مولانا دوست محمد صاحب دلی کے مشہور صاحب دل بزرگ اور دہلی کے مشہور مدرسہ مدرسہ حسین بخش کے استاد حدیث و تفسیر تھے مولانائے محترم اصلاً قصور پاکستان کے رہنے والے تھے لیکن آپ نے دہلی ہی کو اپنا وطن بنالیا تھا اور پاکستان تشریف نہیں لے گئے حالانکہ وہاں آپ کے اعزہ اقربا موجود تھے۔

مولانائے محترم ایک متبحر عالم دین تھے پچیس سال تک شاہجہانی جامع مسجد میں

قرآن مجید کا ترجمہ بیان فرماتے رہے ہیں آپ کی تفسیر بہت ہی مقبول تھی عوامی تفسیر کا یہ سلسلہ تاحین حیات جاری رہا۔ اور اب مولانائے مرحوم کے علمی جانشین مولانا جمال الدین احمد صاحب ہیں، جو آجکل شاہجہانی جامع مسجد میں قرآن مجید کی تفسیر بیان فرمارہے ہیں اور آپ کی تفسیر بھی بہت ہی مقبول ہے۔

مولانا دوست محمد صاحب کا انتقال ۲۴ مارچ ۱۹۷۴ء میں ہوا اور نیا قبرستان دلی گیٹ میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر آپ کے عقیدت مند حضرت مولانا جمال الدین احمد صاحب نے کتبہ لگا دیا ہے یہ کتبہ ملاحظہ فرمائیں۔ (﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ پیکر علم و تقویٰ مولانا دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ مدرس مدرسہ حسین بخش حویلی بختیاور خان نمبر ۱۰۳۳ جامع مسجد دہلی تاریخ وفات ۲۴ مارچ ۱۹۷۴ء مطابق ۱۹ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ غم زدہ، جمال الدین احمد)

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا رشید احمد سیتاپوریؒ

مولانا رشید احمد سیتاریؒ نے مدرسہ ڈابھیل گجرات سے فراغت حاصل کی، محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فقیہ دوران مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے تلامذہ میں تھے۔ والد کا نام ابو رضا تھا جو ضلع سیتاپور یوپی کے قبضہ تمپور کے رہنے والے تھے۔

مولانا رشید احمد صاحب اوائل عمر ہی میں دہلی آگئے۔ مختلف اخبارات میں کتابت کے ذریعہ روزی حاصل کرتے تھے۔ آخر عمر میں مرجع خلائق ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ زبردست عالم ہی نہیں تھے بلکہ عامل کامل بھی تھے۔ قرآن کریم سے خصوصی شغف تھا، باقاعدہ پابندی کے ساتھ تلاوت کرتے تھے۔ اور اورادو وظائف میں زیادہ وقت لگاتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے عربی اور اردو میں کتابچے بھی تصنیف کئے۔ شاعر بھی تھے۔ ہما تخلص فرماتے تھے۔

مولانا موصوف مسجد گلی کیپٹن والی تراہا بہرام خاں کوچہ چیلان میں امام تھے۔ اس مسجد میں ان کا قیام تقریباً بیس سال رہا خاص طور پر یہاں یہ عرض کر دینا بے موقع نہ ہوگا کہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور موجودہ امیر تبلیغ حضرت انعام الحسن صاحب کاندھلوی یہ دونوں حضرات مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔

WWW.KITAABISTAN.COM

مولانا رشید احمد صاحب ۸۵ سال کی عمر میں آسودۂ رحمت ہوگئے ان کے ایک معتقد خاص جناب محمد ادریس قریشی نے ازارہ عقیدت ومحبت ان کی قبر پر پتھر لگوایا ہے۔لوح پر اشعار حضرت مولانا سید غیاث الحسن مظاہری صاحب مدیر ماہنامہ ''دینی مدارس دہلی'' کے ہیں جن سے مولانا مرحوم کی تاریخ وفات ہی نہیں بلکہ بہت سے اوصاف' خوبیوں اور کمالات کا اظہار ہوتا ہے آپ کی قبر نیا قبرستان دلی گیٹ میں ہے لوح مزار پر یہ اشعار ہیں۔

(مرقد مبارک حضرت مولانا رشید احمد صاحب سیتاپوری رحمۃ اللہ علیہ امام مسجد گلی کپتان والی دریا گنج نئی دہلی ۲)

قطعئہ تاریخ رحلت

ازمولانا سید غیاث الحسن مظاہری مدبر ماہنامہ ''دینی مدارس'' نئی دہلی ۲ بظاہر وہ جو نظروں میں نہیں ہیں۔

بظاہر وہ جو نظروں میں نہیں ہیں
حقیقت میں وہی اب دل نشیں ہیں
کہیں کیسے' پریشان ہم نہیں ہیں
ہمارے دل کہیں نظریں کہیں ہیں
بلندی کو ملا کرتی ہے پستی
ہزاروں آسمان زیر زمین ہیں
رشید احمد وہ مہر راہِ عرفان
جو رہتے تھے درخشاں اب نہیں ہیں
اندھیرا ہوگیا بزم جہاں میں
سب اہل انجمن اندو ہگیں ہیں
غیاث اس میں نہیں دو رائے کوئی
رشید احمد ہر اک دل کے قرین ہیں
کہو تاریخ یوں وہ جلوۂ ناز
مثالِ رونق خلد بریں ہیں

مولانا عبداللہ فاروقیؒ

مولانا عبداللہ فاروقی مرحوم ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام مولوی معین الدین فاروقی صاحب تھا مولانا فاروقی صاحب نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور یہیں پر حفظ قرآن مجید کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیا کی مشہور یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی' علاّمہ انورشاہ کشمیریؒ اور علاّمہ شبیر احمد عثمانی صاحب جیسے کبار علماء سے استفادہ کیا اور دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند تحریکِ آزادی کا مرکز تھا اور علمائے دارالعلوم دیوبند تحریکِ جدوجہد آزادی میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ مولانا فاروقی بھی علمائے دارالعلوم دیوبند کی طرح انگریزوں کے سخت ترین مخالف ہوگئے۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب تحریک آزادی ہند کے مشہور جانباز سپاہی تھے۔ مرحوم نے انڈین نیشنل کانگریس کی تحریکات میں حصہ لینے کے ساتھ قوم پرور مسلم جماعتوں میں بھی قائدانہ رول ادا کیا جمیعۃ علماء ہند اور مجلس احرار کی تحریکات میں فاروقی صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ جامع مسجد کا منبر جب قومی تحریکات کا نقیب تھا۔ اس وقت ہر جمعہ کو کسی نہ کسی قومی اور دینی مسئلہ پر جمعیتی اور احراری مقررین کے ساتھ فاروقی صاحب کی نہایت لجھے دار تقریریں سُنی جاتی تھیں۔ چنانچہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا نسبی اور فکری خاندان'' میں لکھتے ہیں:

''تحریکِ آزادی میں مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے بڑی قربانیاں دیں خاتون مشرق کے ایڈیٹر تھے۔ جامع مسجد ہلی کا منبر مولانا فاروقی' مولوی سمیع اللہ صاحب مالک کتب خانہ عزیزیہ' مولانا عظمت اللہ صاحب لکھنوی کی سرگرم تقریروں کو ہمیشہ یاد رکھے گا''

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب نے تحریک آزادی میں سرفروشانہ اور جانبازانہ حصہ لیا اور جس کی پاداش میں لاہور' ملتان' گجرات اور دہلی کی جیلوں میں رہے اور انگریزوں کے

WWW.KITAABISTAN.COM

مظالم برداشت کرتے رہے لیکن انہوں نے انگریزی اقتدار کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب ایک پرجوش مقرر وخطیب اور مخلص وایماندار صحافی تھے۔ ہندوستان کے کثیرالاشاعت خاتونِ مشرق جیسا وقیع ادبی اور دینی رسالہ مرحوم کی یادگار ہے، جو مرحوم کی حیات میں بڑی آب وتاب سے نکلتا تھا اور آج بھی ''خاتونِ مشرق'' آپ کے صاحبزادے وجانشیں توفیق فاروقی صاحب کی ادارت میں بڑی آب وتاب کے ساتھ نکلتا ہے اور ہندوستان کے طول وعرض میں شاید ہی کوئی ایسا مسلم گھرانہ ہو جس میں نہ پڑھا جاتا ہو، توفیق فاروقی صاحب ایک بہترین صحافی اور نہایت ہی مخلص اور علم دوست آدمی ہیں موصوف لائق مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اپنے نامور والد کی یادگار کو زندہ رکھا ہے۔

مولانا عبداللہ فاروقی ماہنامہ ''خاتونِ مشرق'' کے علاوہ ''محشرِ خیال''، ''الفاروق'' ''بچوں کا باغ'' اور ''ندائے فلسطین'' جیسے اہم ترین رسائل وجرائد کے بانی اور مدیر تھے۔ مولانا عبداللہ فاروقی صاحب نے آخر میں اخبار فلسطین میں مولانا ظفر علی خان مرحوم کا منتخب کلام خاص طور پر شائع کرتے تھے، آپ کے صاحبزادے توفیق فاروقی صاحب نے ان منتخب کلام ظفر کو کتابی شکل میں شائع کردیا ہے اور ان کا بڑا علمی کارنامہ ہے اور عوامی حلقوں میں یہ مجموعہ مقبول بھی ہوا ہے۔ ''اخبار فلسطین'' ایک سیاسی اخبار تھا اور اس وقت سیاسی حلقوں میں بڑا ہی مقبول تھا۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب ایک عظیم صحافی ہی نہیں تھے بلکہ ایک بالغ نظر مصنف بھی تھے آپ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سب سے زیادہ مشہور کتاب ''بہادر شاہ ظفر کا افسانۂ غم'' ہے۔ اس کتاب میں مولانا فاروقی صاحب نے سلطنتِ مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر مرحوم کی معزولی اور ان کی جلاوطنی اور ان کے صاحبزادوں کی شہادت کا تذکرہ ایسے دردانگیز انداز سے کیا ہے کہ کتاب کے لفظ لفظ سے اور سطر سطر سے غم ٹپکتا ہے اور پڑھنے والوں کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

مولانا فاروقی صاحب مرحوم کی دوسری تصنیفات وتالیف بھی نہایت ہی اہم اور وقیع ہیں۔ مولانا عبداللہ فاروقی صاحب کثیرالتعلقات عالم دین تھے۔ آپ کے تعلقات ومراسم ہر مکتبہ فکر کے لوگ سے تھے آپ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مجاہد ملت حفظ الرحمٰن، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی سے بہت ہی قریبی تھے۔

راقم الحروف نے مولانا عبداللہ فاروقی صاحب کو پہلی دفعہ مدرسہ حسین بخش میں مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی مجلس میں دیکھا۔ مولانا فاروقی صاحب پیرانہ سالی اور غیر معمولی ضعف ونقاہت کے باوجود ہر جمعہ میں مولانا قاسمی صاحب کے وعظ سننے آتے تھے اور اختتام جلسہ کے بعد مولانا قاسمی صاحب کے ہاتھوں کو چومتے تھے۔ کبھی کبھی راقم الحروف کے ہاتھوں کو بھی چومتے تھے اور بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔

مولانا عبداللہ فاروقی صاحب آخر عمر میں مجذوب ہوگئے تھے اور اسی عالم جذب میں مرحوم کی وفات ۲۷ اپریل ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ آپ کو نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر پر کتبہ لگا ہوا نہیں ہے۔ آپ کے صاحبزادے توفیق فاروقی صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ جلد ہی قبر پر کتبہ نصب کرادیں گے۔

✵ ...... ☆ ...... ✵

مشیر جھنجھانوی

مشیر جھنجھانوی اُردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ موصوف اُردو غزل کی کلاسیکی روایات کے دلدادہ تھے۔ تاہم وہ عصری میلانات ورجحانات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کے اشعار میں شائستگی اور شرافت نفس کا احساس کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ خوبصورت بندشوں اور حسین الفاظ کے ساتھ معنی آفرینی بھی ساتھ رہتی ہے بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جب وہ مرے قریب سے ہنس کر گزر گئے
کچھ خاص دوستوں کے بھی چہرے اتر گئے

☆

میں بھی کسی کی زلف سنوارے چلا گیا
کچھ ضدی سی ہوگئی ہے نسیم سحر کے ساتھ

☆

کانٹا سمجھ کے مجھ سے نہ دامن بچائیے
گزری ہوئی بہار کی اک یادگار ہوں

مشیر جھنجھانوی صاحب فتح پوری ہائر سیکنڈری سکول میں استاد تھے اور طلبہ میں بہت

WWW.KITAABISTAN.COM

ہی مقبول تھے۔ مشیر جھنجھانوی صاحب ۲۱ مارچ ۱۹۹۰ء میں انتقال فرما گئے حافظ محمد یٰسین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن ہوئے آپ کی قبر پر کتبہ نہیں لگا ہوا ہے۔

❋ .... ☆ .... ❋

سلام مچھلی شہری

سلام مچھلی شہری ۱۹۲۱ء میں مردم خیز ضلع جونپور کے مشہور مقام مچھلی شہر میں ایک علمی و دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد عبدالرزاق تھا جو ایک دیندار تاجر تھے۔

سلام مچھلی شہری اُردو زبان کے قادرالکلام شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے۔ آپ زمانہ طالب علمی ہی سے ایسے عمدہ اشعار و مضامین کہنے اور لکھنے لگے تھے، جن کو اخبارات و رسائل بصد شوق شائع کرتے تھے اور علمی و ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوتے تھے۔

سلام مچھلی شہری ایک بہترین صحافی تھے۔ آپ رسالہ ''نغمہ'' فیض آباد، رسالہ ''مضراب''، لکھنؤ کے مدیر بھی رہے ہیں۔ یہ رسالے آپ کی ادارت میں بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں جو اپنے علمی و ادبی قسم کے مضامین و مقالات کی بناء پر علمی حلقوں میں کافی مقبول تھے۔

سلام مچھلی شہری کی اہم تخلیقات ''میرے نغمے''، ''وسعتیں'' اور ''پائل'' وغیرہ ہیں۔

نمونہ کے چند اشعار بھی ملاحظہ ہوں۔

جاگ رہا ہوں، نیند میں آنکھ کھلے گی بعد مرگ	ہستی بے ثبات بھی ایک عجیب خواب ہے
اس چمن میں آہ! کب شادی و غم مدغم نہیں	خندہ ہائے گل پہ کس دن گریہ شبنم نہیں

.... ☆ ....

اللہ اللہ، وسعت ذوق نگاہ	ایک عالم پر گمانِ جلوہ گاہ
مجھ کو شوق بیان حال فراق	ان کو نفرت فسانہ دل سے
ہمت، اے شوق! اور چار قدم	ہو رہا ہوں قریب منزل سے
ذمہ مرا جو جان تصور نیا نہ دوں	میرے تصورات کو کچھ آسرا تو دو

آخر میں آپ کو کینسر جیسے موذی مرض نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ چنانچہ آپ اسی مرض میں ۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء کو راہی ملک عدم ہو گئے اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔

❋ .... ☆ .... ❋

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری کی پیدائش ۱۱۶ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں ضلع گورکھپور میں ہوئی آپ کے والد کا نام سید صادق علی گورکھپوری تھا۔

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری اسعد گورکھپوری اور اردو و انگریزی زبان کے مشہور ادیب اور بلند پایہ صحافی تھے۔ آپ اردو اخبار ''الجمعیۃ'' کے ایڈیٹر اور انگریزی ہفت روزہ ''میسیج'' کے مینجر تھے۔

آپ نے صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اردو، انگریزی اور ہندی کی متعدد کتابوں کا بڑا عمدہ اور دلچسپ ترجمہ بھی کیا تھا۔ آپ کا تاریخی کارنامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب مرحوم کی مشہور و شاہکار تصنیف ''تعلیم الاسلام'' کا انگریزی ترجمہ ہے اور یہ انگریزی ترجمہ پہلی دفعہ ۱۹۶۰ء میں ساؤتھ افریقہ میں شائع ہوا تھا اور وہاں کے دینی اداروں میں داخل نصاب بھی ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کا مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ مجاہد ملتؒ کی وجہ سے ہی ''الجمعیۃ'' اور ''میسیج'' وغیرہ سے وابستہ ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جہاں ایک ممتاز ادیب اور شاعر تھے وہاں ایک صاحب دل اور مہذب انسان بھی تھے۔ آپ امیر شریعت حضرت مولانا شاہ محمد محی الدین قادری پھلواری شریف پٹنہ کے مرید خاص تھے۔ آپ پر اپنے پیر و مرشد کا گہرا اثر تھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ اسعد تخلص کرتے تھے

چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

اب آپ کی نوازش پیہم کو کیا ہوا	آنکھوں کے سب لطیف اشارے چلے گئے
آنے کو صبح آ گئی لیکن نہ آئے تم	دیکھو فلک سے چاند ستارے چلے گئے
مایوس تم سے اسعد خستہ نہ تھے کبھی	ہر حال میں تمہیں کو پکارتے چلے گئے

WWW.KITABISTAN.COM

ڈاکٹر سید محمود احمد قادری ۳۰ نومبر ۱۹۸۱ء بروز دوشنبہ انتقال فرما گئے اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

ایسے مشفق محترم کی مرگ ہنگام بھی — اہل دل کے واسطے طرفہ قیامت ہوگئی
نام ان کا شامل تاریخ رحلت ہوگیا — ''خلد میں ہیں ڈاکٹر محمود احمد قادری''

۹۱+۱۸۹۰=۱۹۸۱م

❋ ...... ☆ ...... ❋

حافظ ظہور الدینؒ

حافظ ظہور الدین کی پیدائش ۱۹۰۰ء میں ہوئی آپ کے والد کا نام حافظ نور الدین مہاجر مدنی تھا، حافظ ظہور الدین صاحب کے دادا منشی تراب علی سلطنت مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے قابل اعتماد منشی تھے۔

حاجی ظہور الدین کا شمار دہلی کے عمائدین اور شرفا میں ہوتا ہے، آپ دہلی کی تہذیب وروایت کی حسین تصویر تھے، آپ کی طبعی شرافت اور شائستگی سے بڑے بڑے قائدین متاثر تھے چنانچہ آپ کے ایک خاکہ نگار نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۳ء میں وزیر اعظم پاکستان محمد علی بوگرہ ہندوستان آئے تو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر حاجی ظہور الدین نے ہی ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔

حاجی صاحب کے اس رویہ سے پنڈت جواہر لال نہرو بے حد متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے سیکرٹری ایم آر بیگ کو ہدایت کی کہ وہ مسلم سربراہ کے استقبال کے لئے حاجی صاحب کو مدعو کریں''(دہلی والے ص ۴۴۳)

حاجی ظہور الدین مجاہد آزادی بھی تھے آپ ۱۹۲۱ میں تحریک ترک موالات میں پر جوش حصہ لیا اور چھ مہینے کے لیے جیل بھی گئے، لیکن آزادی وطن کے بعد حکومت ہند سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا حتی کہ قومی وظیفہ لینے سے بھی انکار فرمادیا حافظ صاحب ۴ اپریل ۱۹۸۲ء میں انتقال فرما گئے اور دہلی گیٹ میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے حاجی فیاض الدین صاحب

بھی اپنے والد صاحب کی روایات پر قائم ہیں قومی وملی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حاجی نظر الدین

حاجی نظر الدین مرحوم ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام شمس الدین تھا جو ایک بااثر آدمی تھے، حاجی نظر الدین دہلی پولیس میں تھانیدار تھے۔ آپ مولانا محمد یوسف کاندہلوی سابق امیر جماعت تبلیغ کے مرید اور سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی کے بہت قریب تھے۔

حضرت مولانا سید غیاث الحسن مظاہری مدیر ''دینی مدارس'' کی مجلس میں بھی آتے جاتے تھے، آپ کے صاحبزادے شعیب اقبال ایڈیٹر ''قومی فیصلہ'' صاف ستھرے اور اچھے ذہن ودماغ کے آدمی ہیں، قومی وملی کاموں میں کافی دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

عبد الغفار خان

عبد الغفار خان دہلی وقف بورڈ کے سیکرٹری تھے، ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں آپ کا انتقال ہوا اور نیا قبرستان دہلی گیٹ میں دفن ہوئے آپ کی قبر حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی کے مرقد کے قریب ہی ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا حافظ سید محمد فاروق

مولانا حافظ سید محمد فاروق صاحب ''بچوں کا گھر'' کے نگراں اور منتظم تھے۔ انہوں نے ''بچوں کا گھر'' کی خاطر بڑی بھاری قربانی دی تھی۔ آج مسلمانوں کے پاس اتنا بڑا دینی

WWW.KITAABISTAN.COM

ادارہ دیکھنے میں آتا ہے۔ وہ دراصل مولانا محمد فاروق صاحب کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے دورہ حدیث حضرت مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ سے مدرسہ امینیہ میں پڑھا۔

مولانا فاروق صاحب کے آباؤ اجداد شاہجہاں کے عہد میں بخارا سے دہلی آئے تھے اور شاہجہانی جامع مسجد کی امامت پر مامور ہو گئے تھے۔ لیکن مولانا محمد فاروق صاحب نے شاہجہانی جامع مسجد کی امامت کی بجائے تعلیمی و تعمیری میدان کو منتخب کیا اور اس دشوار ترین میدان میں ایک کامیاب انسان ثابت ہوئے۔

مولانا محمد فاروق صاحب ایک وضعدار آدمی تھے۔ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ سابق جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا فقیہہ الدین صاحب مہتمم جامعہ رحیمیہ سے گہرے روابط اور مراسم تھے۔ مولانا محمد فاروق صاحب پرسنل لا بورڈ کی میٹنگوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

✻ ...... ☆ ...... ✻

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ

شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین عرف میاں صاحب محدث دہلویؒ کی ولادت باسعادت ۱۸۰۵ء۔ ۱۲۲۰ھ میں سورج گڑھ ضلع مونگیر بہار میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید جواد علیؒ تھا آپ کے اباؤ اجداد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور اقتدار میں منصب اقتدار میں منصب قضاء پر فائز تھے۔

حضرت مولانا میاں صاحب محدث دہلویؒ ۱۲۴۲ھ میں ضلع مونگیر سے دہلی تشریف لائے اور امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم قرآن و حدیث کی تحصیل کی۔ آپ اپنے عہد کے جید عالم دین اور محدث کبیر اور مسلکاً اہل حدیث تھے۔ چنانچہ سرسید احمد خان مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

"مولوی نذیر حسین بہت صاحب استعداد خصوصاً فقہ میں ایسی استعداد کامل بہم

پہنچائی ہے کہ اپنے نظائر و اقران سے گوئے سبقت لے گئے ہیں۔ روایت کشی میں آج بے نظیر ہیں باوجود اس کمال اور استعداد کے مزاج میں خاکساری اور حلم گویا کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ باعتبار سن کے جوان اور بہ اعتبار طبیعت حلم اور وضع متین کے پیر" (آثار الصنادید ص ۵۵۸)

حضرت میاں صاحب دہلویؒ پنجابی کٹرے کی اورنگ آبادی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ اور اسی تاریخی مسجد میں ملک کے اطراف و اکناف سے تشنگان علم و فن آتے اور اکتساب علوم و فنون کرتے تھے۔ حضرت مولانا میاں صاحب محدث دہلویؒ جہاں ایک جید الاستعداد مدرس تھے وہاں ایک بلند نظر مصنف بھی تھے۔ آپ کی چند یادگار تصانیف حسب ذیل ہیں۔ "معیار الحق"، "واقعۃ الفتوی"، "واقعۃ النبوی"، "ثبوت الحق الحقیق"، "فلاح الولی باتباع النبی"، اور "ابطال عمل المولد"، وغیرہ وغیرہ۔

شمس العلماء حضرت مولانا نذیر حسین محدث دہلویؒ ۱۳۲۰ھ میں انتقال فرما گئے شیدی پورے کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ آپ کی قبر شیدی پورے قبرستان میں واقع مکان سے متصل اور ایک درخت کے قریب ہے۔

عربی، فارسی اور اردو کے چند قطعات تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔

قلت فی عامه با خلاصی دخل الجنة میاں صاحب ۱۳۲۰ھ

نوشت نکہت محزون دعائیہ تاریخ
بود جلیس بخاری و مسلم بزار
☆ ۱۳۲۰ھ

جمیل درزمان دان ہے یہ تاریخ
جہاں سے اٹھ گیا اچھا امام علم حدیث
☆ ۱۳۲۰ھ

✻ ...... ☆ ...... ✻

WWW.KITAABISTAN.COM

صوفی عزیز الرحمٰن پانی پتیؒ

حافظ صوفی عزیز الرحمٰن پانی پتی کی ولادت ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ میں مردم خیز سرزمین پانی پت میں ہوئی۔ آپ کے والد شادی خان ایک فوجی آدمی تھے۔ صوفی عزیز الرحمٰن ابھی سات دن کے تھے کہ والد کا سایہ عاطف سر سے اٹھ گیا۔ اور آپ اپنے ماموں قاری فضل الرحمٰن صاحب کی سرپرستی میں آ گئے۔ ماموں نے ہی آپ کی پرورش کی۔ صوفی عزیز الرحمٰن جید حافظ قرآن مجید اور مایہ ناز قاری تھے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ اور حضرت مولانا قاری عبدالسلام پانی پتیؒ جیسے ماہر اساتذہ فن تجوید و قرأت شامل تھے۔

صوفی عزیز الرحمٰن صاحب نے اپنی پوری زندگی قرآن مجید کی تعلیم و ترویج میں گزاری ہے۔ آپ نے ہزار ہا ہزار مسلم بچوں کو حفظ قرآن مجید کی دولت بے بہا سے مالا مال کر کے اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنا لیا ہے۔ صوفی جی صحیح معنوں میں درویش صفت اور ولی اللہ تھے۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔ صوفی جی علمائے دارالعلوم دیوبند سے بہت ہی قریب اور ان کی خدمات جلیلہ کے بڑے معترف اور قدردان تھے۔

صوفی جی شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے اور جملہ اصناف سخن میں استادانہ کمال بھی رکھتے تھے۔ آپ کا ایک دیوان ''دیوان عزیز'' کے نام سے منصۂ شہود پر آ چکا ہے اور علمی ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

صوفی عزیز الرحمٰن صاحب ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ء میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور شیدی پور کے قبرستان میں قیامت کی نیند سو گئے آپ کی قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

(۷۸۶ آرام گاہ جناب الحاج حافظ صوفی محمد عزیز الرحمٰن پانی پتی زندگی بھر دینی تعلیم دیتے رہے اور ۸ مئی ۱۹۷۳ء کو مجھے یتیم کر گئے پیدائش ۱۰ محرم ۱۳۱۴ھ وفات ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ضیاء الرحمٰن نیر عرف رحمان نیر)

حافظ محمد نسیم

حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے دہلی کے پنجابی برادری کے وہ صاحب خیر بزرگ تھے، جنہوں نے ۱۹۴۷ء کی بربادیوں اور تباہیوں میں نہ صرف اپنے مال سے بلکہ اپنی جان سے بھی مسلمانوں کی مدد کی ان کی موٹر گاڑی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی سرگرمیوں کے لیے وقف ہو گئی تھی اور اس موٹر گاڑی کے نمبر کو دیکھ کر سرکاری حلقے یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کی مددگاڑی آ گئی۔

آپ نے دلی میونسپل کمیٹی کا پہلا الیکشن لڑا اور اس میں کامیاب ہوئے اور مولانا عبد الماجد صاحب دہلویؒ ان کے الیکشن کے انچارج تھے۔ الیکشن کی سرگرمیوں میں ان پر قلب کا حملہ ہوا اور خدا کو پیارے ہو گئے حافظ صاحب کا انتقال ۱۹۷۳ء میں ہوا آپ کی قبر شیدی پورے میں بالکل دروازے کے قریب ہے آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

(اللہ ۷۸۶ محمد کل من علیہا فان مرقد حافظ محمد نسیم بٹن والے مرحوم و مغفور رفیق خاص رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب تبلیغی جماعت اور ۱۹۴۷ء کے خونی دور کے بے لوث خدمت میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن کے شریک کار۔ تاریخ وفات:۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۷۳ء بروز اتوار گیارہ بجے شب)

حافظ رحمت الٰہی معتکف

حافظ رحمت الٰہی دہلی کے مشہور پنجابی برادری کے بڑے صاحب خیر اور علماء نواز بزرگ تھے سحبان الہند مولانا احمد سعیدؒ کی مجلس کے نورتن کہلاتے تھے جماعتی اور علمائے کرام کی انفرادی ضرورتوں میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے اور ایک بہترین حافظ قرآن بھی تھے۔

WWW.KITAABISTAN.COM

حافظ صاحب کا انتقال ۲۶ ستمبر ۱۹۶۴ء میں ہوا اور اپنی برادری کے قبرستان شیدی پور میں دفن ہوئے آپ کی قبر حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے کے قریب واقع ہے آپ کی قبر پر اس طرح کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ (۷۸۶ گوشہ معتکف حاجی حافظ رحمت الٰہی معتکف ان پر اللہ کی رحمت ہو تاریخ وفات ۲۶ ستمبر ۱۹۷۷ء بروز جمع بوقت ۵ سہ پہر)

حاجی محمد شفیع دہلویؒ

شیخ حاجی محمد شفیع صاحب پیتل والے کا شمار دلی کے مخلص اور بے لوث قومی و ملی خادموں اور رہنماؤں میں ہوتا ہے آپ کی پیدائش ۱۹۰۲ میں دہلی کے ایک معزز پنجابی برادری میں ہوئی آپ کے والد شیخ حاجی انعام اللہ مرحوم ایک صاحب ثروت تاجر تھے۔

شیخ حاجی محمد شفیع صاحب پیتل والے ایک کامیاب اور دیانتدار تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ دینی و قومی تحریکات میں دل کھول کر حصہ لیتے تھے۔ مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی جمعیۃ العلماء کے سرگرم رکن اور معاون تھے۔ حاجی صاحب کے روشن اور تابناک قومی و ملی کارناموں کی بنا پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلویؒ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ جیسے مخلص قائدین آپ کی بڑی اہمیت محسوس کرتے تھے۔

حاجی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۴۷ کے قیامت خیز ہنگاموں میں دلی کے خوفزدہ مسلمانوں کی بڑی مخلصانہ اور ہمدردانہ خدمت کی دراصل مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا احمد سعید کو حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے، حافظ محمد عثمان گھڑی والے، حافظ رحمت الٰہی معتکف اور حاجی محمد شفیع پیتل والے جیسے مخلصین اور معاونین نہ ہوتے تو دہلی مسلمانوں سے بالکل خالی ہو چکی ہوتی اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی روحوں کو خوش رکھے!

حاجی محمد شفیع صاحب نے ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ کے بعد مساجد اور مقابر کی بڑی دانشمندی اور ہوشیاری سے حفاظت کی اور غیر مسلموں اور حکومت کے قبضے سے ان کو بچایا چنانچہ

اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں۔

''جب یہ قتل و غارت گیری تھی اور انسان اپنے ہوش میں آیا تو ان گنت مسائل پیدا ہونے شروع ہوگئے' مہاجرین نے سر چھپانے کے لیے خالی جگہوں کو آباد کرنا شروع کر دیا دیکھتے دیکھتے قبضے ہونے شروع ہوگئے' مساجد اور قبرستان مفاد پرست لوگوں نے ہتھیانے شروع کر دیئے۔ اس نازک دور میں جناب شفیع مرحوم وقت کی نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے نہایت تدبیر سے کام لیا اور اپنے اثر و رسوخ سے ناجائز قبضے ہٹوائے۔ یہ شفیع صاحب ہی کی مخلصانہ اور بے لوث کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج قبرستان شیدی پورہ موجود ہے ورنہ شاید یہ قبرستان بھی کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا اسی طرح انہوں نے اپنی حکمت علمی سے ان گنت جائیدادوں کو کسٹوڈین میں جانے سے بچایا۔ (دلی والے ص ۳۹۵)

حاجی محمد شفیع مرحوم ایک فرد نہیں بلکہ اپنی گوناگوں خصوصیات اور اوصاف کی بنا پر اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ایک تاریخ تھے اور دلی کی تہذیب و روایت کی زندہ مثال تھے۔

بالآخر ۷ اگست ۱۹۷۱ء میں یہ مخلص اور ہمدرد انسان شیدی پور کے اپنے خاندانی قبرستان میں قیامت کی نیند سو گیا' بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے صاحبزادے جناب عیسیٰ شفیع صاحب اپنے مخیر اور مخلص باپ کے نقش قدم پر گامزن ہیں اور قومی و ملی کاموں میں نمایاں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

حافظ محمد عثمان

دلی کی پنجابی برادری میں حافظ محمد عثمان صاحب کا نام اور ان کے کارنامے اس برادری کے لیے باعث فخر رہیں گے ان کی گھڑیوں کی دوکان چاندنی چوک میں لوٹ لی گئی اور انہوں نے سالہا سال کسٹوڈین سے مقدمہ لڑا اور ہمت نہیں ہاری بالآخر کامیابی حاصل کی اور مایوس کن حالات میں چاندنی چوک میں حسب معمول گھڑیوں کی دوکان لگا کر بیٹھ گئے۔

حافظ محمد عثمان صاحب کا انتقال ۱۹۷۸ء میں ہوا اور اپنے خاندانی قبرستان شیدی

WWW.KITABISTAN.COM

پورے میں مدفون ہوئے آپ کی قبر قبرستان شیدی پور کی مسجد سے قریب ایک احاطہ میں ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

محمد عمر لیس والے

شیخ حاجی محمد عمر لیس والے دہلی کی مشہور پنجابی برادری کے ذمہ دار اور مخیر لوگوں میں تھے آپ قومی و دینی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے' موصوف زندگی بھر قومی و ملی تنظیموں اور اداروں سے وابستہ رہے' آپ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے خازن بھی رہے ہیں۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی حکیم الاسلام قاری محمد طیب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند' مفکر ملت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اور مولانا عبد الاحد سابق استاد حدیث دارالعلوم دیوبند سے بڑی عقیدت وارادت رکھتے تھے یہ حضرات بھی شیخ صاحب کی مخلصانہ تعلقات وروابط کی بڑی قدر کرتے تھے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

حافظ محمد یوسف دہلوی

حافظ محمد یوسف دہلوی کا شمار دہلی کے مشاہیر میں ہوتا ہے آپ بڑے باغ و بہار مرنجامرنج قسم کے آدمی تھے' آپ دہلی کی تہذیب وروایت کی حسین تصویر ہونے کے باوجود زمانے کے جدید تقاضوں سے خوب آشنا تھے' حافظ محمد یوسف صاحب ''شمع'' جیسے مقبول اور عام رسالہ کے مدیر اور مالک تھے۔ اس وقت ''شمع'' کے قلم کاروں میں سعادت حسن منٹو' کرشن چند' اور محترمہ عصمت چغتائی جیسے مشاہیر ادب شامل تھے۔

حافظ محمد یوسف صاحب ایک اچھے کاروباری انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے خلیق وملنسار انسان تھے' آپ کے تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔

''کاروباری سوجھ بوجھ اور ذہانت میں ان کا جواب نہیں تھا رقابت کے جذبے سے یکسر عاری رہ کر معاصر رسالوں کے مدیروں اور مالکوں کو صالح مشورے دیا کرتے تھے' اور ان

کی دشمنی کے باوجود ہر طرح ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔'' (دہلی والے ص ۴۰۳)

حافظ محمد یوسف صاحب ایک تاریخ تھے' ایک انجمن تھے' بالآخر یہ قد آور انسان بھی شیدی پورہ قبرستان میں ہمیشہ ہمیش کے لیے روپوش ہوگیا' آپ کے پہلو میں آپ کی اہلیہ محترمہ بھی آرام فرما ہیں۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

رضیہ سلطانہ

رضیہ سلطانہ ہندوستان کے مشہور بادشاہ شمس الدین التمش متوفی ۱۱۳۵ھ کی صاحبزادی تھیں۔ سیاسی سمجھ بوجھ انتظامی صلاحیت اور طبعی شرافت میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھیں رضیہ سلطانہ ۱۲۳۶ھ۔۱۲۳۸ء میں تخت نشین ہوئیں اور بعض امراء کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جلد ہی قتل کردی گئیں۔

رضیہ سلطانہ کا مقبرہ دہلی کے مشہورہ محلہ بلبلی خانے میں واقع ہے' محلہ بلبلی خانے کے اندر بہت دور جانے کے بعد ایک ٹوٹی سی چار دیواری کے اندر دو قبریں ہیں یہ دونوں قبریں شکستہ ہیں ان میں سے ایک لا علی التعین رضیہ سلطانہ کی ہے اور دوسری رضیہ سلطانہ کی بہن شجیعہ بیگم کی ہے ان دونوں قبروں پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ البتہ دروازہ پر انگریزی میں ایک بورڈ لگا ہوا ہے' جس پر رضیہ سلطانہ کے مختصر حالات درج ہیں۔

ان دونوں قبروں کی بے حرمتی بے رونقی دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے اور جوش کے یہ اشعار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

جا گور غریباں پر نظر ڈال بہ عبرت — کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لیے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت — اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

❋ ...... ☆ ...... ❋

WWW.KITABISTAN.COM

مرزا عبدالقادر بیدلؔ

ابوالمعانی عبدالقادر مرزا بیدلؒ اپنے عہد کے مشہور و معروف فارسی گو صوفی شاعر تھے جنہیں مرزا غالب ''بحر بیکراں'' اور علامہ اقبال ''مرشد کامل'' کہتے ہیں۔

مرزا بیدلؔ ۱۰۵۴ھ میں عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے مرزا بیدلؔ ایام طفولیت میں ہی سایہ پدری سے محروم ہوگئے آپ کی والدہ ایک با حوصلہ اور سمجھ دار خاتون تھیں آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ منعطف کی، مرزا بیدلؔ بہت ہی کم مدت میں قرآن مجید ختم کر کے فارسی و عربی کی تعلیم کی تحصیل میں مصروف ہوگئے اور اپنی خداداد ذہانت کی بنا پر بہت جلد فارسی و عربی کی زبان و ادب میں کمال پیدا کیا۔

مرزا بیدلؔ کو نوعمری ہی سے شعر گوئی کا شوق تھا وہ زمانہ طالب علمی میں ہی نہایت عمدہ و شستہ اشعار کہنے لگے تھے اور ایک نوخیز طالب علم اور کمسن کی زبان سے ایسے عمدہ اور موزوں اشعار سن کر سامع و مخاطب دریائے حیرت میں پڑ جاتے تھے نکات بیدل، رقعات بیدلؔ، دیوان اور چہار عنصر مرزا بیدلؔ کی یادگار ہیں۔

مرزا بیدلؒ کی شخصیت کو وہ عظمت حاصل تھی کہ آپ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ اپنی علمی اور شاعرانہ مہارت کی بنیاد پر بیرون ہند میں بھی جانے پہچانے جاتے ہیں اور وہاں بھی ان کے قدرداں موجود ہیں اور ان کے متصوفانہ اشعار پر جان چھڑکتے ہیں۔

مرزا بیدلؔ کا انتقال ۱۱۳۳ھ میں دارالسلطنت دہلی میں ہوا، حکومت ہند نے متھرا روڈ پر مٹکے شاہ کے مزار کے مقابل باغ بیدلؔ بنوایا ہے۔ جہاں مرزا بیدلؔ کی قبر ہے۔

مرزا بیدلؔ کی لوح پر خط نستعلیق میں کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرقد بیدل

عقیدت منداں بیدلؔ باشد   تعمیر نو بنو افغانستان بیدلؔ
زشک عجز بیدلؔ تا قیامت برنمے آیم
برنگ جادہ منزل کردہ ام دریا خوابیدہ

مرزا عبدالقادر بیدلؔ افغانستان کے ہر دلعزیز مشہور و معروف صوفی شاعر ہیں۔

زیر گردوں بردہ شغل محو باید زیستن
غیر طفلی نیست بیدلؔ مرشد آں خانقاہ

(ولادت ۱۰۵۳ھ ق۔ وفات ۴ صفر المظفر ۱۱۳۱ھ ق حکیم محمد ابوالفتح اولاد جانشین سجادہ نشین)

متولی

(درگاہ حضرت خواجہ نور الدین ملک یار پراں نور اللہ مرقدہ)

❋ ...... ☆ ...... ❋

شاہ ترکمان بیابانی

شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانیؒ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اجل خلفاء اور مجازین میں تھے آپ ہمہ وقت عالم استغراق میں رہتے تھے اور آپ فطرتاً دنیا اور دنیا کے بکھیڑوں سے اس درجہ بے رغبت تھے کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگل میں پناہ گزیں ہوگئے تھے اور دنیا و مافیہا سے بالکل کنارہ کش! اسی وجہ سے آپ ''بیابانی'' کے لقب سے مشہور ہوئے آپ بڑے صاحب حال اور زہد و ورع، تقویٰ و طہارت میں بے نظیر تھے۔

شمس العارفین شاہ ترکمان بیابانیؒ کا انتقال ۲۴ ماہ رجب المرجب ۱۹۳۷ء بمطابق ۱۵۳۱ء میں ہوا اور آپ کا مزار ترکمان دروازہ محلّہ قبرستان میں حوض والی مسجد سے متصل مغرب کی جانب واقع ہے۔

❋ ...... ☆ ...... ❋

مولانا عبدالغفار دہلویؒ

مولانا عبد الغفار صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب دہلویؒ کے صاحبزادے تھے۔ جید عالم دین تھے آپ اپنے خاندانی قبرستان (خواجہ نور الدین ملک یار پیران مقابل درگاہ ابوبکر طوسیؒ) میں مدفون ہیں اور اسی قبرستان میں صوبہ بہار کے قادر الکلام

WWW.KitaabiStan.COM

اور صوفی شاعر عبدالقادر بیدلؔ کا خوبصورت مزار بنا ہوا ہے اور اسی مزار کے قریب مولانا عبدالغفار دہلوی کا مزار ہے۔

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ دہلوی

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ دہلویؒ ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے ذوق کے والد شیخ محمد رمضان ایک غریب سپاہی تھے۔

ذوقؔ حافظ غلام رسولؒ شوق کے شاگرد تھے بعد میں شاہ نصیر دہلویؒ کی شاگردی اختیار کی شاہ نصیر شاعری میں بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی کے استاد تھے' جب شاہ نصیر دکن چلے گئے تو بہادر شاہ ظفر نے ذوق کو استاد بنالیا' بادشاہ کے استاد ہونے کے بعد ذوقؔ کو مزید شہرت حاصل ہوئی۔

ذوقؔ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے زبان کو خوب صاف کیا اور اس پر جلا دی وہ الفاظ کی نشست اور ان کے مناسب استعمال سے کما حقہ واقف تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس وصف میں اپنے معاصر شعراء میں نمایاں و ممتاز تھے۔ ذوقؔ کو دربار شاہی سے ملک الشعراء اور خاقانی ہند کا خطاب ملا اور قادر الکلامی کے دربار سے ملک سخن کا لقب پایا۔

ذوقؔ کو دلی سے عشق تھا چنانچہ چندو لال نے حیدر آباد سے ایک مصرعہ ارسال کیا اور بکمال اشتیاق بلایا لیکن آپ نے نہایت ہی بے نیازی کے ساتھ یہ شعر لکھ کر بھیج دیا۔

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن
کون جائے ذوقؔ پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

ذوقؔ ۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ میں جاں بحق ہوئے اور دہلی کے قدیم قبرستان قدم شریف صدر بازار کے قریب کلو کا تکیہ میں دفن ہوئے افسوس صد افسوس! اب ذوق کے مزار پر استنجاء خانہ تعمیر ہو گیا ہے۔

ابتداء لوح مزار پر یہ قطعہ تاریخ کندہ تھا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ

طوطیٔ ہند حضرت استاد ذوقؔ نے — لی گلشن سے جو باغ جناں کی راہ
سال وفات جو کوئی پوچھے تو اے ظفر — کہہ ذوقؔ جنتی زہ بخشش الہ
(۱۲۷۱ھ)

مفتی محمد مظہر اللہ دہلویؒ

مفتی محمد مظہر صاحب دہلوی مسجد فتح پوری کے امام اور مفتی تھے آپ کا شمار دہلی کے مشہور علماء میں ہوتا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگاموں میں آپ نے مسجد فتح پوری کے مکان سے منتقل ہونا پسند نہیں کیا اور مسجد کو ہر حال میں آباد رکھنے کی کوشش کی مفتی صاحب خوش عقیدہ بزرگ تھے۔ رضا خانی انتہا پسندی سے پاک تھے جمعیۃ العلماء کے اکابر ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں مفتی صاحب کی پوری طرح دل داری اور مزاج پرسی کرتے تھے تاکہ انہیں اختلاف عقائد کے سبب جمعیۃ العلماء کے اکابر کی طرف سے بے اطمینانی اور بدگمانی نہ ہو۔

مفتی صاحب ایک مخصوص حلقے کے شیخ طریقت بھی ہیں آپ کے مریدین اور معتقدین کی اچھی خاصی تعداد ہے مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی کا مزار احاطہ مسجد فتح پوری میں ہے۔

فخر الدین علی احمد

فخر الدین علی احمد کی ولادت ۱۳ مئی ۱۹۰۵ء میں دہلی ہوئی آپ کے والد کا نام نامی ذوالنور علی احمد تھا' جو انگریزی فوج میں کرنل تھے اور بڑے باوضع انسان تھے۔

فخر الدین علی احمد نے کم عمری میں ہی قرآن مجید ختم کرلیا اور اردو و فارسی کی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر گورنمنٹ اسکول کشمیری گیٹ میں داخل ہوئے اور اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھی گئے اور وہاں سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کر کے ہندوستان واپس آئے اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ایماو اشارہ پر تحریک آزادی میں حصہ لینا شروع کیا اور دیکھتے ہی

WWW.KITABISTAN.COM

دیکھتے تحریک آزادی وطن کے چوٹی کے رہنماؤں میں شامل ہو گئے۔

محترمہ آپا حمیدہ سلطان تحریر فرماتی ہیں۔

''پنڈت نہرو کا بھائی (فخر الدین علی احمد) کی سوجھ بوجھ کے قائل تھے آپ عرصہ دراز تک کانگریس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ ۱۹۳۹ء میں آ کا بھائی کو بردولی وزارت میں وزیر مال کا عہدہ سپرد کیا گیا جبکہ آپ تمام وزراء میں سب سے کم عمر وزیر تھے۔ (دہلی والے ص۱۰۳)

۱۹۶۶ء میں اندرا گاندھی کے دور میں آپ کو متعدد قلمدان وزارت سپرد کئے گئے اور آپ جس شعبہ میں بھی گئے وہاں کے بگڑے ہوئے نظام کو درست کر دیا آخیر میں آپ کو صدر جمہوریہ بنایا گیا۔ اس مسند کو بھی آپ نے اپنے حسن تدبیر اور فطری صلاحیت کی بنا پر چار چاند لگائے اور آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ بنے۔

موصوف اپنے دور صدارت میں دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لے گئے اور آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا اور آپ نے وہاں کے علماء اور طلباء کے درمیان ان کی مناسبت سے بڑی ہی اچھی تقریر فرمائی جو طبقۂ علماء میں بہت پسند کی گئی۔

اتفاقی امر یہ ہے کہ آپ دوسرے صدر جمہوریہ ہیں جن کی وفات زمانہ صدارت میں ہوئی اور مزید اتفاق یہ ہے کہ آپ سے پہلے صدر جس کی وفات زمانہ صدارت میں ہوئی وہ بھی مسلمان صدر تھے، جن کا نام ڈاکٹر ذاکر حسین خان ہے بہر حال آپ نے ۱۱فروری ۱۹۷۷ء میں انتقال فرمایا اور نئی دہلی کی جامع مسجد کے احاطہ میں نزد پارلیمنٹ ہاؤس دفن ہوئے آپ کی قبر بہت ہی خوبصورت ہے۔

لوح مزار پر صرف نام و تاریخ پیدائش و وفات درج ہے۔

(فخر الدین علی احمد پیدائش ۱۳مئی ۱۹۰۵ء وفات ۱۱فروری ۱۹۷۷ء)

❋ ...... ☆ ...... ❋

حافظ عبدالرشید قریشیؒ

حافظ عبدالرشید قریشی دہلویؒ کا شمار دہلی کے روحانی پیشواؤں اور درویشوں میں ہوتا ہے آپ کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں قریش نگر قصاب پورہ دہلی میں ہوئی آپ کے والد کا نام نامی چودھری عبدالمجید قریشیؒ تھا، جو قریش برادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

حافظ عبدالرشید قریشی صاحبؒ نے حفظ قرآن مجید قصاب پوری کے مشہور استاد حافظ مولوی عبدالکریم صاحبؒ سے کیا اور دیگر علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل اپنے محلّہ کی مدرستہ زینت السلام میں کی حافظ عبدالرشید قریشیؒ اکابر ملت اور مشائخ طریقت کی صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ موصوف اپنے عہد کے علماء مشائخ اور صوفیاء کی خدمت بابرکت میں بڑی عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوتے تھے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے تھے۔

حافظ صاحب کی شخصیت پر مشہور مجاہد آزادی و مفسر قرآن مولانا نورالدین بہاریؒ اور دہلی کے مشہور واعظ حافظ مولوی محمد اسحاق دہلویؒ کا گہرا اثر تھا۔ حافظ عبدالرشید قریشی صاحب حضرت مولانا محمد اسحاق قریشی دہلوی کے علمی و روحانی مرکز مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا بازار میٹا محل جامع مسجد دہلی میں والہانہ انداز سے حاضر ہوتے تھے اور حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ کے مواعظ حسنہ سنتے تھے۔ یہاں ایک تاریخی واقعہ کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا صدیوں سے دعوت و تبلیغ کا مرکز رہا ہے۔ جہاں سید الطائفہ حضرت مولانا محمد حسین فقیر صاحب دہلویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قریشیؒ، مولانا محمد زبیر قریشی صاحب اور حافظ مولوی محمد عرفان صاحب قریشی رحمہم اللہ علوم قرآن و حدیث کا وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یہ بھی زمانہ کی ستم ظریفی ہے کہ یہ علمی و روحانی مرکز حضرت مولانا زبیر قریشی صاحب اور حضرت مولانا محمد عرفان قریشی صاحب کے انتقال کے بعد ویران اور غیر آباد ہو گیا۔

اللہ خوش رکھے! حافظ محمد عرفان قریشی کے صاحبزادے اور مدرسہ حسینیہ حنفیہ کے متولی محمد عثمان خالد قریشی صاحب اور محمد رضوان عابد قریشی صاحب کو جنہوں نے نہایت ہی عسرت و

تنگ دستی کی حالت میں مدرسہ حسینیہ حنفیہ گلی گڑھیا میں درس قرآن مجید کا انتظام واہتمام کیا اور راقم الحروف کو درس قرآن مجید دینے پر مجبور کیا الحمد اللہ راقم الحروف اپنی مصروفیات کے باوجود ہفتہ میں دو روز جمعہ اور پیر کو بعد نماز صبح درس قرآن دیا کرتا ہے۔ اس سلسلہ کو باقی رکھنا حافظ صاحب کے حلقے کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے خدا خاندان فقیر اور ان کے عقیدت مندوں کی اس یادگار کو قائم رکھے آمین۔

حضرت حافظ عبدالرشید صاحب قریشی پر حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق دہلویؒ قدس سرہ العزیز کا گہرا اثر تھا لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے لیے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا اور آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت مولانا محمد اسحاق قریشی صاحب کے اخلاص اور بلند ظرفی کی بات تھی کہ انہوں نے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی اور ارادت مندی پر کسی قسم کی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ تحقیق حال کے بعد خوشی ومسرت کا اظہار بھی فرمایا۔ حافظ معراج الدین صاحب قریشی صاحب کا بیان ہے کہ ”حضرت حافظ عبدالرشید قریشی صاحب ایک پختہ عقیدہ اور دیوبندی الفکر بزرگ تھے اور عقیدہ توحید کے پرجوش حامی اور مبلغ تھے“

حافظ عبدالرشید صاحب بڑے خاموش طبع اور گوشہ نشین قسم کے بزرگ تھے دراصل اس ہنگامہ نام ونمود میں خرق عادت کی زندہ تصویر تھے انہیں نام ونمود سے بڑی نفرت تھی دراصل اکابر دیوبند کے مشن پر گامزن تھے حافظ صاحب کے مریدین اور معتقدین کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ یہ سبھی لوگ آپ کی بلند ظرفی' بلندی اخلاق اور دینداری کے بڑے قدرداں اور مداح ہیں۔ دراصل قصاب پورہ میں دینداری کی موجودہ فضا آپ جیسے مخلص داعین اور مبلغین کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ اللہ تعالیٰ اس دینی ماحول کو قائم ودائم رکھے! بڑی خوشی کی بات ہے کہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب قریشی کے معمولات اور وظائف کو آپ کے جانشین حافظ معراج الدین صاحب قریشی زندہ کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو جاری رکھے! اور حافظ صاحب کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے! آمین۔

بلاشبہ حافظ عبدالرشید قریشی صاحب نے اپنی پوری زندگی شمع رشد وہدایت کو روشن رکھا۔ بالآخر ۱۹۸۶ء میں یہ آفتاب رشد وہدایت بھی ہمیشہ ہمیش کے لیے غروب ہوگیا آپ کی

تربت قریش نگر کی مسجد تکیہ ولی کے شمالی حصہ میں شاہ افلاطون شہید کے برابر میں ہے۔

عاجزہ خاتون

عاجزہ خاتون صاحبہ کی ولادت ۱۹۳۵ء میں صوبہ بہار کے مشہور تاریخی ضلع سہسرام شاہ آباد میں ہوئی آپ کے والد کا نام سید اظہار عالم ایڈووکیٹ تھا۔

عاجزہ خاتون نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کیں میٹرک کا امتحان سہسرام گرل اسکول سے پاس کیا اور بی۔ اے گمدھ یونیورسٹی گیا سے کیا اور وہیں سے بی۔ ایڈ بھی کیا رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد مسلم گرل ہائی اسکول گیا میں پرنسپل ہوگئیں اور عرصہ دراز تک پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہیں۔ پھر خانگی حالات کی بنا پر عہدۂ پرنسپلی سے مستعفی ہوکر دھنبار میں سکونت پذیر ہوگئیں اور اپنے صاحبزادوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دینے لگیں۔ عاجزہ مرحومہ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں آپ کے صاحبزادے جاوید عالم صاحب کے اصرار پر علاج کے سلسلہ پر دہلی آگئیں اور رام منوہر لوہیا ہاسٹل میں داخل ہوگئیں وہیں 22 فروری 1988ء کو راہی ملک عدم پر روانہ ہوگئیں اور جعفر آباد سلیم پور دہلی کے گور غریباں میں دفن ہوگئیں اللہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے آمین یا الہ العالمین۔

اردو کے مشہور شاعر ظفر جنکپوری نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

عاجزۂ جان آفریں کو جان شیریں سونپ کر   دار فانی کے ہر ایک غم سے ہوئی مامون آج
ہوگئی اب وہ خدا کے فضل سے جنت مکیں   کوکب برج سعادت' عاجزہ خاتون آج

(۱۹۸۸ء)

WWW.KITAABGHAR.COM

قاضی سجاد حسین

قاضی سجاد حسین جب مدرسہ عالیہ فتح پوری کے شیخ الحدیث تھے فارسی نصاب اور ادب کی کتابوں کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کر کے زندہ کردیا مولانا رومؒ کی مثنوی کی نہایت مختصر اور جامع شرح اور ترجمہ کر کے مثنوی کو اس کے معنوی حسن و جمال کے مطابق ایک شاندار کتاب کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کردیا بہت شاہانہ مزاج اور رکھ رکھاؤ کے بزرگ تھے۔ ہمدرد دواخانہ کے نائب متولی بھی رہے۔ مسلک حنفیت کے مشہور فتاویٰ تاتارخانیہ جو ناپید ہو چکا تھا' اس کو ایڈیٹ کر کے شائع کرایا اور یہ آپ کا بڑا تاریخی کارنامہ ہے مولانا قاضی سجاد حسین جمعیۃ العلماء ہند کے سرگرم رکن تھے' لیکن آخر میں جمعیۃ علماء ہند کی موجودہ قیادت سے بہت ہی نالاں تھے اور جمعیۃ العلماء سے علیحدگی اختیار کرلی تھی اور گھر میں بالکل گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ مرحوم راقم الحروف کی تصنیف'' دہلی میں دفن خذینے'' حصہ اول کی بڑی تعریف کرتے تھے اور حصہ دوم کی طرف رہنمائی فرماتے تھے حضرت قاضی صاحب کا ۲۴ دسمبر ۱۹۹۰ء میں انتقال ہوگیا حضرت مولانا ابوالحسن زید میاں صاحب نے اینگلو عربک کالج اجمیری گیٹ کے احاطہ میں جنازہ کی نماز پڑھائی راقم الحروف نماز جنازہ میں شریک تھا۔ نماز جنازہ میں علماء اور عمائدین شہر کی بڑی بھاری تعداد شریک تھی آپ کی تدفین حوض رانی نئی دہلی میں آپ کی اہلیہ محترمہ کے پاس ہوئی اللہ تعالیٰ ان دونوں کی قبر کو نور سے بھرے آمین۔

اجمالی تذکرے

قبرستان مہندیان میں بہت سے ایسے مدفون حضرات ہیں جن کے تفصیلی حالات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے صرف نام اور مختصر تذکرہ ہی پر اکتفاء کیا گیا اور ان میں حسب ذیل حضرات شامل ہیں۔

شیخ عبدالغنی بیابانیؒ:

شیخ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ' شیخ عبدالعزیز شکر بار کے اجلہ خلفاء میں تھے مکی مسجد میں مشغول عبادت رہتے تھے 9 جمادی الآخر 1017ھ کو وصال ہوا مہندیوں میں دفن ہوئے آپ کی قبر شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کی قبر سے قریب ہی تھی۔ جواب بے نشان ہوگئی ہے۔

شاہ رکن الدینؒ:

شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ' شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے پوتوں میں سے تھے اور عالم باعمل و محدث بے بدل تھے' اسی مکہ مسجد اور خانقاہ میں درس حدیث و قرآن دیتے تھے۔ 21 رمضان المبارک 1112ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

سید حسین علیؒ:

سید حسین علیہ رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل اور سید محمد عظیم چشتیؒ مرید و خلیفہ جو مولانا فخر الدین دہلویؒ کے خلیفہ تھے 19 ذی قعدہ 1243ھ کو اکبر شاہ ثانی کے عہد میں انتقال ہوا' خاندان ولی الٰہی کے شرق و جنوب میں دفن ہوئے ان کی قبر مٹ چکی ہے۔

اخوند برہانؒ:

اخوند برہان رحمتہ اللہ علیہ غلام قادر روہیلہ کے ہمراہ شاہ عالم ثانی کے عہد میں لوٹ مار قتل و غارت گیری کے لئے دہلی آئے تھے۔ مگر امام المفسرین حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی باطنی توجہ سے ان کی نیت بدل گئی اور خاندان نقشبندیہ مجددیہ میں آپ سے بیعت ہوگئے اور بڑے

صاحب کرامت ہوئے مہندیوں میں خاندان ولی اللہی کے قریب ہی دفن ہوئے آپ کی قبر مٹ گئی ہے۔سال وفات معلوم نہیں ہوا۔(مزارات اولیاء دہلی ص ۲۳)

فخر النساء مرحومہ:

فخر النساء مرحومہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی اہلیہ شاہ ولی اللہ کی والدہ اور شیخ محمد پھلتی ؒ کی صاجزادی تھیں۔تفسیر وحدیث فقہ میں مہارت تامہ رکھتی تھیں۔شاہ عبدالرحیم صاحب کے بغل میں دفن ہیں۔

بی بی ارادت مرحومہ:

بی بی ارادت مرحومہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اہلیہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کی والدہ محترمہ تھیں بڑی نیک خاتون تھیں۔آپ کی قبر فخر النساء مرحومہ کی قبر سے متصل ہے۔

شاہ مخصوص اللہؒ:

حضرت شاہ مخصوص اللہ رحمتہ اللہ علیہ مفسر کبیر حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کے فرزند ارجمند اور بڑے متبحر وعبقری عالم دین تھے۔انھوں نے پوری زندگی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کلاں محل میں علوم قرآن وحدیث کا درس دیا۔1856ء میں بعہد بہادر شاہ ثانی انتقال ہوا۔چبوترہ ولی اللہی پر مع اہلیہ محترمہ محو استراحت ہیں۔سرسید احمد خان مرحوم نے ''آثار الصادید'' میں ان کا جامع تعارف کرایا ہے۔

شاہ محمد موسیٰؒ:

شاہ محمد موسیٰ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے صاجزادے اور بڑے صاحب علم وفضل انسان تھے۔آپ بھی مدرسہ شاہ عبدالعزیز میں مدرس تھے موصوف بھی ولی اللہی چبوترہ پر محو راحت ہیں۔آپ کے حالات زندگی پردہ راز ہیں۔سال وفات اور سال پیدائش معلوم نہیں ہوئے۔آپ کے کتبہ پر بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔

شاہ محمد عمرؒ:

شاہ محمد عمر مشہور مجاہد عالم دین مولانا محمد اسماعیل شہید کے صاجزادے تھے بڑے متواضع منکسر المزاج اور قناعت پسند انسان تھے علم وفضل کے اعتبار سے اپنے اسلاف کی یادگار تھے۔آپ نے بھی مدرسہ عبدالعزیز میں قرآن وحدیث کا درس دیا تھا اور بعد میں مدرسہ شاہ عبد العزیز کا انتظام سنبھال لیا تھا۔

شاہ محمد عمر چبوترہ ولی اللہی پر آسودۂ راحت ہیں۔آپ کے بھی حالات زندگی پردہ راز میں ہیں۔

مراز مغل بیگ:

مرزا بیگ اردو کے مشہور شاعر غالب کی بہن کے دیور اور بڑے فاضل انسان تھے آپ کی قبر مہندیوں میں تھی۔مالک رام صاحب نے آپ کی قبر پر کتبہ دیکھا تھا۔1947ء میں اس قبر کو نقصان پہنچا دیا گیا اور اب مرزا کی قبر مٹ گئی ہے۔

عنایت الرحمٰن خان:

عنایت اللہ خان مرحوم برطانیہ دور حکومت میں ڈپٹی کمشنر تھے۔22 ربیع الآخر 1317ھ میں فوت ہوگئے۔واقعات دار الحکومت میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔آپکی قبر مٹ چکی ہے۔

حافظ سید محمدؒ امام جامع مسجد:

حافظ سید محمدؒ امام جامع مسجد دہلی کی ولادت دہلی میں ہوئی آپ صحیح النسب سید تھے آپکے والد کا اسم گرامی میر احمد علی مرحوم تھا۔

حافظ صاحب زہد وورع عبادت وریاضت اخلاص وللہیت اور طہارت ونظافت میں فقید المثال تھے۔3 ربیع الثانی 1317ھ میں بعمر 73 سال اللہ کو پیارے ہوگئے آپ کی قبر باب الولی کے قریب ہی داہنے ہاتھ کو دیوار سے متصل ہے۔

نواب مولوی احسان الرحمٰن خانؒ:

نواب صاحب دلی کے مشہور شرفا اور روساء میں تھے 26ء رجب 1313ھ کو انتقال ہوا۔آپ مٹیا محل میں رہتے تھے۔آپکی خوبصورت پختہ۔قبر مولانا محمد اکبر خانؒ کے

WWW.KITAABISTAN.COM

قریب درخت کے نیچے ہے۔

نواب غلام محمد حسن:

نواب صاحب بڑے وجیہہ اور ذی رائے آدمی تھے۔ آپ کے علم و فضل اور اعلیٰ قابلیت کی بناء پر انگریزوں نے خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔ آپ کی قبر مہندیوں میں ایک درخت کے نیچے ہے۔ 7 جمادی الثانی 1333ھ میں انتقال ہوا۔

مولانا حبیب الرحمٰن قریشیؒ:

مولانا حبیب الرحمٰن دہلوی کا شمار دہلی کے مشاہیر علماء میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام مولانا محمد حسین فقیر دہلوی تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن قریشی کی قبر راقم الحروف کے کمرے کے قریب ہی نیچے ہے۔

احمد مرزا فوٹو گرافر:

احمد مرزا فوٹو گرافر بڑے بہادر جری مجاہد آزادی تھے۔ موصوف تحریک شیخ الہند کے فعال و متحرک کارکن تھے۔ ریشمی رومال تحریک کے سلسلے میں خفیہ کاغذات کی فوٹو کاپیاں آپ ہی کی دوکان میں ہوتی تھیں۔ آپ کی دوکان لال قلعہ کے اندر تھی۔

احمد مرزا حضرت شیخ الہند اور حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب کے بڑے معتقد و جان نثار تھے۔ احمد مرزا 12 اپریل 1946ء میں جان بحق ہو گئے۔ مرزا مرحوم کا مفصل ذکر مولانا مدنیؒ نے "نقش حیات" میں کیا ہے۔ 1947ء میں آپ کا خاندان پاکستان چلا گیا۔

علیم اللہ خان:

علیم اللہ خان نواب عزیز اللہ خان مرحوم کے صاحبزادے اور مولوی سمیع اللہ خان کے بھائی تھے۔ علیم اللہ خان مرحوم بڑے تعلیم یافتہ آدمی تھے۔ آپ کی قبر مہندیاں میں تھی جو مٹ چکی ہے۔

نبیہ خاتون مرحومہ:

مرحومہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی کی اہلیہ تھیں۔ نہایت ہی نیک سیرت

اور قناعت پسند خاتون تھیں۔ 1975ء میں انتقال ہوا۔ آپ کی قبر تکی مسجد میں ہے۔ قبر پر کتبہ موجود ہے۔

حاجی احسان الٰہی:

حاجی احسان الٰہی مرحوم کے والد کا نام حاجی کریم الٰہی تھا۔ احسان الٰہی صاحب کی دلی کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے۔ آپ جمعیۃ علماء کے خزانچی بھی رہے ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا احمد سعید دہلویؒ مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن اور مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم سے آپ کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ باب الولی کے دائیں جانب مدفون ہیں آپ کی قبر کے اردگرد بہت ساری قبریں ہیں۔

سعیدہ امداد علی:

سعیدہ امداد علی سر محمد سعد اللہ مرحوم سابق وزیر اعلیٰ آسام کی صاحبزادی تھیں۔ دہلی میں فوت ہوگئیں۔ مہندیوں میں دفن ہوئیں۔ آپ کی قبر مولانا امداد صابری مرحوم کے قریب ہی ہے۔

حاجی نور محمد ننو اتیلی:

حاجی نور محمد مشہور بہ ننو اتیلی بڑے مخیر اور علما نواز بزرگ تھے۔ حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور سحبان الہند احمد سعید دہلوی سے آپ کا گہرا تعلق تھا آپ کی قبر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بغل میں ہے بڑی اچھی جگہ ملی ہے۔

بیگم فرخندہ بانو:

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کی رفیقہ حیات تھیں۔ مجاہد ملت کے قومی اور ملی خدمات کی ہم سفر تھیں۔ مجاہد ملت نے پوری زندگی سفر یا جیلوں میں گزاری یا مسلمانوں کی خدمات کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے دفتر میں دن رات گزارتے تھے ہمہ وقت ملت اسلامیہ کے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ اس وقت وہ تن تنہا اپنے عظیم شوہر مجاہد ملت کے گھر کی رکھوالی کرتی تھیں۔ اور خاندان کے اعزاء واقارب اور مہمانوں کی تواضع کی واحد ذمہ دار تھیں گھریلو زندگی کے ہر کام سے مجاہد ملت کو بے پرواہ کر رکھا تھا۔

WWW.KITABISTAN.COM

محمد ادریس بیگ:

محمد ادریس بیگ دہلی کے مشہور واعظ اور مقرر تھے آپ نے کچھ دنوں مدرسہ حسینیہ گوکل شاہ ٹمیا محل میں بھی وعظ فرمایا۔ موصوف 1986ء میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ آپ کی قبر نواب احسان الرحمٰن خان کے قریب ہے قبر پر کتبہ موجود ہے۔

آپ کے صاحبزادے مرزا مسعود بیگ متوفی 1986ء بھی مہندیوں میں مدفون ہیں مرزا مسعود بیگ مرحوم شیر میوات صاحب کے بڑے شیدائی اور فدائی تھے اسی وجہ سے شیر میوات صاحب نے مرزا مرحوم کو اپنے سرداو کے قریب ہی دفن کیا تاکہ مرنے کے بعد بھی رفاقت قائم رہے۔

محمد اسماعیل غوری:

محمد اسماعیل غوری دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عبدالرحمٰن مرحوم تھا غوری صاحب سحبان الہند مولانا احمد سعید کے نورتنوں میں تھے۔ بڑے باغ و بہار اور مجلسی آدمی تھے انھوں نے 1947ء کے حوادث میں بڑا کام کیا۔ غوری صاحب ہی جیسے جان نثار اور بہادر مجاہدین آزادی مولانا احمد سعید کے بال و پر تھے موصوف 1973ء میں جان بحق ہوگئے مہندیوں میں مدفون ہیں۔

ڈاکٹر احمد حسن عثمانی:

ڈاکٹر احمد حسن عثمانی یکم اپریل 1908ء میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد ماجد کا نام مخدوم مبارک علی الٰہی حسن عثمانیؒ تھا ڈاکٹر صاحب پانی پت کے رہنے والے تھے اور فراشخانہ دہلی میں اپنا مطب کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب دہلی کے مشہور ملی کارکن تھے انھوں نے 1947ء کے خوفناک حالات میں مسلمانوں کی بڑی مدد کی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے ساتھ شب و روز بھاگ دوڑ کرنے والوں میں تھے۔ 30 اپریل 1971 انتقال فرماگئے۔

مولانا منشی محمد یعقوب صاحب خطاط:

مولانا یعقوب صاحب بہارنپوری ہندوستان کے مشہور خطاط اور مظاہر علوم کے

فارغ التحصیل عالم بھی تھے' بڑے نیک طبع انسان تھے آپ کے تلامذہ میں مشہور خطاط عاصم امروہی ہیں موصوف بھی صاحب فراش ہوگئے ہیں۔ منشی صاحب مکی مسجد میں مدفون ہیں آپ کی قبر پر کتبہ نہیں ہے۔

بنے میاں پیر جی:

پیر جی مشہور صوفی اور صاحب حال بزرگ تھے آج بھی دہلی اور رام پور میں آپ کے مریدین وخلفاء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے آپ مہندیان میں مدفون ہیں۔

حافظ محمد امیر گوہر دہلوی:

حافظ محمد امیر گوہر محلہ چوڑیوالان میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد زکریا صاحب قریشی ہے، جو دہلی کے مشہور آدمی ہیں اور الحمدللہ بقید حیات ہیں۔

امیر گوہر دہلویؒ ایک بہترین حافظ قرآن تھے موصوف شاعرانہ وادیبانہ ذوق رکھتے تھے۔ فنون لطیفہ سے بھی آپ کا گہرا تعلق تھا ایک موقر جریدہ کے مدیر بھی تھے موصوف 1980ء میں نہایت ہی کم عمری میں انتقال فرماگئے مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی صاحب نے تاریخ وفات کہی ہے۔

فقیر دہلوی تاریخ گفت نادر گفت
امیر گوہر زمانہ بخلد رسید

عبدالحمید تیل والے:

عبدالحمید تیل والے مجاہد آزادی اور مولانا احمد سعید دہلوی کے نورتن میں تھے بڑے زندہ دل اور ہنس مکھ انسان تھے سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی کی وفات کے بعد محترم مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور مجلس میں بیٹھنے والوں کی خاطر تواضع کرتے تھے۔

خدا مغفرت فرمائے! عجیب ملنسار بزرگ تھے مہندیوں میں مدفون ہیں۔

حاجی محمد یونس راغب دہلوی:

راغب دہلوی صاحب کے والد مولانا عبدالعزیز دعا جو جلیل القدر عالم دین اور وعظ بے

WWW.KITAABISTAN.COM

بدل تھے۔ راغب صاحب دہلی کی تہذیب وثقافت کی حسین تصویر اور نمائندہ تھے آپ کی دوکان کوچہ استاد داغ چاندنی چوک پر ہمہ وقت علماء شعراء اور فنکاروں کا مجمع لگا رہتا تھا راغب صاحب 26 نومبر 1987ء کو انتقال فرما گئے مہندیان میں دفن ہوئے آپ کے لوح تربت پر یہ شعر ہے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عبدالمجید اظہر:

اظہر صاحب 1909ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عبدالکریم تھا اظہر مرحوم دہلی کے گمنام شاعر اور غریب قسم کے انسان تھے بڑے اچھے اشعار کہتے تھے لیکن ان کی غربت ہی ان کی گمنامی کا باعث ہوئی نمونہ کلام۔

اے ذوق نمو خاک میں ہستی کو ملا دیکھ — پوشیدہ فنا میں نظر آتی ہے بقا دیکھ
اس گلشن عالم سے ذرا ہاتھ اٹھا دیکھ — دنیا تیرے قدموں میں نظر آئے گی اظہر

مولانا محمد ازہر لدھیانوی:

مولانا محمد ازہر لدھیانوی 1926ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام حبیب الرحمن لدھیانوی تھا مولانا محمد ازہر 1979ء میں دہلی میں وفات پا گئے اور آپ مکی مسجد میں آرام فرما ہیں۔

حاجی نبی احمد:

حاجی نبی احمد مرحوم 12 اکتوبر 1920ء میں پیدا ہوئے آپ کا شمار دہلی کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا بہت ہی صاحب خیر تھے دینی مدارس کے معاون تھے مدرسہ امینیہ اور جامعہ رحیمیہ کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے 11 دسمبر 1986ء کو انتقال فرما گئے۔

افتخار احمد صاحب ایم۔اے:

افتخار احمد صاحب ایم۔اے چوڑیوالان میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام اشفاق

مرحوم تھا بڑے ذی علم آدمی تھے نہایت ہی کم عمری میں 30 جون 1981ء میں وفات پا گئے تاریخ وفات۔

تربت پہ افتخار کی ہاتف نے دی صدا
تاروز حشر قبر رہے مغفرت رسا

1981

عقیل ناروی:

عقیل صاحب ناروی دہلی کے مشہور نوجوان سماجی رکن تھے ادبی مجلسوں اور مشاعروں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے موصوف بڑے خلیق، ملنسار اور شگفتہ مزاج انسان تھے۔

کنیز فاطمہ مرحومہ:

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی اہلیہ محترمہ تھیں 27 مارچ 1985ء میں انتقال ہوا مہندیوں میں مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کی اہلیہ محترمہ کے بغل میں مدفون ہیں۔

شاہ سید علی اختر مرحوم رسول نمائی:

شاہ سید علی اختر مرحوم 10 فروری 1929ء میں پیدا ہوئے شاہ صاحب درگاہ حضرت سید حسن رسول نمائی کے سجادہ نشین اور متولی تھے تصوف کے آدمی تھے 5 ستمبر 1987ء کو انتقال ہوا اور مہندیوں میں مدفون ہیں آپ کے لوح مزار پر یہ شعر درج ہے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

(محمود دہلوی)

پیرجی محمد احمد صدیقی:

پیرجی محمد احمد صدیقی، دہلی میونسپل کارپوریشن کے ممبر اکرم قادری کے والد ماجد تھے بڑے خلیق اور متواضع وملنسار آدمی تھے مہندیوں میں آرام فرما ہیں۔

خورشیدہ سلطان:

دہلی مشہور قاری محمد ادریس صاحب امام جامع مسجد نئی دہلی کی رفیقہ حیات تھیں، بڑی

WWW.KITAABISTAN.COM

غریب پرور خاتون تھیں‘ 1960ء میں وفات پا گئیں احاطہ شاہ ولی اللہؒ میں دفن ہیں۔

حاجی عبدالسلام مرحوم:

آپ علاقہ چوڑیوالان میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام حاجی علی جان تھا۔

حاجی عبدالسلام مرحوم دہلی جامع مسجد کے مشہور سماجی کارکن تھے موصوف یکم جولائی 1982ء کو مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا مہندیوں کی مسجد کے صحن سے متصل مدفون ہیں۔

محمد ادریس صاحب:

محمد ادریس صاحب مخلص آدمی اور شیر میوات صاحب کے بہنوئی اور کچہری میں سینئر ریڈر تھے‘ ایک لائق اور قابل آدمی تھے مہندیان میں مدفون ہیں۔

مولیٰ بخش مرحوم:

مولی بخش مرحوم‘ علاقہ جامع مسجد کے مشہور قومی وملی کارکن‘ حاجی محمد رفیع صاحب کے والد تھے وہ 1960ء میں اپنے مولی حقیقی سے جا ملے مہندیوں میں آپ مع اہلیہ محترمہ محو راحت ہیں۔

حافظ محمد عثمان:

حافظ محمد عثمان محلہ چوڑیوالان کے رہنے والے تھے حافظ صاحب مشہور تاجر اور مدرسہ تعلیم القرآن چوڑیوالان کے بانی تھے اس مدرسہ سے مشہور مجاہد آزادی مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی کا گہرا تعلق تھا۔ مولانا عثمانی دہلی آتے تو یہیں قیام فرماتے تھے حافظ صاحب ملی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے تھے مہندیوں میں آرام فرما ہیں۔

مولانا افضل حسینؒ:

مولانا افضل حسین صاحب جماعت اسلامی ہند کے قیم اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے ممبر تھے قیم صاحب اپنے عہد کے مشہور ماہر تعلیم تھے آپ نے مسلم بچوں وبچیوں کے لیے بڑی مفید کتابیں لکھی ہیں۔

قیم صاحب ایک مخلص اور ہمدرد انسان تھے آپ کا انتقال یکم جنوری 1990ء کو جے

پرکشا نرائن ہسپتال میں ہوا اور قبرستان مہندیوں میں مدفون ہوئے آپ کی قبر جامعہ رحیمیہ کے مہمان خانہ کی دیوار سے متصل ہے۔

مولانا سید محمد رحیم شاہؒ

مولانا سید محمد رحیم شاہ صاحب مرحوم مدرسہ دعائیہ صدر بازار دہلی کے بانی اور شیخ الحدیث تھے بڑے متوکل اور قناعت پسند بزرگ تھے تقویٰ وطہارت میں بھی بے نظیر تھے۔ آپ شیخ طریقت اور روحانی پیشوا بھی تھے۔ آپ 8 نومبر 1991ء کو بعمر 116 سال اللہ کو پیارے ہوگئے اور شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کے جوار میں مدفون ہوئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی یادگار مدرسہ دعائیہ کو عروج وترقی سے سرفراز فرمائے۔

حکیم مصباح الدین جامعیؒ:

حکیم مصباح جامعی مالک ربانی بکڈپو لال کنواں مردان صوبہ سرحد پاکستان کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ایک اچھے حافظ وقاری تھے موصوف کو طب سے بھی اچھی خاصی مناسبت تھی آپ نے کچھ دنوں تک مطب بھی کیا تھا‘ پھر بعد میں اپنا ایک اشاعتی ادارہ قائم کرلیا تھا جس سے بڑی علمی وتحقیقی کتابیں شائع کیں ہیں۔

آپ کا سب سے اہم کارنامہ حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی ثم پاکستانی کی تفسیر معارف القرآن کے آٹھ ضخیم حصوں کا شائع کرنا ہے۔ ربانی بکڈپو حکیم صاحب مرحوم کی اصل یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ہمیشہ قائم رکھے! آپ کے صاحبزادگان بھی اپنے والد مرحوم کے چھوڑے ہوئے اشاعتی کاموں کو مکمل کرنے میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ ان صاحبزادگان کو حوصلہ وہمت عطا فرمائے۔

حکیم صاحب 3 اکتوبر 1991ء کو انتقال فرماگئے اور قبرستان مہندیون میں مدفون ہوئے۔ مولانا غیاث الحسن صاحب مظاہری نے قطعہ تاریخ کہا ہے۔

آخرش ہم سب سے رخصت ہوگئے ۔۔۔ مولوی قاری حکیم مصباح الدین
کتنی ہی آنکھیں ہوئی ہیں اشکبار ۔۔۔ ہوگئے کتنے ہی دل اندوہ گیں
وہ جو دنیا میں تھے ''اہل انجمن'' ۔۔۔ ہوگئے فردوس میں گوشہ نشیں

(180 1232 1412)ھ

WWW.KITAABISTAN.COM

حکیم شرف الدین بقائیؒ:

حکیم شرف الدین بقائی صاحب مرحوم دہلی کے مشہور طبیب وحکیم اور کئی دینی تعلیم گاہوں کے ممبر تھے' آپ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ سے بہت قریب رہے مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب سے بھی خصوصی تعلق تھا۔

کتابیات

آثار الصنادید	از سرسید احمد خان
واقعات دار الحکومت دہلی	مولوی بشیر الدین احمد
مولانا آزاد کی سیاسی ڈائری	شانتی رنجن بھٹہ چاریہ
الواح الصنادید	عطاء الرحمٰن قاسمی
ماہنامہ دینی مدارس	غیاث الحسن مظاہری
گنجہائے گرانمایہ	پروفیسر رشید احمد صدیقی
مولانا نذیر احمد کی کہانی	مرزا فرحت اللہ بیگ
کچھ اُن کی کچھ میری زبانی	=
دلی والے	ڈاکٹر صلاح الدین
سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	خلیق احمد نظامی
ساغر نظامی فن اور شخصیت	ضامن علی خان
رود کوثر	شیخ محمد اکرام
رئیس الاحرار	جمیل احمد
در حدیث دیگراں	عزیز الرحمٰن جامعی
شاہ ولی اللہ اور انکا علمی	مولانا اخلاق حسین قاسمی
اور فکری خاندان	=
دلی کی یادگار شخصیتیں	از امداد صابری
یہ دلی ہے	یوسف دہلوی
تذکرہ سائل	حفظ الرحمٰن واصف
کلیات مخمور	بدر مخمور
دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں	عطاء الرحمٰن قاسمی

WWW.KITAABISTAN.COM

ٹوٹے ہوئے تارے	شاہ محمد عثمانی
دلی کے بائیس خواجہ	ڈاکٹر ظہور الحسن شارب
یادوں کا جشن	کنور مہندر سنگھ بیدی
مادر ہمدرد	خواجہ حسن نظامی
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
علامہ خضر برنی شخص اور شخصیت	نظر برنی
خاندان لوہاروں کے شعراء	حمیدہ سلطان احمد
سیر المنازل	نگین بیگ مرتبہ ڈاکٹر شریف
	حسین قاسمی
خواجہ میر درد	ثاقب صدیقی
مزارت اولیائے دہلی	مولوی محمد عالم شاہ صاحب فریدی
ارمغان آصف	خواجہ احمد فاروقی
ذکر محمود	ڈاکٹر سید مشکور احمد
علمائے ہند کا شاندار ماضی	مولانا محمد میاں صاحب

WWW.KITAABISTAN.COM

ہماری دیگر کتب

کمپنی کی حکومت	باری علیگ
غبار خاطر	مولانا ابوالکلام آزادؒ
برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
اسیر مالٹا	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
آزادی ہند	چوہدری افضل حقؒ
دین اسلام	چوہدری افضل حقؒ
جواہرات	چوہدری افضل حقؒ
شعور و آگہی	مولانا عبید اللہ سندھیؒ

طیب پبلشرز

5۔یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7241778

WWW.KITABISTAN.COM